قرآنی مینار

پروفیسر ڈاکٹر
علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
(ستارۂ امتیاز)

قرآنی مینار

یکے از تصنیفات

پروفیسر ڈاکٹر

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

(ستارۂ امتیاز)

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

دانشگاہِ خانۂ حکمت پاکستان

INSTITUTE FOR SPIRITUAL WISDOM (I.S.W.) U.S.A.

www.monoreality.org

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

ISBN 190344045-9

فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	عنوان	تاریخ	صفحہ نمبر
۱	انتسابِ کتابِ ہٰذا...............	دسمبر ۲۰۰۵ء	۱
۲	آغازِ کتاب	۱۶/ اپریل ۱۹۹۰ء	۲
۳	ایک یادگار دن	۸/ 〃 ۱۹۸۹ء	۸
۴	سائنس اور روحانیّت	۱۴/ مئی 〃	۱۴
۵	نمونہ ہائے حکمت	۲۲/ جون 〃	۲۰
۶	کلیدی حکمتیں	۲۷/ 〃 〃	۲۷
۷	حضرتِ یونسؑ	۱۴/ جولائی 〃	۳۴
۸	قرآنی میناروں سے روشنی، قسطِ اوّل ..	۲۰/ 〃 〃	۴۱
۹	〃 〃 〃 〃 ، قسطِ دوم ..	۲۵/ 〃 〃	۵۱
۱۰	〃 〃 〃 〃 ، قسطِ سوم ..	۱۹/ اگست 〃	۵۸
۱۱	ستاروں پر لطیف زندگی........	۱۰/ اکتوبر 〃	۶۵
۱۲	اسمِ اعظم ـــــ سرِّ اسرار	۱۶/ 〃 〃	۷۲
۱۳	حکمتیں ہی حکمتیں	۲۴/ 〃 〃	۷۹
۱۴	پیغمبرؐ اور امامؑ کی دعائے برکات	یکم نومبر 〃	۸۶

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	عنوان	تاریخ	صفحہ نمبر
۱۵	امامِ عالیمقامؑ کے چند قرآنی نام، قسط:۱	۱۷/ 〃 〃	۹۲
۱۶	اصحابِ کہف کی عظیم حکمتیں	۱۲/ نومبر ۱۹۸۹ء	۹۹
۱۷	معرفتِ آیات و معجزات	۱۸/ 〃 〃	۱۰۶
۱۸	حکمتِ اضداد	۲۳/ 〃 〃	۱۱۲
۱۹	عقلِ آدم اور روحِ حوّا	۲۹/ 〃 〃	۱۱۸
۲۰	حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن.........	۱۰/ دسمبر 〃	۱۲۴
۲۱	چوٹی کے سوالات، قسط:۱	۱۸/ 〃 〃	۱۳۰
۲۲	چوٹی کے سوالات، قسط:۲.........	۲۲/ 〃 〃	۱۳۶
۲۳	سابقون کی سبقت کا راز	۲۷/ 〃 〃	۱۴۲
۲۴	چوٹی کے سوالات، قسط:۳.........	۵/ جنوری ۱۹۹۰ء	۱۴۸
۲۵	عالمِ عقل ــــ عالمِ وحدت..........	۱۳/ 〃 〃	۱۵۵
۲۶	شبِ قدر کے معجزات..............	۲۰/ 〃 〃	۱۶۲
۲۷	روح اور مادّہ	۲۸/ 〃 〃	۱۶۹
۲۸	آیت کی تفسیر آیت سے	۷/ فروری 〃	۱۷۶
۲۹	عزیزانِ امریکا کے سوالات.........	۱۶/ 〃 〃	۱۸۳
۳۰	حضرتِ طالوتؑ	۱۸/ 〃 〃	۱۹۰
۳۱	چند پیچیدہ مسائل	۲۶/ 〃 〃	۱۹۷

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبرشمار	عنوان	تاریخ	صفحہ نمبر
۳۲	پُرتگال سے دوسوال	۴/ مارچ 〃	۲۰۴
۳۳	سب سے عالیقدر خدمت	۱۸/ مارچ ۱۹۹۰ء	۲۱۱
۳۴	خزائنِ کیسیٹ لائبریری	〃 〃 〃	۲۱۵
۳۵	کیا جِنّات مسخّر ہوسکتے ہیں؟	۲۵/ 〃 〃	۲۱۷
۳۶	اے دل! جواب دے	۳۱/ 〃 〃	۲۲۳
۳۷	قرآن اور انس وجآنّ	۸/ اپریل 〃	۲۳۰
۳۸	انڈیکس		۲۳۶

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اِنتسابِ کتابِ ہٰذا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْآ اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (ترجمہ): اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰ ابنِ مریم نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا "اللہ کے لیے میرے مددگار کون ہیں؟" اور حواریوں نے جواب دیا تھا "ہم ہیں اللہ کے مددگار" (۶۱:۱۴)۔

ہر زمانے کے انسانِ کامل کے مددگار ہی انصارُ اللہ ہیں اور اس دورِ قیامت کے انصارانِ قائم کی خصوصی تعریف ہے جو ذکر و فکر اور علم و حکمت کے فروغ کے لیے بے مثال قربانیوں کے ذریعے ایک اسماعیلی قیامت برپا کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہیں۔

پاکستان اور امریکہ میں خدمات کی یادگار تاریخ رقم کرنے والے ہمارے دو قابلِ قدر احباب ڈاکٹر رفیق جنّت علی، آئی۔ ایل۔ جی، سکالر، پریذیڈنٹ اٹلانٹا ہیڈ کوارٹر اور میڈیکل پیٹرن؛ اور ڈاکٹر شاہ سلطانہ رفیق، حضرتِ عالیہ، نورِ فاطمہ، میڈیکل پیٹرن اور کوآرڈینیٹر پرنس علی محمد لٹل اینجلز اٹلانٹا نے علمی خدمات کے تسلسل کے طور پر اپنے اہلِ خانہ کی جانب سے "قرآنی مینار" جیسی عظیم اور بنیادی کتاب کو چھپوا کر ازراہِ شفقت اپنے مرحوم والد جنّت علی ابنِ علی محمد، اپنے مرحوم بھائی جعفر ابنِ جنّت علی اور اپنی والدۂ محترمہ زہرا خانم زوجۂ جنّت علی کے نام کر دیا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند بہشتِ برین میں مرحومین کے درجات کو بلند فرمائے! اور محترمہ زہرا خانم کو دین و دنیا کی ہزار ہا نعمتوں سے سرفراز فرمائے! آمین!

ڈاکٹر شہناز سلیم ہونزائی
کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

آغازِ کتاب

۱- بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اے خدائے علیم وحکیم! اے بادشاہِ مُلکِ قدیم! اے خلاّقِ کون ومکان! اے رزّاقِ انس وجان! اے قادرِ مطلق! اے دانائے برحق! اے سلطانِ ازل! اے خداوندِ لم یزل! اے دارندۂ خزائنِ علم وحکمت! اے کُشایندۂ ابوابِ رحمت! اے کریمِ کارساز! اے رحیمِ بندہ نواز! الٰہی چارۂ بیچارگان کن ؛ الٰہی رحمتی بربندگان کن ۔ الٰہی رحمتت دریائےعام است ؛ وزانجا قطرۂ مارا تمام است ۔ ... اَللّٰھُمَّ صلِّ علیٰ محمّدٍ وَّ آلِ محمّد۔

۲- بندۂ احقر اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ابرِ کرم اور ایسی طوفانی بارانِ دُرّو گوہر سے انتہائی حیرت زدہ ہے، یہ خاکسار دریائے غور وفکر میں مستغرق ہو کر اپنے آپ سے یوں پوچھتا ہے کہ: کس کی یا کن کی عاجزانہ دعا سے خداوندِ مہربان نے روحانی اور علمی نعمتوں کی ایسی عظیم الشّان اور جانفزا بارش برسادی؟ کیا شعوری یا غیر شعوری طور پر میرے آبا واجداد اور بزرگوں نے کوئی ایسی دعا ومناجات کی تھی؟ آیا یہ ان پُرخلوص دعاؤں کا ثمرہ نہیں، جو علاقے کے مومنین بار بار پروردگار کے حضور سے طلب کرتے رہتے ہیں؟ کیا وہ جماعتی دعا سب سے افضل واعلیٰ اور سب سے مقبول نہیں ہے، جو دنیا بھر کے جماعتخانوں میں منظّم طور پر اور ایک ہی شان سے مانگی جاتی ہے؟ اور اس خاکسار کے عزیز ساتھیوں اور دوستوں کی قابلِ رحم گریہ وزاری اور دلسوز مناجات بھی تو ہے، الغرض یہاں تمام دعاؤں نے مل کر کام کیا ہے، تاہم یہ نکتہ ہمیشہ یاد رہے کہ دعاؤں پر جو دعا بادشاہ ہے، وہ امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کی مبارک دعا

ہے۔

۳۔ یہ بات واضح رہے کہ قرآنی علاج، علمی علاج، اور روحانی علاج کے بعد گزشتہ سال لنڈن کے دَورہ کے دوران دوستانِ عزیز کی میٹنگ میں یہ مشورہ ہوا تھا کہ اب (اگر خدا نے چاہا تو) ''قرآنی مینار'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جائے گی، جس کا حصّۂ اوّل یہی زیرِ نظر کتاب ہے، اگر ربّ العزّت کی توفیق وتائید حاصل رہی، اور جسمانی صحت کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا، توان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے حصّے کے لئے بھی سعی کی جائے گی۔

۴۔ اپنی بیشتر کتابوں کی طرح ''قرآنی مینار'' بھی ابواب پر منقسم نہیں، بلکہ چند پُر مغز ومفید مقالوں پر مبنی ہے، تاہم یہاں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ نہ صرف انہی مقالات میں کُلّی طور پر موضوعاتی ربط وہم آہنگی موجود ہے، بلکہ خداوندِ قدّوس کے فضل و کرم سے تمام کتابوں کا اصل اور بنیادی موضوع بھی ایک ہی رہا ہے، اور وہ مقدّس موضوع ہے: ''قرآنی حکمت وروحانیت''۔ چنانچہ بُروشسکی ریسرچ ورک کو چھوڑ کر باقی نظم ونثر کے جیسے اور جتنے بھی مضامین ضبطِ تحریر میں آچکے ہیں، وہ یقیناً سب کے سب اسی انتہائی عظیم واعلیٰ موضوع سے متعلّق اور اسی کے تحت ہیں، اور آپ یہ بات جانتے ہیں کہ کوئی علمی شی حکمتِ قرآن اور روح وروحانیت سے باہر نہیں۔

۵۔ میرے خیال میں یہ سوال بڑا دلچسپ اور نافع ہوسکتا ہے: اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ اس مشکل ترین موضوع کا انتخاب کن وجوہ کی بنا پر ہوا؟ میں جواباً عرض کروں گا:

الف: قرآن اور اسلام کے دو پہلو ہیں: ظاہر اور باطن، سو ظاہر سب کے سامنے عیاں ہے، مگر باطن ایسا نہیں، لہٰذا قرآنی حکمت اور روحانیت کے عنوان سے

تلاشِ باطن ضروری تھی۔

ب: ہر دانشمند مسلمان شر سے دور ہو کر خیر کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اور قرآنِ کریم کا واضح اشارہ ہے کہ جس کو خیرِ کثیر چاہئے، وہ حکمت کے توسّط سے حاصل کرے (۲۶۹:۲)۔

ج: جب خدائے بزرگ و برتر نے دینِ اسلام کو مکمل کر دیا، تو یہ اس کی نعمتِ تامّہ کی صورت ہوگئی (۳:۵) اب آپ قرآن ہی سے پوچھ لیں کہ دین جو اللہ کی سب سے بڑی اور سب سے کامل نعمت ہے، وہ صرف ظاہر ہی میں ہے، یا باطن میں بھی ہے؟ قرآن یہ کبھی نہیں فرماتا کہ دین کی نعمتیں صرف ظاہر ہی میں محدود ہیں، بلکہ اس کا حکم یہ ہے: اور اُس نے تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی طور پر پوری کر رکھی ہیں (سورۂ لقمان ۳۱:۲۰)۔

د: اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں پیدائشی اسماعیلی ہوں، اور یہ مذہب بمقتضائے حکمتِ قرآن و حدیث باطنی، روحانی، اور تاویلی ہے، یعنی یہاں ظاہر اور باطن دونوں کی اہمیت ہے، جیسا کہ کتابِ "وجہِ دین" میں ہے، پس میں نے قرآنی حکمت و روحانیت سے دلچسپی لی۔

۶- منکرینِ قرآن نے قرآنِ حکیم کو اساطیرُ الاوّلین (اگلے لوگوں کی کہانیوں کا مجموعہ) کیوں کہا؟ اس لئے کہ قصصِ قرآن میں علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے جیسے انمول خزانے پوشیدہ ہیں، وہ ان کے دیکھنے سے بالکل ہی اندھے تھے، اور وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ قصّے میں کوئی راز یا کوئی اشارہ ہوگا (لفظِ اساطیر کو قرآن کے نو مقامات پر دیکھ لیں) اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ قرآنِ کریم میں قصّے بھی ہیں، اور تاریخی واقعات بھی، لیکن ان کا مقصدِ اصلی کچھ اور ہے، اور وہ ہے تاویلی حکمت۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

۷- اب مذکورہ بیان کی روشنی میں یہ بڑا اہم سوال سامنے آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرتِ یوسف علیہ السّلام کو (خواب و بیداری کی تمام) باتوں کی تاویل/حکمت سکھادی، اور جیسے ارشاد ہوا کہ ایسا کرنا اللہ پاک کی طرف سے اتمامِ نعمت ہے (اور خدا کی سُنّت یہی رہی ہے ۱۲:۶) تو کیا دینِ اسلام میں جو نعمتِ تامّہ ہے (۵:۳) اس میں اور حضرتِ یوسفؑ کی نعمت میں کوئی فرق ہے، یا یہ وہی نعمت ہے؟ کیا یہ اس حقیقت کا واضح اشارہ نہیں ہے کہ اسلام میں صاحبِ تاویل موجود ہے؟ ورنہ وہ نعمت کامل ہوگی، اور یہ نعمت نامکمل، مگر یہ بات درست نہیں، نیز یہ بھی سوچنا ہے کہ سورۂ یوسف حکایت تو ہے، لیکن حکمتوں سے بھری ہوئی، جس میں بے شمار سوالات کیلئے پیشگی طور پر آسمانی جوابات مہیّا ہیں، یہ جوابات آیات کے نام سے ہیں (۱۲:۷)۔

۸- علمِ لدنّی یعنی روحانی اور تائیدی علم ہی تاویل کا ذریعہ ہوتا ہے (۱۸:۶۵) جیسے حضرتِ موسیٰؑ کے معلّم کو عطا ہوا تھا، اور وہ بزرگ اسی علم کی بناء پر تاویل کیا کرتے تھے (۱۸:۷۸-۸۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ تاویل دو قسم کی ہوتی ہے: کتابی، اور عملی، کتابی تاویل ہر وہ شخص کرسکتا ہے، جو تاویلی کتب کا مطالعہ کرتا ہو، اور وہ بہت محدود ہے، مگر عملی تاویل صرف امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کے پاس ہے، اور آپؑ اپنے لشکر میں سے جن کو چاہیں بطریقِ روحانیت اس کی تعلیم دے سکتے ہیں، کیونکہ بحکمِ حدیثِ خاصفُ النّعل علیؑ (یعنی ہر امامؑ) تاویلِ قرآن پر جنگ کرتے ہیں، مگر جس طرح آنحضرت صلعم ظاہری جہاد میں تنہا نہ تھے، اسی طرح امامِ وقتؑ بھی جہادِ باطن میں اکیلے نہیں ہوتے۔

۹- دینِ اسلام کی ایک قابلِ فہم مثال یہ ہے کہ پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جس شان سے نورِ نبوّت کی تشبیہہ و تمثیل علم کے شہر اور حکمت کے گھر سے اور

نورِ امامت کی مثال دروازے سے دی ہے، وہ صراطِ مستقیم کی مستقل روحانیت ہے (جیسے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، اور فرمایا: میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے) خوب یاد رہے کہ ان دونوں حدیثوں میں نورِ امامت کے وسیلے سے نورِ نبوّت تک رسا ہو جانے کی تعلیم دی گئی ہے، اور اگر ہم یہاں تصوّف کی زبان میں بات کریں تو یہی ہے فنا فی الامامؑ کے ذریعے سے فنا فی الرّسولؐ، اور فنا فی اللہ کا مرتبہ حاصل کرنا۔

۱۰- بہت سے حضرات کو اس حقیقت کا علم ہے کہ ہر حدیثِ صحیحہ کسی ایک آیۂ کریمہ کی یا چند آیاتِ مقدّسہ کی تفسیر کرتی ہے، تو سوال ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں حدیثوں کا تفسیری رُخ کس آیۂ مبارکہ کی جانب ہے؟

جواب: الف: ارشاد ہے: وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص (۲:۱۸۹) اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔ یہ حکم شروع سے آخر تک جاری ہے، چنانچہ انبیا علیہم السّلام بُیوت ہیں، اور ائمّہ علیہم السّلام ابواب، اور تمام اُمتوں کو ایک ساتھ حکم ہوا کہ تم اپنے اپنے اماموں کے وسیلے سے پیغمبروں کی روحانیت میں داخل ہو جاؤ۔

ب: آیۂ کریمہ ہے: وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۳۶:۱۲)۔ یہاں امامِ مبینؑ کی مثال ایک چار دیواری اور اس کے دروازے کی طرح ہے، اور رحمتِ عالمؐ کائنات پر محیط بھی ہیں، اور یہاں بحکمِ خدا مُحاط بھی، یعنی اس احاطے میں آپ ہی کُلّ شَی ہیں۔

ج: قرآن میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ بیت (اللہ) لوگوں کے لئے جائے ثواب اور مقامِ امن ہے (۲:۱۲۵) جس سے نورِ نبوّت اور نورِ امامت مراد ہے، کیونکہ ہر گھر کی

دو چیزیں ہوا کرتی ہیں: در و دیوار، اور اندرونی حصہ، جس میں کسی کی حیثیت کے مطابق مال ہوتا ہے، اور خدا کے گھر میں کیا نہیں ہوسکتا، پس جاننا چاہئے کہ مذکورہ دونوں حدیثیں کئی آیاتِ مبارکہ کی تفسیر کرتی ہیں، وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (۲۰:۴۷)۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی
کراچی
پیر ۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
۱۶/ اپریل ۱۹۹۰ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ایک یادگار دن

۱- اس دفعہ امامِ اقدس واطہر کے بابرکت دیدار کی عظیم سعادت ہمیں نوروز کے موقع پر یعنی ۲۱ / مارچ ۱۹۸۹ء کو حاصل ہوئی، کوئی مومن اور کوئی عاشق ایسے یومِ سعید کو کیسے فراموش کرسکتا ہے، اسی روحانی بہار کے موسمِ گُل کی تروتازگی، شادابی، اور رنگ و بُو کا تذکرہ جاری وساری تھا کہ ۲۴ / مارچ کو خانۂ حکمت اور ادارۂ عارف نے ایک پُرخلوص و پُروقار الوداعی تقریب منعقد کی، جو میرے گلگت جانے سے متعلق تھی، جس میں دونوں اداروں کے عملداران، ارکان اور کئی احباب تشریف فرما تھے۔

۲- یہ تقریب میری ناچیز حیثیت سے بدرجہا اعلیٰ وبالا تھی، اگر آپ چاہیں تو متعلّقہ ہمّت افزائی کے خطوط کو پڑھ سکتے ہیں، یا کیسیٹوں کو سُن سکتے ہیں، جن میں ہمارے بہت ہی عزیز ساتھیوں نے الفاظ ومعانی اور علم ودانش کی گُل افشانی کی ہے، یہ سب کچھ صدر فتح علی حبیب، صدر محمد عبدالعزیز، دوسرے عملداران، اور ممبران کی اجتماعی کوشش سے ہورہا تھا، اسی لئے وہ سب بیحد شادمان نظر آتے تھے، مسکراہٹوں سے بھی اور خاموش آنسوؤں سے بھی خوشی اور شکرگزاری کی علامت ظاہر ہورہی تھی، کیونکہ ہنگامی صورتِ حال خواہ کچھ بھی ہو، لیکن ہمیشہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات غالب رہتے ہیں۔

۳- اس بندۂ کمترین کی زندگی کی ارتقائی تصویر کا خاکہ کچھ یوں ہے: بچپن کا زمانہ، چوپانی کا دور، مکتب ومدرسہ کا عہد، گلگت سکوٹس اور آرمی کے چندسال، پھر فوجی ملازمت سے استعفا اور حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کا قیامت

بداماں دیدار، جوڈائمنڈ جوبلی (۱۹۴۶ء) کے موقع پر حاصل ہوا، بعد ازان اپنے گاؤں میں سکول ماسٹری کے ماہ وسال، پھر غیر شعوری طور پر طلبِ علم کی خاطر چین جانا، اور روحانی انقلاب، جو کسی طرح بھی قیامت سے کم نہ تھا، بعد ازان ہونزا اور گلگت کی زندگی، جو انقلابی ہی انقلابی تھی، جیسے میر محمد جمال خان کی شخصی حکومت کی موجودگی میں مذہبی والینٹئرز کی تنظیم کو قائم کرنا، وغیرہ۔

۴- اس کے بعد خداوند کے فضل وکرم سے میری مزید ترقّی ہوئی، اور میں ۱۹۶۲ء میں اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان کراچی مرکز سے منسلک ہوگیا، اور تقریباً چودہ سال تک میں نے اس علمی ادارے میں کام کیا، میں سمجھتا ہوں کہ امامِ زمان علیہ السّلام کی ہدایت وتائید حاصل تھی، لہٰذا ترقّی کی اور منزلیں طے ہوتی رہیں، تا آنکہ میں مولا کی دستگیری سے قلمی خوداعتمادی کی دولت سے مالا مال ہوگیا، اور بذمۂ خود کچھ علمی خدمت کی غرض سے کام شروع کیا، اس مقصد کے پیشِ نظر ہم نے بہت پہلے یعنی ۲؍ جون ۱۹۶۲ء کو اپنے گاؤں میں مدرسۂ دارالحکمت قائم کیا تھا، جس کی منظوری اور افتتاح کے لئے ہم نے میر محمد جمال خان صدرِ سپریم کونسل برائے وسطی ایشیا کو دعوت دی، مگر انھوں نے اپنے نمائندوں کو بھیجا، اور یہی ان کی منظوری کی ایک واضح علامت تھی، ہم نے اس تقریب میں شرکت کے لئے مرتضیٰ آباد پائین سے لے کر التت تک ہر گاؤں سے دو دو مذہبی نمائندوں کو مدعو کیا، ساتھ ہی ساتھ گاؤں کی خواتین نے دیہاتی کھانوں اور غذاؤں کی ایک نمائش بھی کی تھی، تاکہ مہمانوں کے لئے کھانے کا اہتمام ہو۔

۵- اسی بنیاد پر اسماعیلیہ دارالحکمت وجود میں آکر رفتہ رفتہ آگے بڑھنے لگا، اور غلام محمد بیگ صاحب کے نام پر امامِ زمانؑ کے حضور سے ادارۂ ہٰذا کے ممبروں کے

حق میں دعائے برکات کا تعلیقۂ مبارک موصول ہوا، جس پر تاریخ ۴؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء درج ہے، پس یہی دارالحکمت آگے چل کر ''خانۂ حکمت'' کے نام سے مشہور ہوا۔

۶- میری اوّلین تصنیف ''سلسلۂ نورِ امامت'' ماہِ جنوری ۱۹۵۸ء میں امامِ زمان علیہ السّلام کے حضورِ اقدس میں پیش کی گئی تھی، اور اس میں جو تین فارسی نظمیں ہیں ان کی وجہ سے ایران کے جماعتی نمائندوں نے بطورِ تبرّک اس کتاب کی ایک کاپی پر حضرت پرنس علی شاہ کا آٹوگراف لیا تھا، ممکن ہے کہ اب تک یہ کتاب جناب سیّد جلال بدخشانی کے دولت خانہ میں محفوظ ہو، کیونکہ ان کے والدِ محترم ان فارسی نظموں کو بہت پسند کرتے تھے، اور شاید مذکورہ بابرکت آٹوگراف انھوں نے لیا تھا۔

۷- اگرچہ مجھے بُروشسکی شاعری کا شوق بہت پہلے سے تھا، اور اس کی مشقیں زمانۂ چوپانی سے ہورہی تھیں، تاہم اسکی ایک باقاعدہ نظم ۱۹۴۰ء میں جماعت کے سامنے آئی، اور تب سے بعنایتِ الٰہی میں اعتماد کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، پس بوقتِ فرصت اس مقدّس کام میں مصروف رہا کرتا تھا، جب ۱۹۶۱ء میں اس بندۂ خاکسار کے لئے مولانا حاضر امام صلوات اللہ علیہ کے حضورِ عالی سے دعائے پُرنور آئی، تو پھر میری ہمّت آسمان کو چھونے لگی، اور بُروشسکی شاعری حالانکہ انتہائی مشکل کام ہے، مولائے پاک کی اس دعائے مبارک کے صدقے سے بیحد آسان ہوگئی، صرف یہی نہیں، بلکہ اس میں بے شمار برکتیں ہیں۔

۸- نور اور کتابِ مبین کا ربط و رشتہ ایک دائمی اور اٹل قانون ہے، لہٰذا ہر پیغمبر کا ایک وارث ہوا کرتا ہے، تاکہ سلسلۂ نور ہمیشہ جاری و ساری رہے، اور ظاہر ہے کہ نور شخصِ کامل میں ہوتا ہے، اور نور ہادیٔ برحق کی شخصیت کے توسّط سے سرچشمۂ ہدایت قرار پاتا ہے، ورنہ نورِ مجرّد تک لوگوں کی رسائی قطعاً ناممکن ہوجاتی ہے، جیسے حضرت

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

آدم علیہ السّلام اور فرشتوں کا قصّہ ہے کہ تاجِ خلافت سے آدمؑ ہی کو سرفراز کیا گیا، فرشتوں کو نہیں، حالانکہ ان کی خواہش تھی کہ انہی کو خلیفہ بنادیا جائے، ان کو اپنی پاکیزگی پر بڑا اعتماد تھا، اور یہ مطلب آیۂ کریمہ کے اس مفہوم میں پوشیدہ ہے: اور ہم ایسے صاف ستھرے ہیں کہ اس کی بدولت ہم تیری حمد کی تسبیح اور تیری ذات کی تقدیس کرسکتے ہیں (۲: ۳۰)۔

۹- قرآنِ حکیم میں بغور دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ نہ کبھی سُنّتِ الٰہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے، اور نہ کسی وقت نور شخصیت سے الگ ہونے والا ہے، اور یہ حقیقت اس طرح ہے کہ آیۂ مصباح (۲۴: ۳۵) میں جیسا ارشاد ہوا ہے، وہ سُنّتِ الٰہیّہ کی روشن ترین مثال ہے، جس کی ترجمانی وتفسیر آیۂ سراج (۳۳: ۴۶) ہے، یعنی حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اپنے وقت میں نورِ مجسّم ہونا، اس درخشندہ وتابندہ حقیقت سے جملہ زمانوں پر روشنی پڑتی ہے کہ مسکنِ نور ہمیشہ انسانِ کامل کا دل ودماغ ہوا کرتا ہے، اور یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ کوئی آدمی اپنے علم کے معیار سے انسانِ کامل کو نہیں پرکھ سکتا، بلکہ صرف حقیقی فرمانبرداری ہی سے اس کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔

۱۰- قرآنِ حکیم میں درخت کی مثال کو بہت بڑی اہمیت دی گئی ہے، آپ خود دیکھ کر اس حقیقت کا یقین حاصل کرسکتے ہیں، درخت کی بنیادی اور بڑی تقسیم تین حصّوں میں ہوا کرتی ہے: جڑیں، تنہ، اور شاخیں، جڑیں اصولِ دین ہیں، شاخیں فروعِ دین، اور تنہ شخصِ کامل میں ان سب کی وحدت وسالمیت ہے۔

۱۱- درخت کی دوسری مثال علم کے لئے ہے، جس کا ڈایاگرام نقوشِ حکمت میں بھی ہے، علم کا سدابہار شجر کسی مخصوص موسم ہی میں نہیں، بلکہ ہر وقت اور ہمیشہ اپنے ربّ کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے (۱۴: ۲۵) دیکھ لیں، زندگی ہی میں پہچان لیں۔

۱۲- اللہ تعالیٰ نے جن خوش نصیب لوگوں کو علم کی گونا گون نعمتوں کی لذّتیں چکھا دی ہیں، ان پر خدا کا بہت بڑا فضل و احسان ہوا ہے، وہ علم کی اہمیت کو بخوبی جانتے ہیں، اور اس کے بڑے قدر دان ہیں، وہ مزید علم کے حصول میں لگے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ ایسے مومنین کو دونوں جہان کی سُرخروئی اور سر بلندی حاصل ہوگی۔

۱۳- اب بفضلِ خدا قرآنی علاج اور علمی علاج کے بعد روحانی علاج کا کورس بھی تقریباً ہو چکا ہے، اس لئے فی الوقت نقوشِ حکمت کا کورس شروع ہونے والا ہے، کتابِ نقوشِ حکمت اب تک چھپ کر آچکی ہوگی، میں ۲۶/ مارچ ۱۹۸۹ء کو کراچی کے عزیزوں سے مرخّص ہو کر بذریعۂ جہاز راولپنڈی پہنچا، ۲۹/ تاریخ کو گلگت آیا، اور یومِ جمعہ ۳۱/ مارچ ۱۹۸۹ء کو ہم اپنے نئے مکان میں رہائش کرنے لگے، جو قریۂ ذوالفقار آباد (گلگت) میں بنا ہے، اگرچہ یہ نیا گھر ہماری غریبانہ حیثیت سے بڑھ کر ہے، تاہم فی الحال یہاں بعض ایسی سہولتیں میسّر نہیں، جو کراچی میں تھیں، خصوصاً پانی، بجلی وغیرہ کی دقّت، پھر بھی دعا ہے کہ خدا ــــ مسبب الاسباب ہمیں کام کرنے کی توفیق و ہمّت اور حوصلہ عنایت فرمائے!

۱۴- ذوالفقار آباد اور اس کے آس پاس جیسے انتہائی قابل اور معزّز حضرات بس رہے ہیں، ان کو دیکھ کر دل بے ساختہ کہتا ہے: چشمِ بد دُور! مستقبلِ قریب میں ان شاء اللہ یہاں سے امامِ عالیمقام علیہ السّلام کی علمی ذوالفقار اپنا کام کرنے لگے گی، جیسا کہ مولائ رومی شمشیرِ علم کے بارے میں کہتے ہیں: نکتہ ہا چون تیغِ پولاد است تیز ؛ چون نداری تو سِپر واپس گریز۔ علمی نکات فولادی شمشیر کی طرح تیز ہیں، اگر تیرے پاس عقل و دانش کی ڈھال نہیں ہے تو اس میدان سے بھاگ جا۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

۱۵- مجھے امید ہے کہ میرے عزیزان جو امامِ اقدس واطہرؑ کے علمی لشکر میں سے ہیں، وہ اب شکر گزاری اور قدردانی کے ساتھ میدانِ علم وعمل میں آگے بڑھ کر اسلام اور انسانیت کے لئے عظیم الشّان کارنامے انجام دیں گے، تاکہ ان بیمثال اور لازوال علمی خزانوں سے دین ودنیا میں ان کی سرفرازی ہو، آمین!

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

ذوالفقار آباد گلگت

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

۸/اپریل ۱۹۸۹ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سائنس اور روحانیّت

۱- عصرِ حاضر میں وعدۂ الٰہی کے مطابق آیاتِ آفاق بصورتِ سائنس عرصۂ شہود میں جلوہ نما ہیں، اور اب یقیناً روحانی معجزات (آیات) کا وقت بھی آچکا ہے (۵۳:۴۱) ایسے میں سائنسی کرشموں کی حکمت پر غور کرنا بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے، لہٰذا ذیل میں سائنسی ایجادات کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں، تاکہ روحانی ممثولات سے متعلّق علم الیقین حاصل ہوسکے۔

۲- بجلی گھر/طاقت گھر (POWER HOUSE): جو کسی ملک یا شہر کی ہرگونہ مادّی ترقّی و بہبودی کا سرچشمہ ہے، اگر یہ نہیں تو لوگ حیاتِ نو سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں، چنانچہ بجلی گھر نورِ ہدایت کی مثال ہے، کیونکہ دین میں سب سے بڑی اساسی طاقت ہدایتِ حقّہ (نور) ہے، جس کی سب سے بڑی اور کائناتی مثال تو سورج ہی ہے، تاہم بہت سی ذیلی مثالیں بھی ہیں۔

۳- برق زا/جنریٹر (GENERATOR): پیدا کرنے والا، بجلی پیدا کرنے والی مشین، یہ ذکرِ سریع کی تشبیہ و تمثیل ہے، جس سے مومنِ ذاکر کے عالمِ دل میں روشنی پیدا ہوجاتی ہے، قرآنِ کریم میں مادۂ س ع ی کے بعض الفاظ میں ذکرِ سریع کے اشارے موجود ہیں، اور سورۂ عادیات (۱۰۰:۱-۲) میں بھی اس کی حکمت بیان ہوئی ہے۔

۴- ہوائی جہاز (AEROPLANE): اسکا اشارہ سیر و سلوک اور تختِ روحانیت کی جانب ہے، اُڑن طشتری اور جسمِ مثالی بھی روحانی جہازوں میں سے ہیں، سرابیل (۸۱:۱۶) محاریب (۱۳:۳۴) وغیرہ میں بھی اس کا حکیمانہ تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

۵- مُتحرّک تصویر (سنیما) (MOVIE): جو ہر قسم کی بُرائی سے پاک، سبق آموز، اور صرف تعلیمی مقصد کے لئے ہو، وہ روحانیت کی مثال ہے، خدا کی قَسم بیت الخیال اور روحانیت اگر رُو بہ عروج ہے تو بہشت کی مُووی ہے، جو زندہ اور انتہائی اعلیٰ ہے۔

٦- ریڈیو (RADIO): مخاطبۂ روحانی (کلامِ مؤکّل) کی دلیل ہے، یعنی فرشتوں کی گفتگو، جس کے کئی نظائر قرآنِ عزیز میں موجود ہیں، جیسے مادرِ موسیٰؑ، مریمؑ، اور حواریوں سے ملائکہ کا کلام کرنا (۳۸:۲۰؛ ۴۲:۳؛ ۱۱۱:۵) اور صفِ اوّل کے مومنین سے فرشتوں کی مخاطبت (۳۰:۴۱) پس روح اور روحانیت کی تشبیہ و تمثیل کے لئے تمام سائنسی آلہ جات پیدا کئے گئے ہیں۔

۷- دُور گو/ٹیلیفون (TELEPHONE): یہ مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات کی علامت ہے، چنانچہ جو مومنِ صادق لقائے روحانی کی خاطر گریہ و زاری اور مناجات کرتا ہو تو یقین کیجئے کہ اس کا باطنی ٹیلیفون خوب کام کر رہا ہے۔

۸- برقاؤ/چارج کرنا (CHARGING): جب خاص قسم کی

بیٹری استعمال کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہے، تو اس میں برقی قوّت بھرنے کے لئے چارج کیا جاتا ہے، یہ ذکر و عبادت کی مثال ہے، جس سے دل و دماغ کی صرف شدہ طاقت بحال ہو جاتی ہے، گویا یادِ الٰہی اور بندگی سے قلب و روح کی تمام بیٹریاں چارج ہو جاتی ہیں، مگر اس میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ مادّی بیٹری میں صرف محدود برقی قوّت کیلئے جگہ ہوتی ہے، اس کے برعکس باطنی بیٹریز میں بے پناہ طاقت کی گنجائش ہے۔

۹- پیمانہ/مِقیاس (METER): مقیاس الحرارت، مقیاس الماء، مقیاس الہوا، وغیرہ یہ مادّی قسم کے میٹرز ہیں، اسی طرح روحانی پیمانے بھی ہیں، مگر ان کی بہت بڑی اہمیت ہوا کرتی ہے، روحانیت کا ہر پیمانہ احساس و شعور ہی میں کام کرتا ہے، یعنی حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن میں، اگر نورِ ہدایت کی روشنی میں اس عمل کی ترقّی ہوئی، تو پھر بحکمِ خدا وہ فرقان دستگیری کرنے لگے گا، جو فرق و امتیاز اور فیصلے کے لئے مقرر ہے (۲۹:۸)۔

۱۰- اِشارہ (SIGNAL): جس طرح امن یا خطرے کا ظاہر میں اشارہ ہوتا ہے، اسی طرح باطن میں بھی سِگنل ہوا کرتا ہے، اس کا مقام خیال، خواب، اور روحانیت ہے، جس میں ایک اشارہ خوشخبری کا ہے اور دوسرا اشارہ ڈرانے کا (۴۵:۳۳)۔

۱۱- دُوربین/ مِنظار/ستارہ بین (TELESCOPE): یہ مشاہدۂ روحانیت کی مثال ہے، حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام نے ستارہ، چاند، اور سورج

کو چشمِ باطن سے دیکھا تھا (۶:۷۵-۷۸) ظاہری دوربین جسمانی آنکھ سے الگ ایک چیز ہے، لیکن باطنی دوربین اور دیدۂ دل ایک ہی شی ہے۔

۱۲- خُردبین (MICROSCOPE): وہ آلہ جو چھوٹی چیز کو بڑا دکھاتا ہے، یہ چشمِ بصیرت کی نظیر ہے، جس سے ذرّاتِ روحانی کا مشاہدہ ہوجاتا ہے، اور ہر ذرّہ خورشیدِ جہانتاب کے برابر نظر آتا ہے۔

۱۳- ترسیمی آلہ/ ریکارڈنگ مشین (RECORDING INSTRUMENT): یہ کراماً کاتبین (۸۲:۱۱) کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ بزرگ فرشتے، جو نامہ ہائے اعمال کو ریکارڈ کرتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ ہر قول و فعل اور اس کے ماحول کو فلماتے بھی ہیں، تاکہ روحانیت اور آخرت میں اس کو دیکھا جائے۔

۱۴- تصویر/ عکسی تصویر (PHOTO): فرشتۂ خیال روحانی فوٹوگرافی کا کام کرتا رہتا ہے، آسمان اور زمین کی جتنی چیزیں آپ کے مشاہدے میں آتی ہیں، اور جن لوگوں کو آپ دیکھتے ہیں، ان سب کی روحانی تصویر اور نورانی فلم آپ کے نامۂ اعمال میں شامل ہوجاتی ہے (۱۸:۴۹)۔

۱۵- نقل گیر مشین (COPYING MACHINE): کوئی بھی مشین جو کسی چیز کی نقلیں یا کاپیاں بناتی ہو، وہ اس حقیقت کی مثال و دلیل ہے کہ منزلِ عزرائیلی میں روحِ عارف کی نقول بنائی جاتی ہیں، اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی بڑی

رحمت ہے کہ مومن ایک سے بے شمار ہوجاتا ہے (۲:۲۴۵)۔

۱۶- شمارندہ/حساب کار (COMPUTER): کمپیوٹر حساب کتاب کے علاوہ اور بھی بہت سے کاموں کو بڑی سرعت کے ساتھ انجام دیتا ہے، اور یہ سائنسی کمالات کی ایک قابلِ توجہ چیز ہے، لہٰذا کمپیوٹر روح کے کن فیکونی معجزات کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے۔

۱۷- ذیلی سیّارہ/مصنوعی سیّارہ (SATELLITE): جب بندۂ مومن حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے ارشادِ گرامی کے مطابق بوسیلۂ فرمانبرداری اور ذکر و عبادت اپنی روح کی کاپی جسم سے باہر نکالتا ہے، تو گویا وہ ایک مصنوعی سیّارہ عالمِ علوی کی طرف بھیجتا ہے، اس وقت ایسے نیک بخت شخص کو خدا کی قربت و نزدیکی حاصل ہوجاتی ہے، اور اس کی دعا مقبول ہوجاتی ہے۔

۱۸- لاسِلکی، بے تار خبر (WIRELESS): یہ آلہ تائیدِ روحانی اور اجابت و قبولیت کی دلیل ہے، کہ مومن کی دعا وائرلیس کی طرح بارگاہِ خداوندی میں پہنچتی ہے، اور نورانی ہدایت کی صورت میں جواب دیا جاتا ہے۔

۱۹- دُورنُمائی/ٹیلی ویژن (TELEVISION): ٹیلی ویژن ایک مثال ہے اس کامیاب طریقِ عبادت کی جو مشاہداتِ روحانی پر منتج ہوتا ہے، کیونکہ مرشدِ کامل (ہادیٔ برحق) کی رہنمائی اور عبادت و ریاضت ہی سے باطنی آنکھ کھل جاتی ہے، جس سے روحانی عجائب و غرائب سے بھرپور مناظر سامنے آنے لگتے ہیں،

غرض سائنس کے تمام مفید کرشمے مل کر روح اور روحانیت کی کم سے کم مثالیں پیش کرتے ہیں، تا کہ اہلِ دانش ان مثالوں سے ممثولات کو سمجھ سکیں۔

والسّلام
نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی
۸ر شوال ۱۴۰۹ھ
۱۴ر مئی ۱۹۸۹ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمونہ ہائے حکمت

۱- انسان اور آسمان: کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس کی سقف کو بلند کیا پھر اس کو برابر کیا (۷۹: ۲۷-۲۸) اس سے نفسِ کُلّی مراد ہے، کیونکہ عالمِ شخصی کا آسمان وہی ہے، جس کی سقف عقلِ کُلّی ہے، جہاں برابری (یعنی مساواتِ رحمانی) ہوتی ہے، پس یہ انسان کے روحانی عروج کا تذکرہ ہے، جبکہ وہ شروع شروع میں ایک آدمی تھا، اس کے بعد وہ ایک کائنات ہوگیا۔

۲- لفظِ خلیفہ کی حکمت (۲: ۳۰): یہ خیال نہ ہو کہ آپ لفظِ خلیفہ کی ساری حکمتیں جان چکے ہیں، حالانکہ اس باب میں ہنوز آپ کو بہت کچھ جاننا باقی ہے، مثال کے طور پر: خدا کی خدائی میں نظامِ خلافت کب سے شروع ہوا اور کب تک جاری رہا؟ یا رہے گا؟ کیا خلافتِ الٰہیّہ صرف زمین تک محدود ہے؟ اگر ایسا سمجھا جائے، تو پھر آسمان کے فرشتے آدمِ خاکی کے سجدے میں کیوں گر پڑے؟ اور کیوں انھوں نے آپؑ سے علم حاصل کیا؟ کیا حضرتِ آدمؑ براہِ راست خلیفۂ خدا ہیں؟ یا خلیفۂ سابق کے خلیفہ ہیں؟ خلیفہ (نائب، جانشین) کسی بشر کا ہوتا ہے، جبکہ وہ خود موجود نہیں ہوتا، لیکن یہ انتہائی عظیم راز کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اَلْحَیُّ الْقَیُّوم ہے، اس کا خلیفہ ہے؟

۳- گنجِ ازل (۲۱:۱۵): جس طرح مالی اعتبار سے دنیوی خزانے کا بار بار تذکرہ اور رجوع ہوتا رہتا ہے، اسی طرح گنجِ ازل سے علمی اور فکری رجوع بیحد ضروری ہے، اس سرِّ عظیم کا بے پایان خزانہ ہر شخص کی امکانی روحانیت کی چوٹی پر

موجود ہے، جس میں تمام قرآنی حکمتیں جمع ہیں، اور یہاں یہ نکتۂ دلپذیر خوب یاد رہے کہ اگر چہ یہ زندہ اور ناطق خزانہ لامکان اور لازمان ہے، تاہم ہر جگہ اور ہر وقت کے اہلِ معرفت اس کا مشاہدہ کر کے بے شمار فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔

۴- حجرِ ابیض: حجرِ اسود جو خانۂ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے، وہ فی الاصل بہشت میں دودھ سے زیادہ سفید تھا، اور ہے، کیونکہ جنّت کی چیزیں دنیا میں بذاتِ خود نہیں آتیں، بلکہ یہاں ان کے مادّی سائے بنتے ہیں، پس بہشتِ روحانیت میں حجرِ ابیض یعنی دُرِّ مکنون موجود ہے، اور وہ حجِ اکبر کی علامت ودلیل ہے۔

۵- ظلِّ ممدود (۵۶:۳۰): یعنی بہشت میں ہر مومن کے لئے سایۂ دراز ہوگا، اور یہ درازی مقدار کے لحاظ سے بھی ہے، اور تسلسل کے اعتبار سے بھی، اس سے یہ مراد ہے کہ بہشتی روح انائے علوی سے بہشت ہی میں رہتی ہے، مگر انائے سفلی کا ظہور جسم کے سایوں میں بار بار ہوتا رہتا ہے، اور ظلِّ ممدود کا مطلب یہی ہے۔

۶- عقلی ہلاکت اور عقلی زندگی (۸:۴۲): سب سے بدترین موت عقلی ہلاکت ہے، اور سب سے اعلیٰ زندگی عقلی حیات، جن لوگوں کو قرآنِ حکیم نے جاہل، نادان، اور چوپائے قرار دیا ہے، وہ دلیلاً مر چکے ہیں، اور جن کو صاحبانِ عقل کہا گیا ہے، وہ دلیلاً اور حقیقی معنوں میں زندہ ہو گئے ہیں، پس قرآن اور امامؑ کے سرچشمۂ علم وحکمت سے ہر وقت فیوض وبرکات حاصل کرتے رہنا۔

۷- عالمِ وحدت اور عالمِ کثرت: وہ جہان جس میں تمام ارواح یکجا ہیں، عالمِ وحدت کہلاتا ہے، اور یہ دنیا جس میں لوگ متفرق ومنتشر ہیں،

عالمِ کثرت ہے، عالمِ وحدت کے کئی نام ہیں، جیسے: نفسِ واحدہ (۳۱:۲۸) اُمّتِ واحدہ (۲:۲۱۳) عالمِ ذرّ (۳۶:۴۱) ابداع و انبعاث (۳۱:۲۸) عالمِ شخصی (۶:۹۸) امامِ مبینؑ (۳۶:۱۲) عددِ واحد (۱۹:۹۴) ملکوت (۳۶:۸۳) نفسِ کُلّ (۱۴:۳۴) کنز یعنی عقلِ کُلّ (۱۱:۱۲) عالمِ امر (۷:۵۴) وغیرہ، عالمِ وحدت زندہ، گویندہ، اور دانا ہے، وہ ایک کامل انسان بھی ہے، اور ایک عظیم فرشتہ بھی۔

۸- حضرتِ ابراہیمؑ کی مثال: حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام نفسِ واحدہ، مجموعۂ ارواح، عالمِ ذرّ اور عالمِ وحدت ہونے کی وجہ سے تنہا ایک اُمّت اور موحّدِ اعظم تھے (۱۶:۱۲۰) آیۂ کریمہ کا اشارہ یہ ہے کہ آپؑ کی روحانیت میں تمام لوگ فردِ واحد کی طرح متحد اور کامل طور پر فرمانبردار ہوئے تھے، اور جملہ انسانانِ کامل ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

۹- دائرے ہی دائرے: آپ چشمِ بصیرت سے جہاں بھی مشاہدہ کریں، وہاں دائرے ہی دائرے نظر آئیں گے، وجود و عدم دائرہ، شب و روز دائرہ، آسمان و زمین کی شکل اور گردش دائرہ، ہر چیز کا اپنی اصل کی طرف رجوع دائرہ، اور کوئی چیز نہیں، جو ایک دائرے پر گردش نہ کرتی ہو (۳۶:۴۰) چنانچہ موجوداتِ ظاہر و باطن کا دائرۂ عظیم بڑا عجیب اور حیرت انگیز ہے، کہ زمین (جس میں معدنیات و جواہر ہیں) سے بے شمار مراتب کا آغاز ہوتا ہے، اور زمینِ نفسِ کُلّ اور گوہر ہائے عقلِ کُلّ پر جا کر دائرۂ معرفت مکمل ہو جاتا ہے۔

۱۰- ہر قرآنی موضوع کا مجموعی مفہوم: مسئلہ نور سے متعلّق ہو،

یا ہدایت سے، آپ اسے حل نہیں کر سکتے، جب تک کہ اس موضوع کا مجموعی مفہوم واضح نہ ہو، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: پہلی آیت میں ارشاد ہوا (ترجمہ): اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (۳۵:۲۴) اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا (ترجمہ): اے نبیؐ ہم نے تم کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا اور (ہدایت کا) روشن چراغ بنا کر بھیجا (۳۳:۴۶) اور اس کی تفسیر یہ ہے (ترجمہ): اے ایماندارو! خدا سے ڈرو اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان لاؤ تو خدا تم کو اپنی رحمت کے دو حصے اجر عطا فرمائے گا اور تم کو ایسا نور مقرر فرمائے گا جس (کی روشنی) میں تم چلو گے اور تم کو بخش بھی دے گا (۵۷:۲۸) کسی شک کے بغیر یہ نورِ امامت ہی ہے، پس موضوعِ نور کا مجموعی مفہوم یہی ہے۔

۱۱- دو دو چیزیں: ہر شی دو قسم کی ہوا کرتی ہے، چنانچہ عقل دو طرح کی ہوتی ہے: دینی اور دنیوی، روح بھی دو قسم کی ہے: روح الایمان، اور روح الحیوان، اور جسم بھی دو قسموں میں ہے: لطیف اور کثیف، پس نیک بخت اور ہوشمند مومن وہی ہے، جو علم و معرفت سے ہمیشہ دینی عقل کو تقویت دیتا ہے، اعمالِ صالحہ سے ایمانی روح کو طاقتور بناتا ہے، اور تقویٰ سے جسمِ لطیف کو اجاگر کر لیتا ہے، تاکہ وہ قیامت کے دن ان تین چیزوں میں زندہ ہو جائے۔

۱۲- بالواسطہ لذّت و شادمانی: حلاوت و مسرّت براہِ راست بھی ہے، اور بالواسطہ بھی، مثلاً علم و حکمت اگرچہ غذائے عقل، ذکر و عبادت خوراکِ روح، اور طعامِ ظاہر جسم کا کھانا ہے، تاہم ان غذاؤں میں سے ہر ایک میں مشترکہ لذّتیں اور خوشیاں بھی ہیں، لیکن جس کی ایسی عقل اور ایسی روح نہ ہو، اس کی لذّت و خوشی بہت

محدود ہوا کرتی ہے، جس کی مثال حیوان ہے، اور وہ انسان جو حیوان کی طرح ہے۔

۱۳- وارثِ قرآن کون ہے؟: سورۂ فاطر (۳۲:۳۵) میں یہ ارشاد ہے (ترجمہ): پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے ان کو قرآن کا وارث بنایا جنھیں برگزیدہ کیا (۳۲:۳۵) یہ أئمۂ طاہرین علیہم السّلام ہیں، پس جب تک دنیا میں قرآن باقی ہے، تب تک وارثِ قرآن (امامؑ) موجود و حاضر ہے، کیونکہ قرآن اور اس کا معلّم لازم و ملزوم ہیں (۱۵:۵) جیسے زمانۂ نبوّت میں نبیٔ اکرمؐ خود قرآن کے معلّم تھے۔

۱۴- خوشبو میں حکمت: پروردگارِ عالم کی بے شمار اور لامحدود نعمتوں میں سے ایک نہایت عمدہ اور لطیف نعمت خوشبو ہے، جس کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پسند فرماتے تھے، اور آپؐ کی اس پسندیدگی میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ خوشبو فتح و کشائشِ روح کی مثال ہے، اور پیراہنِ یوسفی (۹۳:۱۲) کا نمونہ ہے، کیونکہ بہشت میں جسمِ لطیف کے لئے کھانے پینے کی لطیف نعمتیں خوشبوؤں کی صورت میں ہیں، اور دوستانِ خدا کو حصولِ معرفت کے سلسلے میں ان نعمتوں کی شناخت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

۱۵- بشر اور مَلک (فرشتہ): روحانی عروج و ارتقا کی منزلیں تین بڑی قسموں میں ہیں:

الف: بشریت کی منزلیں۔

ب: فرشتگی کی منزلیں۔

ج: فنافی اللہ و بقاباللہ کی منزلیں۔

پس ظاہر ہے کہ حضورِ انورؐ پہلے پہل بشر تھے، پھر فرشتۂ ارضی (۹۵:۱۷)

ہوگئے، اور جب آنحضرتؐ کو معراج ہوئی، تو اس وقت آپؐ فرشتۂ مقرب سے بھی ارفع واعلیٰ ہو کر مرتبۂ فنافی اللہ و بقا باللہ میں پہنچ گئے، پس سرورِ انبیا و رُسلؐ کا اسوۂ حسنہ یہی ہے، جس کی طرف قرآنِ حکیم ہمیشہ دعوت کرتا رہتا ہے (۲۱:۳۳)۔

۱۲- کارخانۂ الٰہی کے عجائب وغرائب: موالیدِ ثلاثہ میں سب سے نچلا درجہ جمادات کا ہے، لیکن چشمِ بصیرت سے نہ صرف معدنیات و جواہر کی رعنائی و دلکشی ہی کو، بلکہ کسی ذرّۂ خاکی کو بھی دیکھ لیں کہ اس کے ظاہر و باطن میں دستِ قدرت کی کیسی انتہائی عجیب صنّاعی ثبت کی گئی ہے، زمین میں یہ دائمی صلاحیت موجود ہے کہ اس کے بطن سے ہمیشہ سونا، چاندی، اور لعل و گوہر جیسی خوبصورت و گرانمایہ چیزیں پیدا ہوتی رہیں، نباتات کا کارخانہ اور بھی زیادہ عجیب ہے، دیکھئے اب سے بہت پہلے جب سیّارۂ زمین پیدا ہو کر روئیدگی کے قابل ہوا، تو اس وقت یہ سارے درخت کس طرح پیدا ہوئے؟ کیا یہ بہشتِ برین کا مادّی ظہور نہیں ہے؟

ظاہر ہے کہ جمادات میں قدرت کی نشانیاں ہیں، نباتات میں قدرت کی کارفرمائی نمایاں تر ہے، کیونکہ اس درجہ کی تخلیق میں روحِ نباتی کا اضافہ ہے، حیوانات میں مزید عجائب وغرائب ہیں، جبکہ ان میں روحِ نباتی کے ساتھ روحِ حیوانی بھی کام کر رہی ہے، انسان دراصل جمادات، نباتات، اور حیوانات سے افضل ہے، جس کی وجہ انسانی روح ہے، جس میں عقل جیسی خدا کی سب سے بڑی نعمت پیدا ہو سکتی ہے، اور اشرفِ مخلوقات کا زندہ ثبوت انسانِ کامل ہے۔

اب یہ حقیقت قابلِ فہم ہوگئی کہ ہر مومنِ سالک جو منزلِ مقصود تک رسائی رکھتا ہو، وہ بڑا عجیب کارخانۂ قدرت قرار پاتا ہے، اس کی روحانیت میں عوالمِ لطیف اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں، مثلاً عالمِ جماد بشکلِ روحانی کہ وہ جواہرات کو دیکھتا ہے،

عالمِ نبات بصورتِ لطیف، اسی لئے وہ اپنے باطن میں باغ وگلشن کا نظارہ کرتا ہے، عالمِ حیوان، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی روحانیت میں خوبصورت چرند وپرند کو دیکھتا ہے، ناسوت وغیرہ، جو خدا کی عطا کردہ سلطنت ہے، پس انسان اپنی اصلیت میں سب سے عظیم کارخانۂ قدرت ہے۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

۱۷/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

۲۲/جون ۱۹۸۹ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلیدی حکمتیں

۱- اسلام دینِ قدیم: اسلام دینِ قدیم وقائم ہے، اور یہ اس وقت سے ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (۳۶:۹) دین کا ایک لفظی ترجمہ قانون بھی ہے، جس سے قانونِ فطرت مراد ہے، اور اسی معنیٰ میں اسلام کو (دینِ) فطرت کہا جاتا ہے، جیسا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: **كُلُّ مولودٍ يولدُ على الفطرةِ ....** ۔ ہر بچہ فطرت (یعنی اسلام) پر پیدا ہوتا ہے ....۔ پس اسلام نظامِ کائنات کے مطابق مستحکم ہے۔

۲- آنحضرتؐ سے قبل کا زمانہ اور سُنّتِ الٰہی: اس کی چند قرآنی مثالیں یہ ہیں:-

الف: خدا کی سُنّت وعادت کا مظہر انبیا وائمّہ علیہم السّلام ہیں۔ (**فِی عبادہٖ** ۸۵:۴۰)۔

ب: ہر قوم کے لئے ایک نذیر اور ایک ہادی ہوا کرتا ہے (۱۳:۷)، کیونکہ صراطِ مستقیم کی ہدایت ان ہی کی پیروی سے وابستہ ہے۔

ج: نذیر اور ہادی (پیغمبرؐ اور امامؑ) کا دوسرا نام خدائی نور ہے، جس کو کوئی نہیں بجھا سکتا (۳۲:۹؛ ۸:۶۱)۔

د: پروردگارِ عالم روزِ قیامت ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائے گا (۷۱:۱۷)، اس سے ظاہر ہے کہ جب سے لوگ ہیں تب سے نورِ امامت

موجود ہے اور موجود رہے گا۔

ہ: آیۂ اصطفاء (۳۳:۳) کو غور سے دیکھنا بیحد ضروری ہے کہ اللہ پاک نے حضرتِ آدمؑ، حضرتِ نوحؑ، خاندانِ ابراہیمؑ، اور خاندانِ عمرانؑ کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا ہے، پس یہاں خاندانِ ابراہیمؑ میں رسولِ اکرمؐ اور ائمۂ طاہرینؑ کی برگزیدگی کا ذکر ہے۔

۳- نورِ امامت کی پیروی: الاعراف (۱۵۷:۷) میں ارشاد ہے: پس جو لوگ اس (نبی محمدؐ) پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی اور ان کی مدد کی اور اس نور (یعنی نورِ امامت) کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے (۱۵۷:۷) حضرتِ امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نور سے مراد علی بن ابی طالبؑ اور ائمۂ حقؑ ہیں (حاشیۂ ترجمۂ قرآن، مولانا فرمان علی)۔

۴- ائمۂ ہُدیٰ ہی صادقین ہیں: ارشاد ہے: اے ایماندارو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ (۱۱۹:۹)، خدا سے ڈرنے (تقویٰ) میں اتنی بڑی جامعیت ہے کہ اس میں اسلام کے سارے اوصاف و کمالات مرکوز ہو جاتے ہیں، تاکہ اہلِ ایمان کو صادقین کی وہ روحانی صحبت و ہمنشینی نصیب ہو، جو علمی اور عرفانی معجزات سے بھرپور ہے، کیونکہ آپ قرآنِ عظیم (۶۹:۴) میں دیکھ سکتے ہیں کہ انبیا علیہم السّلام کے بعد سچوں (اولیا) کا مقام ہے، اور یہ سچے (صدق والے) وہ حضرات ہیں، جو اسرارِ الٰہی، رموزِ روحانیت اور تاویلِ قرآن و شریعت کو بیان کرنے میں انتہائی صدق سے کام لیتے ہیں۔

۵- مقامِ محمود (۷۹:۱۷) کیا ہے؟ : انبعاث کے دو پہلو

ہیں: مکانی اور لامکانی، چنانچہ حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے شبِ معراج میں عملاً مقامِ محمود (سراہا ہوا مقام) کو عرشِ الٰہی کی داہنی جانب دیکھا تھا، اس میں مرتبۂ عقلِ کُلّی کا اشارہ ہے۔

۶- دُرود کا مجموعی مفہوم: درود (صَلٰوۃ) کیا ہے؟ توفیق، روشن

ہدایت، علمی تائید، چنانچہ سورۂ احزاب (۴۳:۳۳) میں ارشاد ہے: وہ وہی ہے جو خود تم پر درود (تائیدِ روحانی) بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو (جہالت کی) تاریکیوں سے نکال کر (علم وحکمت کی) روشنی میں لے آئے (۴۳:۳۳) جب احکم الحاکمین نے تمام موجودات ومخلوقات کے ظروف کو علم ہی کے موتیوں سے لبالب کردیا ہے، تو پھر قرآنِ حکیم کی کوئی شی اور کوئی مثال تذکرۂ علم سے کیونکر خالی ہوسکتی ہے (۶:۸۰؛ ۴۰:۷) پس یقین کیجئے کہ درود کی مثال میں بھی علم وحکمت موجود ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے: اس میں شک نہیں کہ (تمہارے لئے) خدا اور اس کے فرشتے پیغمبرؐ (اور ان کی آل) پر درود (تائید) بھیجتے ہیں، تو اے ایماندارو! تم بھی کہا کرو: یااللہ محمدؐ وآلِ محمدؐ پر (ہمارے لئے) درود نازل فرما (اور اے مومنو!) فرمانبرداری کرنا جیسا کہ اس کا حق ہے (۵۶:۳۳)۔

۷- سب سے بڑی نعمت، جو نعمتوں کی کائنات ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: آج میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی (۳:۵)، یہاں دین سے قرآن مراد ہے اور نعمت معلّمِ قرآن (نور) ہے، جو عالمِ شخصی میں نعمتوں کی کائنات ہے، اب رہا سوال کہ دین کا نام ''اسلام'' کس معنیٰ کے

پیشِ نظر رکھا گیا ہے؟ اسلام کے اصل معنی ہیں اپنے آپ کو کسی کے حوالے کر دینا، پس دینِ اسلام کا مقصد و منشا ہے خداوندِ قدّوس کے امر و فرمان کے لئے سرِ تسلیم خم کر دینا، یعنی خدا اور رسولؐ اور صاحبِ امرؑ کی اطاعت کرنا (۵۹:۴)۔

۸- توبہ اور صدقہ کی حکمت (۱۰۴:۹): توبہ اور صدقہ کی باہمی مناسبت نہ صرف ظاہر ہی میں ہے، بلکہ یہ دونوں چیزیں مقامِ عقل پر بھی ایک ساتھ ہیں، کہ توبہ بارگاہِ ازل کی طرف لوٹ جانا ہے، اور صدقات گوہرہائے مکنون ہیں (۱۰۹:۹) یعنی مظاہرۂ عقل۔

۹- یہ مومنین (۱۰۵:۹) کون ہیں؟: اور (اے رسولؐ) تم کہدو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ ابھی تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومنین (ائمّۂ طاہرینؑ) تمہارے کاموں کو دیکھیں گے (۱۰۵:۹) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں وَالْمُؤْمِنُوْن سے مراد ائمّہ علیہم السّلام ہیں (حاشیۂ ترجمۂ قرآن، مولانا فرمان علی)۔

۱۰- حضراتِ ائمّہ لوگوں پر گواہ ہیں: سورۂ بقرہ (۱۴۳:۲) میں ارشاد ہے: اور اسی طرح (اے ائمّہ) ہم نے تم کو عادل اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (محمدؐ) تم پر گواہ بنیں (۱۴۳:۲) آپ حکمت نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ کو ذرا غور سے دیکھیں کہ گواہ صرف وہی بن سکتے ہیں جو اعمال کو دیکھ سکیں۔

۱۱- جس کے پاس کتاب (قرآن) کا علم ہے: یہ بہت بڑی حکمت سورۂ رعد کے آخر میں ہے: اور (اے رسولؐ) کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم پیغمبر

نہیں ہو تو تم (ان سے) کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے واسطے خدا اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے کافی ہیں (۱۳:۴۳) اہلِ دانش کے لئے یہاں بہت سے اسرار موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی علیہ السّلام کو اس انتہائی عظیم گواہی میں اپنے ساتھ رکھا ہے، پس مولا علیؑ آنحضرتؐ کی رسالت کے گواہِ ثانی اس لئے ہوئے کہ بحکمِ خدا آپؑ نے رویتِ روحانی اور تجدّدِ امثال میں دیکھا کہ کلمۂ کُن اور قلمِ الٰہی سے قرآنِ کریم لوحِ محفوظ پر نازل ہو رہا تھا، اور وہاں سے رسولِ اکرمؐ پر، یہ انمٹ تجدّدِ امثال آپؑ کی اپنی ذات میں ہوا، لہٰذا قرآنِ مجید کی تاویلی حکمتیں نورِ امامت کے عالمِ شخصی میں لازم (چسپان) ہو گئیں۔

۱۲- نُور اور کتاب (قرآن) کا رشتہ اور تعلّق:

سورۂ مائدہ (۵:۱۵) میں فرمایا ہوا ہے: قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ تمہارے پاس تو خدا کی طرف سے ایک (چمکتا ہوا) نور اور صاف صاف بیان کرنے والی کتاب (قرآن) آچکی ہے (۵:۱۵) یہاں نور سے مراد حضرتِ رسولؐ ہیں، اور کتابِ مبین قرآنِ پاک ہے، اس آیۂ کریمہ میں پہلے نور کا تذکرہ ہے پھر کتاب کا، کیونکہ نزولِ قرآن سے قبل آنحضرتؐ کا قلبِ مبارک منوّر ہوا، اور اس کے بعد اللہ کی یہ کتاب نازل ہونے لگی، دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن آپؐ کی ذاتِ عالی صفات میں ایک زندہ روح اور نور تھا (۴۲:۵۲) مگر روحانی اور عقلی روشنی کبھی بصورتِ اصل کتابی تحریر میں منتقل نہیں ہوسکتی، پس اس کتابِ سماوی کی روحِ گویندہ و دانا (یعنی نور) حضورؐ ہی میں قائم رہی، جبکہ قرآن کا ظاہری پہلو ضبطِ تحریر میں لایا گیا، پس نور اور کتاب کا رشتہ و تعلّق

یہ ہے کہ نور، ہدایت نامۂ سماوی کا باطنی پہلو ہے اور کتاب ظاہری پہلو۔

۱۳- نُور کس طرح منتقل ہوجاتا ہے؟: دانشمندوں کے نزدیک یہ سوال جتنی بلندی کا ہے، اتنی اہمیت کا بھی حامل ہے، اور اس کا جواب انتہائی عظیم کیوں نہ ہو، چنانچہ ایک کامل شخصیت سے دوسری کامل شخصیت میں نور کی رسائی اور پھر منتقلی اس طرح ہوجاتی ہے۔

الف: یہ حکمت آیۂ مصباح (۳۵:۲۴) کی مثال میں پوشیدہ ہے کہ ایک درخشندہ چراغ ہر طرف روشنی بکھیر رہا ہے، اگر دوسرے چراغ کو بھی روشن کرنا ہے، تو اسے ہر طرح سے تیار کر کے چراغِ اوّل کے انتہائی قریب لانا ہوگا، پھر اس کے شعلۂ تابان سے اس کو سلگانا ہوگا، اس کے معنی ہیں کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے خدا کے حکم سے علیؑ کو اسرارِ علم و حکمت، مرتبۂ مہر و شفقت، موقعِ خدمت، تعلیمِ اسمائے بزرگ، اور انتہائی پُراثر دعاؤں میں اپنے قربِ خاص میں رکھا، جس سے یہ چراغ بھی روشن ہوگیا، اور اسی خدائی معجزے کا نام "نورٌ علیٰ نور" ہے، یعنی ایک شخصیت سے دوسری شخصیت میں نور کی منتقلی۔

ب: اللہ تعالیٰ نے اپنی روح (نور) حضرت آدمؑ میں پھونک دی (۱۵:۲۹؛ ۳۸:۷۲) یہ پھونک دینا بے معنی نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے معنی ہیں تعلیم، اسمِ اعظم وغیرہ، جس طرح اوپر ذکر ہوا، کیونکہ حضرتِ مریمؑ میں بھی روحِ قدسی پھونک دی گئی تھی (۲۱:۹۱؛ ۶۶:۱۲) مگر ایک دوسری آیت سے ظاہر ہے کہ یہ ایک کلمہ تھا (۴:۱۷۱) یعنی اسمِ بزرگ اور کلمۂ کُن کے بہت سے معنوں میں سب کچھ ہے۔

ج: پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سراجِ منیر (روشن چراغ ۳۳:۴۶)

تھے، یعنی ایسا نور جو براہِ روحانیت دل سے دلوں کو منوّر کر دیتا ہے، دراصل یہی سراجِ وَھّاج (تابناک چراغ ۷۸:۱۳) ہے، جس سے ہمیشہ کے لئے نورِ امامت کا چراغ روشن ہو گیا۔

د: صوفیوں کے وہاں مشاہدۂ نور کا طریقہ فنافی الشّیخ (المرشد)، فنافی الرّسولؐ، اور فنافی اللہ ہے، اور اسماعیلیوں کے یہاں فنافی الامام، فنافی الرّسولؐ، اور فنافی اللہ ہے، چونکہ پیغمبرِ اکرمؐ اور ائمّۂ طاہرینؑ اللہ تعالیٰ کے اسمائے بزرگ ہیں (۷:۱۸۰) لہٰذا اس (طریقے) میں بڑی آسانی سے محویت وفنائیت اور معرفتِ نور حاصل آسکتی ہے، پس دیکھنے والوں نے نور اور اس کے کائناتی عمل کو دیدۂ دل سے دیکھ لیا ہے، اور اسی لئے وہ دیوانہ وار ہمیشہ اس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، عاجزانہ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم تمام انسانوں کو نورِ اسلام کی ہدایت نصیب فرمائے! آمین!!

نوٹ: مضمون اور محولہ آیاتِ کریمہ کو غور سے پڑھیں، اور یہ بات یاد رہے کہ یہ ایک خصوصی نعمت ہے، اور ہر نعمت کی عملی شکرگزاری بیحد ضروری ہے، کیونکہ قیامت کے دن نعمتوں کی پوچھ ہو گی (۱۰۲:۸)۔

نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی

۲۲/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

۲۷/جون ۱۹۸۹ء

حضرتِ یونسؑ

۱- ذَاالنُّون (۲۱:۸۷)/ صاحب الحوت (۶۸:۴۸):

مچھلی والا، یعنی حضرتِ یونس علیہ السّلام، جنھیں مچھلی نگل گئی تھی، حدیثِ شریف میں ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کا ایک ظاہر اور ایک باطن (نہ ہو) اور اس باطن کے سات بواطن نہ ہوں۔ چنانچہ ہم یہاں خداوندِ قدوس کی توفیق و تائید سے مچھلی کی باطنی حکمت بیان کریں گے، وہ یہ ہے کہ خشکی تاویل کی زبان میں جسمانیت کو کہتے ہیں، اور سمندر روحانیت کا نام ہے، پس مچھلی سے وہ روح مراد ہے، جو بحرِ روحانیت میں رہتی ہے، لیکن یہ مچھلیاں بھی چھوٹی بڑی اور اچھی بُری ہر طرح کی ہوا کرتی ہیں، ان میں سے ایک نفسِ امّارہ کی مچھلی ہے، جو بڑی آسانی سے آدمی کو نگل سکتی ہے، بظاہر یہ ہمارے اندر ہے، لیکن تسلّط اگر اسی کا ہے تو ہم گویا اس کے پیٹ میں محبوس ومقید ہیں۔

۲- دریائے شیرین اور دریائے شور/ دو قسم کی روحانیت:

سورۂ فاطر (۳۵:۱۲) میں خیر وشر دونوں کی روحانیت کا ذکر ہے، اگرچہ یہ دونوں سمندر ایک جیسے نہیں، تاہم مچھلیوں کے تازہ گوشت اور موتیوں کے حصول میں کوئی فرق نہیں، یہاں تازہ گوشت سے روحانی علم مراد ہے، اور موتی اسرارِ عقل ہیں (۳۵:۱۲)۔

۳- تین قسم کا گوشت: قرآنِ حکیم میں تین قسم کے حلال گوشت کا

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

ذکر فرمایا گیا ہے، گوسفند وغیرہ کا گوشت: یہ حدودِ جسمانی کے علم کی مثال ہے، مچھلی کا گوشت: یہ حدودِ روحانی کے علم کی دلیل ہے، پرندے کا گوشت: یہ فرشتوں کے علم کی طرف اشارہ ہے، ہر چند کہ روحانی اور فرشتہ ایک ہے۔

۴- حالتِ اِحرام میں شکار: اس میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ حالتِ احرام میں دریا کا شکار تو حلال ہے، مگر خشکی کا شکار حرام ہے؟

جواب: امامِ عالیمقامؑ خدا کا زندہ گھر ہیں، حالتِ احرام ان کی روحانی نزدیکی اور حجِ باطن ہے، دریائی شکار کی تاویل ہے حدودِ روحانی سے علم حاصل کرنا جو حلال ہے، اور برّی شکار کی تاویل ہے جسمانی حدود سے علم لینا، اور یہ اس حال میں ممنوع ہے (۵:۹۶) پس شروع سے لے کر یہاں تک جو کچھ بیان ہوا، اس سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ مچھلی کی تاویل ہے روح، روحانی، اور حدودِ روحانی، اور اس کا شکار علمِ روحانی ہے، لہٰذا اب ہم اس حوت/ روح کے بارے میں کچھ بیان کریں گے، جو قصّۂ یونسؑ کے باطن میں ہے۔

۵- چلنا دو طرح سے ہے: ایک چلنا ظاہر میں ہے، اور دوسرا باطن میں، باطن میں ذکر وعبادت سے چلا جاتا ہے، چنانچہ حضرت یونس علیہ السّلام اپنی قوم پر غضبناک ہو کر راہِ روحانیت پر چلے اور یہ خیال کیا کہ اس سے رزقِ روحانی میں تنگی نہیں ہوگی، مگر وہ جا کر ایک روحانی مچھلی کے پیٹ میں مبتلا ہو گئے، پس انھوں نے تاریکیوں یعنی انوار کے منقطع ہونے کی حالت میں پکارا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (۲۱:۸۷) آگے ارشاد ہے: تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انھیں غم سے نجات دلائی اور ہم تو مومنین کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں (۲۱:۸۸)۔

٦- قصّۂ قرآن روحانیّت کی ہر منزل کے ساتھ منطبق (برابر و موافق) ہے: حضرتِ یونسؑ بھاگ کر جس بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچ گئے، وہ کیا چیز تھی؟ قرعہ سے کیا مراد ہے؟ اس کشتی سے عالمِ ذرّ مراد ہے، جو ذرّاتِ روح سے مملو ہے، یہ کشتی حقیقی ذکر سے چلتی ہے، مگر حضرت یونس علیہ السّلام پر آزمائش تھی، اس لئے حقیقتِ حال کا قرعہ آپؑ کے نام پر نکلا، اور آپؑ نے ان بے شمار روحوں کی قربانی کی خاطر دریائے روحانیت میں چھلانگ لگائی، پس انھیں روح کی ایک بڑی مچھلی نگل گئی، چنانچہ قرآن کا فرمانا ہے کہ: اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو روزِ قیامت (یعنی انبعاث) تک اس کے پیٹ میں رہتے (٣٧:١٤٤)۔

٧- خیر و شرّ کی تمثیلات: اگر چہ روحانیت میں خیر و شر صرف دو ہی چیزیں ہیں، لیکن ان کی گونا گون مثالیں بہت سی ہیں، جیسے آپ ہمیشہ عالمِ خواب میں خیر و شر کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں کی بے شمار تشبیہات و تمثیلات ہیں، اس لئے ہر بار تعجب ہوتا ہے کہ آپ نے کچھ نئی چیزیں دیکھ لیں، حالانکہ وہی خیر ہے اور وہی شر، مگر ان کی شکلیں بار بار بدلتی رہتی ہیں، سو حضرت یونس علیہ السّلام جس مچھلی کے پیٹ میں رہے، اس کی اور بھی تمثیلات ہوسکتی ہیں، جن کی اصل حقیقت و کیفیت یہی ہو، اور اگر یہ بات درست ہے، تو پھر دوسری مثالوں میں بھی مذکورۂ بالا آزمائش کا بیان ہوسکتا ہے۔

٨- ہدایتِ انبیاؑ اور منزلِ مقصود: اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ انبیا علیہم السّلام خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، اسی لئے وہ حضرات لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجے گئے، ان میں سے کوئی بھی پیغمبر درمیانی راستے سے

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نہیں، بلکہ منزلِ مقصود سے ہو کر مرتبۂ اعلیٰ کی معرفت کے ساتھ آیا تھا، کیونکہ جب قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا (۲:۲۱۳) تو عقل کا یہ سوال جائز اور مناسب ہے کہ حضراتِ انبیاؑ کس روحانی مقام سے یا کس درجے سے بھیجے گئے؟ اور اس کا یہی ایک فطری جواب مہیّا ہے کہ پروردگارِ عالم نے پیغمبروں کو اپنے قرب و حضور سے بھیجا، اگر ہم اس آیۂ کریمہ کے لفظِ بَعَثَ سے ابداع و انبعاث کے معنی لیں، تو پھر بھی اس کا یہی مطلب ہوگا کہ انبیاؑ روحانیت کے بلندترین مقام سے آئے ہیں، ہر چند کہ وہ حضرات جسمانی طور پر شروع ہی سے لوگوں کے ساتھ تھے، پس آیئے ہم اس یقین کے ساتھ قرآنِ حکیم میں دیکھیں، تاکہ حضرتِ یونسؑ کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوں۔

۹- یہ چٹیل میدان (عراء ۳۷:۱۴۵) کونسا ہے؟: ارشاد ہے: سو ہم نے ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے، اور ہم نے ان پر ایک بیلدار درخت اُگا دیا، اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک بہرہ مند کیا (۳۷: ۱۴۵-۱۴۸) یہ میدانِ عقل ہے، جس میں حضرتِ یونسؑ کو پہنچا کر بدرجۂ انتہا عقلی صحت کی دولت سے نوازنا مقصود تھا، اور بیلدار درخت سے ظہورِ معجزۂ عقل مراد ہے، جس میں عقل و دانش اور علم و حکمت کے لاتعداد اشارات و رموز موجود ہیں، اسی مقام پر گنجِ ازل، کلمۂ باری، اور مرتبۂ فنافی اللہ بھی ہے۔

۱۰- قانونِ اسرار و حجابات: جیسا کہ اس مضمون کے شروع ہی میں حدیثِ شریف کی روشنی میں یہ ذکر ہو چکا کہ قرآنِ پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور

ایک باطن ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ آیۂ کریمہ کا ظاہر حجاب ہے اور باطن محجوب، جیسے اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے کہ وہ جب بشر سے کلام کرتا ہے، تو پردہ کے پیچھے سے کرتا ہے (۵۱:۴۲) یقیناً یہ نورٌ علیٰ نور کی طرح ہے کہ ایک نور دوسرے نور کا حجاب ہوا کرتا ہے، جیسے سورج، کہ وہ اپنا پردہ خود ہی ہے، اس لئے آپ اس کے پس منظر کو نہیں دیکھ سکتے، نہ کبھی اندرونی حصّے کو دیکھ سکتے ہیں، اور نہ ہی پیش منظر کو نظر جما کر دیکھ سکتے ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ علم کا حجاب علم ہی ہوا کرتا ہے۔

۱۱- حضرتِ یونسؑ کی برگزیدگی:

سورۂ قلم (۶۸: ۴۸-۵۰) میں ارشاد ہوا ہے: تو تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کرو اور مچھلی والے (یونسؑ) کے ایسے نہ ہو جاؤ، کہ جب وہ غصہ میں بھرے ہوئے تھے اپنے پروردگار کو پکارا، اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو وہ چٹیل میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے، پھر ان کے ربّ نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں سے بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ عظیم الشّان پیغمبروں کی عقلی اور علمی تربیت ایسی روحانی بلندی پر فرماتا ہے کہ لوگ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے، مثال کے طور پر اگر کہا جائے کہ جس میدان کا یہاں ذکر ہوا ہے، وہ میدانِ عقل ہے، تو بہت ہی کم لوگ باور کریں گے، کیونکہ عوام کے سامنے دشوار ترین حجابات ہوتے ہیں۔

۱۲- عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کی بہت سی مثالیں کیوں ہیں؟:

سُنّتِ الٰہی ہمیشہ کے لئے یہی رہی ہے کہ وہ عزّوجلّ کسی استثناء کے بغیر ہر چیز کو لپیٹتا اور پھیلاتا رہتا ہے، جب یہ بات حقیقت ہے، تو پھر اس کی بہت سی نظیریں قرآنِ کریم میں کیوں نہ ہوں، لیکن یہ جاننا ہوگا کہ دستِ قدرت کس طرح کائنات کو اور اس کی

چیزوں کو ملفوف کرتا ہے؟ دیکھئے! جب کسی میوہ دار درخت پر پھل پک جاتا ہے، تو اسی کے ساتھ جملۂ درخت بحدِ قوّت، بصورتِ جوہر، اور بحالتِ روحِ نباتی گٹھلی یعنی مغز میں لپیٹ لیا جاتا ہے، حالانکہ درخت اپنی جگہ موجود ہے، اسی طرح اہلِ معرفت کے مشاہدۂ روحانیت میں کائنات کو لپیٹ کر از سرِ نو وجود دیا جاتا ہے، اگرچہ کائنات ظاہراً اپنی جگہ قائم ہے۔

اُمّ الکتاب لوحِ محفوظ (نفسِ کُلّ) کا نام ہے، سورۂ فاتحہ کا بھی یہی نام ہے، اور مولا علی علیہ السّلام کا بھی، چنانچہ سورۂ فاتحہ میں قرآن لفظی اور معنوی طور پر مرکوز ہے، اور امامِ زمانؑ (جو علیؑ ہیں) میں روحانی اور عقلی طور پر قرآن مجموع ہے، پس اگر یہ حقیقت تسلیم کر لی جائے کہ عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطقؑ، اور اساسؑ کے بہت سے نام اور بہت سی مثالیں ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآنِ عظیم ان قدسیوں کے تذکروں سے بھرا ہوا ہے، جیسے آپ نے سنا، یا پڑھا کہ چٹیل میدان (عرای) مرتبۂ عقل کی مثال ہے، اور بیلدار درخت بھی، اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں، جو پیغمبروں کے قصّے میں آ کر ان کی عظمت و بزرگی، اعلیٰ روحانیت، اور مرتبۂ عقل کو ظاہر کرتی ہیں۔

اگر میں کہوں کہ سما و ارض عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کے نام ہیں، تو شاید آپ کو تعجب ہو، حالانکہ یہی دو کلید آپ کے علمی انقلاب کے لئے کافی ہو سکتی ہیں، اور یہ انقلاب بنیاد ہی سے شروع ہو جائے گا، جبکہ آپ آیۂ اعلانِ خلافت (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۲:۳۰) کے ترجمہ: "میں سیّارۂ زمین پر ایک خلیفہ (نائب) مقرّر کرنے والا ہوں۔" کی جگہ پر: "میں زمینِ نفسِ کُلّی میں ایک خلیفہ مقرّر کرنے والا ہوں۔" کو ترجیح دیں گے، کیونکہ اس سے یہ نظریہ قائم ہوگا کہ انبیا و ائمّہ علیہم السّلام کو ساری کائنات کی خلافت حاصل ہے، اور یہ حقیقت ہے، تاہم کوئی بھی انقلاب صرف بٹن

دبانے، یا سوِچ آن کرنے، یا چابی گھمانے سے آنہیں سکتا، اور نہ ہی چل سکتا ہے، لہٰذا اس کے لئے عقل و دانش اور شدید محنت کی بیحد ضرورت ہے، ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

نوٹ: آپ لازمی طور پر حضرت یونس علیہ السّلام کے قصّے کو قرآن و تفسیر میں پڑھ لیں، تاکہ اس کے ظاہری اور باطنی پہلو سے واقفیت و آگہی ہو۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

لنڈن

۱۱؍ ذوالحجہّ ۱۴۰۹ھ

۱۴؍ جولائی ۱۹۸۹ء

قرآنی میناروں سے روشنی

(قسطِ اوّل)

۱- مَنار، منارہ اور مینار کے معنی ہیں نور کی جگہ، چراغ دان، اونچا ستون، ٹاور، لائٹ ہاؤس، وغیرہ، اگر گھر کے چراغ کو کسی پست جگہ رکھا جائے، تو اس کی ضیاپاشی میں رکاوٹوں کی وجہ سے روشنی محدود ہو جاتی ہے، اور ماحول کی چیزوں کے سائے زیادہ ہوتے ہیں، اسی لئے اس کو چراغدان پر یا طاق میں رکھا جاتا ہے، اسی طرح شہری بازار کے برقی قمقمے اونچے اونچے ستونوں ہی سے روشنی بکھیر سکتے ہیں، شاید آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ سمندری جہاز کی رہنمائی کے لئے روشنی کے بلند و بالا مینار (لائٹ ہاؤسز) ہوا کرتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر نظامِ فطرت کو دیکھئے کہ خالقِ اکبر نے خورشیدِ انور، ماہِ تابان، اور درخشندہ ستاروں کو آسمان کی بلندیوں میں جگہ دی، تاکہ وہ اپنے اپنے وقت میں اہلِ زمین پر بلادریغ نور کی بارش برساتے رہیں، پس اسی قانونِ قدرت کے مطابق شہرستانِ قرآن میں بھی عظیم اور کامل انسانوں کی صورت میں متعدد میناروں کا انتظام فرمایا گیا ہے، ان منار ہائے ہدایت کی رفعت و فوقیت سے جس طرح نورِ علم و حکمت ضوفگن ہو رہا ہے، اس سے اہلِ بصیرت کے قلوب منوّر و شادمان ہوتے ہیں۔

۲- **حضرتِ آدمؑ:** قصۂ قرآن میں حضرتِ آدم علیہ السّلام کو مینارِ اوّل کی مرتبت حاصل ہے، اگر آپؑ سے متعلّق آیاتِ کریمہ میں چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

تو یقیناً بڑے بڑے بھید منکشف ہوجائیں گے، مثال کے طور پر آپ ربِّ جلیل کے خلیفہ تھے، کہاں کہاں؟ زمینِ ظاہر پر، عالمِ دین میں، عالمِ شخصی میں، اور زمینِ نفسِ کُلّی میں، سو یہ کائناتی خلافت ہے، پھر بھی یہاں مطلب واضح نہ ہوسکا، کیونکہ نفسِ کُلّی میں خلافت انتہائی عظیم چیز ہے، جس سے عقلِ کُلّی الگ نہیں، اسی خلافت میں امامت بھی ہے، لوحِ محفوظ کا دوسرا نام نفسِ کُلّ ہے، جس میں ہر چیز کا زندہ ریکارڈ موجود ہے، اور یقیناً اس میں ازل ہی سے ہر شخص کی انائے علوی بھی ہے، پس خلیفۂ خدا نے مرتبۂ نفسِ کُلّ میں انائے علوی کو پہچانتے ہوئے اپنے ربّ کو پہچان لیا، اور معرفتِ کاملہ کا مقام یہی ہے۔

۳- خدا کی خدائی میں بے شمار آدموں کے ادوار ہیں، مگر ان کی اصولی باتیں ایک جیسی ہیں، لہٰذا قرآنِ حکیم نے علمی اور عرفانی آزمائش کے پیشِ نظر تمام آدموں کے قصّوں کو ایک ہی آدم کا قصّہ بنا کر بیان فرمایا، جیسے اس نے انسانوں کی مشترکہ خصوصیات بیان کرتے ہوئے صیغۂ واحد (یعنی لفظِ انسان) استعمال کیا ہے، درحالیکہ قرآن میں جہاں جہاں انسان کا ذکر آیا ہے، وہ لاتعداد انسانوں کا تذکرہ ہے۔

۴- حضرتِ ہابیلؑ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام میں حکمتِ بالغہ ہے (۵۴:۵) یعنی ایسی حکمت، جو آیۂ مقدّسہ کے مطلب کو بلند کرکے مقامِ حق الیقین تک پہنچا دیتی ہے، اور دوسری طرف کلامِ الٰہی صدق اور عدل سے بھرپور ہے (۶:۱۱۵) یعنی اس کے سب سے اعلیٰ معنی میں نورِ عقل اور کلمۂ باری کے اسرار پنہان ہیں، کیونکہ صدق و عدل عقل اور امر کے ناموں میں سے ہیں، چنانچہ حضرتِ ہابیل علیہ السّلام کی قربانی قبول ہوجانے کی حکمتِ بالغہ یہ ہے (۵:۲۷) کہ آپ کئی فناؤں سے گزر جانے کے

بعد بالآخر وجہِ خدا میں فنا ہوکر امامِ اساس مقرّر ہوئے، کیونکہ ان کی ظاہری قربانی روحانی قربانی کی مثال ہے، اور اس مقدّس آگ کے پس منظر میں نورِ عقل کا تذکرہ ہے، لیکن کچھ مدت کے بعد قابیل نے حضرت ہابیلؑ کو شہید کر دیا، اور نورِ امامت حضرت شیثؑ میں منتقل ہو گیا۔

۵- حضرتِ ادریسؑ: سورۂ مریم (۱۹:۵۶-۵۷) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور (اے رسولؐ) کتاب (کی روحانیت) میں ادریسؑ کا بھی تذکرہ کر واس میں شک نہیں کہ وہ بڑے سچے نبی تھے، اور ہم نے ان کو (روحانیت کے) مقامِ اعلیٰ تک پہنچایا (۱۹:۵۶-۵۷) حضرتِ ادریس علیہ السّلام کے بارے میں جو قصّہ مشہور ہے وہ یہ ہے: ایک مرتبہ فرشتۂ موت خدا کی اجازت سے آپؑ کی زیارت کو آئے، تو آپؑ نے فرمایا: میری روح قبض کرو، تاکہ اس کی تلخی معلوم کروں، ملک الموت نے آپؑ کی روح قبض کی، پھر اسے داخلِ بدن کر دیا، اس وقت آپؑ نے فرمایا: تم مجھ کو آسمان پر لے چلو، اور دوزخ بہشت کی سیر کرا دو، غرض آسمان پر گئے، اور دوزخ پر سے ہوتے ہوئے بہشت میں پہنچے، جب سیر کر چکے، تو ملک الموت نے کہا: اب چلئے، میں آپ کو زمین پر پہنچا دوں، اس پر خدا کا حکم ہوا: اے ملک الموت، اب انھیں یہیں رہنے دو، کیوں کہ دنیا کی تکلیف، موت کی سختی اٹھا چکے، دوزخ پر سے گزر چکے۔

۶- یہ قصّہ قاعدۂ تاویل کے ساتھ مربوط ہے، اور اس میں راہِ روحانیت کی منزلِ عزرائیلی کی وضاحت کی گئی ہے، جس میں قبضِ روح کا سلسلہ چند دن تک جاری رہتا ہے، جو روح جسمانی موت سے قبل قبض کی جاتی ہے، وہ واپس بدن میں نہیں آتی (۳۹:۴۲) اس کی جگہ باہر سے تازہ روح ڈالی جاتی ہے، یہ تو ابتدائی فنا ہے، اور آخری

فنا اس سے بھی بہت بلندی پر ہے، یعنی مرتبۂ وجہ اللہ، جس میں جو فنا ہو جاتا ہے، وہ واپس آتا بھی ہے، اور نہیں بھی آتا، واپسی کی مثال یہ ہے کہ حضرتِ موسیٰ کوہِ طور سے اور حضرتِ محمدؐ معراج سے واپس تشریف لائے، اور نہ آنا اس اعتبار سے ہے کہ اُس مرتبۂ عالی میں انائے علوی پہلے ہی سے موجود تھی، یعنی عارف وہاں ہے ہی، مگر کسی اور نام سے، اب انائے سفلی کو خزانۂ معرفت حاصل ہوا، یہ حضرتِ ادریسؑ کی پہچان ہے، آپ امامؑ تھے، آپؑ کا نام سلسلۂ امامت میں اخنوخ ہے۔

۷- **حضرتِ نوحؑ**: سورۂ نوح کی تین آخری آیات کا ترجمہ: اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ، کیونکہ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بس گنہگار اور کافر ہی ہوگی، پروردگارا مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایماندار مردوں اور مومنہ عورتوں کو بخش دے اور ظالموں کی بس تباہی کو اور زیادہ کر (۷۱: ۲۶-۲۸)۔

۸- بہتر یہ ہے کہ آپ قصّۂ نوحؑ میں طوفانِ آبی کو مثال اور طوفانِ روحانی کو ممثول تسلیم کریں، تاکہ آپ کے لئے علم کا راستہ ہموار ہو اور حکمت کا دروازہ کھل جائے، چنانچہ زمانہ جس پیغمبر کا بھی ہو، اس میں خدائے بزرگ و برتر کا ایک ہی قانون (سُنّت) ہوا کرتا ہے، سو حضرتِ نوح علیہ السّلام کے عالمِ شخصی میں جب روح و روحانیت کا طوفان برپا ہوا، تب مومنین کشتئ دعوتِ حق میں داخل ہو چکے تھے، مگر منکرین اس سے باہر رہ کر غرق و ہلاک ہو گئے، اور یہ ان کی ہلاکتِ روحانی تھی، اور حضرتِ نوحؑ کی دعا کا مقصد بھی یہی تھا کہ عالمِ شخصی کی زمین پر کوئی کافر باقی نہ رہے، تاکہ اس میں صرف

اہلِ ایمان ہی کی نسلیں بڑھتی جائیں۔

۹- چند سوالات: حضرتِ نوح علیہ السّلام کو آدمِ ثانی کیوں کہا جاتا ہے؟ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے اہلِ بیت کی مثال سفینۂ نوح سے دی ہے، اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ سورۂ ھود (۱۱:۳۷) کے اس حکم میں کیا اشارہ ہوسکتا ہے: وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا؟ اس قصّہ میں تنور کے کیا معنی ہوتے ہیں (۱۱:۴۰)؟ کشتی میں اقسامِ جانور وغیرہ کا ایک ایک جوڑا کیوں ضروری تھا (۱۱:۴۰)؟ آیا اس میں کوئی راز یا اشارہ ہوسکتا ہے کہ طوفان تھم جانے کے ساتھ کشتی جاکر کوہِ جودی پر ٹھہری (۱۱:۴۴)؟ کہا گیا کہ اے نوح اترو ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں (۱۱:۴۸) آپ بتائیں کہ سلام کس چیز کا نام ہے؟ برکتیں کیا ہیں؟ اور یہ اُمم یعنی جماعتیں کون کون سی ہیں، جو حضرتِ نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئی ہوں، حالانکہ اس میں بظاہر مومنین کی ایک ہی جماعت تھی؟

۱۰- جوابات:

الف: حضرتِ نوحؑ کو آدمِ ثانی ظاہراً اس لئے کہا جاتا ہے کہ طوفان کے بعد دنیا آپؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کی نسل سے آباد ہوئی، مگر اس کی باطنی وجہ زیادہ صحیح ہے، جس کا ذکر انہی جوابات کے سلسلے میں آئے گا۔

ب: آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی طرح ہے ۔۔۔۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ ہر پیغمبر کے ساتھ ایک امام ہوا کرتا ہے، جس کی شناخت ہی کشتیٔ نجات ہے، چنانچہ حضرت نوح علیہ السّلام کے ساتھ امامِ اساس

مولانا سام علیہ السّلام تھے۔

ج: وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا، اور تم کشتی کو ہمارے (آفاقی) حقائق اور ہماری وحی کے مطابق بناؤ۔ یعنی امام کی معرفت کی کشتی دوقسم کے دلائل پر مبنی ہو، دلیلیں آفاق سے بھی ہوں اور وحی سے بھی۔

د: تنور وہ جگہ ہے جہاں آگ جلائی جاتی ہے، اس سے مومنِ سالک کا ذکر مراد ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے: وَفَارَ التَّنّور (۱۱:۴۰) اور تنور نے جوش مارا، یعنی ذِکر میں جوش آیا، اور بس وہیں سے روحانی طوفان شروع ہوا۔

ہ: کشتی میں تمام قسم کے جانوروں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ کو لینے کے یہ معنی ہیں کہ قانونِ دوئی (جفت) اور اصولِ اضداد کے بغیر علم ومعرفت کی کشتی تیار نہیں ہوسکتی ہے، نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرتِ نوحؑ کے عالمِ شخصی میں دنیا کی تخلیق وآبادی کا تجدّدِ امثال مقصود تھا۔

و: جی ہاں، اس میں راز واشارہ ہے کہ کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری، اور وہ یہ کہ روحانی طوفان کے نتیجے میں ذکر ومعرفت کی کشتی کوہِ عقل پر جا کر ٹھہر جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا بے حساب جود وکرم ہے۔

ز: سلام تائید کا نام ہے، برکتوں سے تاویلات مراد ہیں، اور جماعتیں جو حضرتِ نوحؑ کے ساتھ تھیں انبیاء وائمّہ علیہم السّلام ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنے مومنین سمیت ایک جماعت تھا۔

۱۱- **حضرتِ ھودؑ**: جس طرح مولانا ھُنید (Hunayd) امامِ مقیم اور مُربیّ آدمؑ تھے، اسی طرح مولانا ھودؑ امامِ مقیم اور مُربیّ نوحؑ تھے، یہاں یہ نکتہ یاد رہے کہ

بتقاضائے حکمت بعض حضراتِ انبیا سلسلۂ امامت سے بھی منسلک تھے، آپ دورِ نبوّت کی اسماعیلی تواریخ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

۱۲- سورۂ اعراف (۷:۶۵) میں ارشاد ہے: اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا انھوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو (اِعبدوا اللّٰہ) اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں سو کیا تم نہیں ڈرتے (۷:۶۵) ''تم اللہ کی عبادت کرو۔'' یہ خدا کی جانب سے ایک ایسا اہم اور بنیادی حکم ہے کہ ہر پیغمبر نے دعوتِ دین کے شروع ہی میں اسے اپنی قوم کو سنایا، چونکہ انبیا علیہم السّلام خود نورِ معرفت کی روشنی میں حضرتِ ربِّ عزّت کی عبادت کیا کرتے تھے، لہٰذا ان کے پاس اس امر کی واضح ضمانت تھی کہ جو شخص حقیقی معنوں میں ان کی اطاعت کرے، اس کو معرفت کی لازوال دولت سے مالا مال کیا جائے گا، جیسے حضرتِ ہودؑ اور کئی پیغمبروں نے اپنے اپنے وقت میں قاعدہ اور اصول کے طور پر فرمایا: اَنَا لَکُمۡ نَاصِحٌ اَمِیۡنٌ (۷:۶۸) میں تمہارا سچا خیرخواہ ہوں، یعنی تم میری نصیحت پر عمل کرو تاکہ میں تمھیں کچھ امانت سپرد کروں، غرض پیغمبروں کو جو نور نظر آتا ہے، اس کی تشبیہ و تمثیل آگ سے اس لئے دی گئی ہے کہ آگ کی چنگاری کہیں سے لا کر خاندان اور ساتھیوں کے فائدے کی خاطر آگ جلائی جاتی ہے، دیکھ لیجئے یہ قرآن ہی کی حکمت ہے: قَبَسٍ (۲۰:۱۰) شِهَابٍ قَبَسٍ (۲۷:۷) جَذۡوَة (۲۸:۲۹) پس یہاں خوب سوچ لینا ہے۔

۱۳- حضرتِ ہودؑ نے فرمایا: اور اے میری قوم اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا مانگو پھر توبہ کرو (یعنی اس کے قریب ہو جاؤ) تو وہ تم پر (روحانیت کی) موسلا دھار مینہ برسانے والا آسمان بھیجے گا (۱۱:۵۲) ربّانی نصیحت و ہدایت تمام لوگوں کے لئے ہوا کرتی ہے، خصوصاً ان مومنین کے لئے، جو راہِ روحانیت کے مختلف درجات پر ٹھہرے

ہوئے ہیں، کیونکہ عام حالت سے آگے بڑھ کر کسی روحانی منزل میں پہنچنا اگرچہ ترقّی ہے، لیکن موحّدین کا کہنا ہے کہ جو کچھ خدائے واحد سے تجھ کو غافل رکھے وہ تیرا بُت ہے، جیسا کہ حضرتِ امام باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے: **كُلّ مَنْ شَغَلَكَ عَن مُطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتُكَ**، جو چیز بھی تجھے مطالعۂ حق (مشاہدۂ تجلّی) سے باز رکھے، وہی شیطان اور بُت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قرآنِ حکیم کی نصیحت و ہدایت میں صرف دعوتِ اسلام ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مومنین کے لئے منازلِ روحانیت کی روشنی بھی ہے، تا آنکہ وہ خدا تک پہنچ جائیں۔

۱۴- سورۂ شعرآء (۲۶: ۱۲۳-۱۲۴) میں ارشاد ہے: قومِ عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی ھودؑ نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک پیغمبر کو جھٹلانے سے درحقیقت جملہ انبیا کی تکذیب ہوجاتی ہے، جس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات سب کے سب نفسِ واحدہ کی طرح ایک ہوتے ہیں، اور نورِ نبوّت ایک ہی ہے، چنانچہ بعد کے کسی نبی سے انکار کی صورت میں خود بخود اگلے پیغمبروں کی بھی نفی ہوجاتی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں تمام حضراتِ انبیا اس عہد و پیمان کے مطابق جو خدائے پاک نے ان سے لیا تھا ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں (۳: ۸۱) وہاں اگر کچھ لوگ ایک پیغمبر کو نہیں مانتے ہیں، تو اس سے جملہ انبیائے کرام کو جھٹلانے کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔

۱۵- حضرتِ صالحؑ: سورۂ اعراف (۷: ۷۳) میں ارشادِ خداوندی ہے: اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا انھوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے

پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے نشانی ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو بُرائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم دردناک عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے (۷۳:۷) دعوتِ حق خداوندِ قدّوس کی بامعرفت عبادت کے بیان سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ جب قانونِ دین میں عبادت کا ذکر آتا ہے، تو اس سے کامل اور عارفانہ عبادت مراد ہوتی ہے، جیسا کہ خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا: وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنِ (اَی لِیَعْرِفُوْنِ ۵۶:۵۱) میں نے جنّوں اور انسانوں کو اپنی عبادت یعنی اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔

۱۶- اونٹ ناطق کی مثال ہے اور اونٹنی اساس (حجّت) کی، پھر یہی مثال ہر دوسرے پیغمبر اور ان کے حجّت کی بھی ہے، اور ہر امام و حجّت کے لئے بھی، اس کے علاوہ عالمِ شخصی میں اونٹ عقل ہے اور اونٹنی روح، چنانچہ حضرتِ صالح علیہ السّلام کا حجّت علمِ روحانی میں ایک معجزے کی حیثیت سے تھا، خدا کا حکم یہ تھا کہ حجّتِ صالحؑ کو زمینِ دعوت میں کارِ تبلیغ کے لئے آزادی دو، اونٹنی کھاتی پھرے، یعنی حجّت ہر جگہ لوگوں کو علم بیان کرے، کیونکہ کھالینا اور کھلا دینا علم بیان کرنے کی مثال ہے، جس میں روحانی غذائیت و لذّت ہے۔

۱۷- حضرتِ صالح علیہ السّلام کی اونٹنی پہاڑ کی ایک چٹان سے پیدا ہوئی، اس کی تاویل یہ ہے کہ ہر پیغمبر اور ہر امام کا حجّت عقلی حیثیت میں حجرِ نور سے پیدا ہو جاتا ہے، اس میں کیا راز ہے کہ ناقہ (اونٹنی) گیابھن (گابھن) پیدا ہوئی تھی؟ اور اسی وقت اس نے بچہ بھی دیا تھا؟ جب حجّتِ صالحؑ کوہِ عقل سے ہو کر آیا، تو اس وقت اس میں جلد ہی اپنے جانشین کو علمی جنم دینے کی صلاحیت پیدا ہوئی، اور اس نے ایسا ہی کیا،

اس میں کیا حکمت ہے کہ پانی کی باری ہوتی تھی، ایک روز کنویں کا سارا پانی ناقہ پی لیتی تھی، اور اس سے اتنا دودھ حاصل آتا تھا کہ سب کو خاطر خواہ مہیّا ہوجائے اور دوسرے دن پانی کو لوگ استعمال کرتے تھے؟ پانی سے علم مراد ہے، چنانچہ جس روز علم کا پانی حجّت کے زیرِ تصرّف ہو تو وہ ظاہری علم کو بھی باطنی علم میں تبدیل کر کے پیش کرتا تھا، اور جس دن لوگوں کی باری ہوتی، تو علم کے وقت کو جاہلانہ سوالات اور طفلانہ بحثوں میں ضائع کرتے تھے۔

۱۸- سورۂ قمر (۵۴: ۲۹) میں ہے: تو ان لوگوں نے اپنے رفیق (قدار) کو بلایا تو اس نے پکڑ کر (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ ڈالیں تو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (۵۴: ۲۹) یعنی حجّتِ صالحؑ کے چار نقیب یا داعی تھے، جن پر حجّت کے امورِ دعوت کا قیام تھا، جس طرح اونٹنی اپنے چار پاؤں پر کھڑی ہو کر چل پھر سکتی ہے، سو مخالفین نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ دعوت کا کام بالکل رک کر رہ گیا، یا یہ کہ حجّت اور چاروں داعی شہید کئے گئے۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

لنڈن

جمعرات ۱۷/ ذوالحجہّ ۱۴۰۹ھ

۲۰/ جولائی ۱۹۸۹ء

قرآنی میناروں سے روشنی

(قسطِ دوم)

۱- عالمِ شخصی اور آیات کی معرفت: سورۂ نمل کے آخر (۹۳:۲۷) میں اللہ تعالیٰ کا یہ پُرحکمت ارشاد ہے: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۹۳:۲۷) اور تم کہد و کہ الحمد للہ وہ عنقریب تمھیں اپنی آیات دکھادے گا تو تم انھیں پہچان لو گے، اور جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے۔ اس تعلیمِ سماوی کا مرکزی موضوع "آیات اور معرفت" ہے، لہٰذا اہلِ دانش کے لئے اس کی حکمت بیحد ضروری ہے، چنانچہ پوچھنا یہ ہے:

س: اللہ تعالیٰ کی آیات کہاں کہاں ہیں؟

ج: قرآنِ حکیم، آفاق، اور انفس میں (۵۳:۴۱؛ ۲۱:۵۱)۔

س: آیا حضراتِ انبیاو ائمہ علیہم السّلام بھی آیات کہلاتے ہیں؟

ج: کیوں نہیں، جبکہ حضرتِ عیسیٰؑ اور ان کی والدۂ معظّمہ آیت ہیں (۵۰:۲۳)۔

س: ان چار مقامات کی آیات کی معرفت کہاں اور کب حاصل ہوسکتی ہے؟

ج: عالمِ شخصی میں، جبکہ اپنی روح اور پروردگار کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

۲- معرفتوں کی یکجائی: اوپر کی آیۂ کریمہ کے آخر میں جس طرح عمل کے بارے میں ذکر ہوا، اس کا یہ اشارہ ہے کہ عمل ہی کی کمی سے آیات کے مشاہدات اور معرفت میں تاخیر ہو رہی ہے، ورنہ اور کوئی چیز اس میں مانع نہیں ہوسکتی،

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

اب ہمیں یقین سے یہ کہنا ہوگا کہ معرفت کا دروازہ ہر وقت کھل سکتا ہے، کیونکہ یہ کسی خاص زمانے سے مشروط نہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: أعرفکم بنفسہٖ أعرفکم بربّہٖ (تم میں جو اپنے آپ کو زیادہ پہچانتا ہے وہی تم میں اپنے پروردگار کو زیادہ پہچانتا ہے۔ زادالمسافرین، ص ۲۸۷) اس حدیثِ شریف سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں معرفت کا آغاز زمانۂ نبوّت ہی سے ہوا، کیونکہ "تم" کا خطاب اگرچہ ہر زمانے کے مومنین سے ہے، لیکن اس کا اوّلین تعلّق اصحابِ رسولؐ سے ہے، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ معرفت یعنی خداشناسی کے درجات ہوا کرتے ہیں، پس آپ کے لئے یقینی علم کی بات ہے کہ عالمِ شخصی میں تمام معرفتیں یکجا کی گئی ہیں، کیونکہ خدا ہر ہر کائنات کو دستِ قدرت میں لپیٹ لیتا ہے، اب آپ یقین کریں گے کہ پروردگار کی معرفت میں ساری معرفتیں جمع ہیں، اور یہ خزانۂ خزائن ہے، جس سے کوئی خزانہ باہر نہیں، پس پیغمبروں کا قصّہ اگر معرفت کی روشنی میں ہو سکے تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

۳۔ حضرتِ ابراہیمؑ: سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: اور جس وقت ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند کلمات میں آزمایا اور انھوں نے پورا کردیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں (حضرتِ ابراہیمؑ نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے، فرمایا (ہاں مگر) میرے اس عہد پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہوسکتا (۲:۱۲۴) حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کی یہ آزمائش روحانی عروج و ارتقا کے لئے اسمائے عظام اور کلماتِ تامّات سے ہوئی تھی، تاکہ حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی پاکیزہ شخصیت کے بلند و بالا مینار پر نورِ امامت کا آفاقی چراغ فروزان کیا جائے۔

۴- امامت عہدِ الٰہی: خداوندِ قدّوس نے مرتبۂ امامت کو "عہدی" (میرا عہد) کہا (۲:۱۲۴) عہد کے معنی ہیں اقرار، قول وقرار، اس کا دوسرا لفظ میثاق ہے، یعنی پختہ عہد، قول وقرار، جس پر قسم کھائی گئی ہو، یا پختگی اور مضبوطی کا ذریعہ، جب یہ ایک روشن حقیقت ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کے لوگوں سے حضرتِ ابراہیمؑ کی امامت کا عہد واقرار لیا ہوگا، جبکہ ان کے بابرکت عالمِ شخصی میں عہدِ الست کا تجدّدِ امثال ہوا (۷:۱۷۲) کیونکہ اللہ کا عہد، یعنی دنیا بھر کے لوگوں سے ربوبیّت، نبوّت، اور امامت کا اقرار لینا واقعۂ الست سے شروع ہوجاتا ہے، جیسا کہ سورۂ رعد میں صاحبانِ عقل (۱۳:۱۹) کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ سے جو کچھ انھوں نے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں (۱۳:۲۰)۔

۵- عہدِ اَلَستُ اور بیعت: ہر پیغمبر اور امام کے مبارک عالمِ شخصی میں واقعۂ الست کا تجدّدِ امثال ہوتا ہے، اور اس میں بحالتِ روحانی دنیا کے سب لوگوں سے یہ اقرار لیا جاتا ہے کہ ان کی عقلی اور روحی پرورش خدا، پیغمبر، اور امام سے ہے، یہی راہِ راست اور دینِ اسلام ہے، اور بیعت، جس میں عہدِ خدا (یعنی امامت) کا ذکر ہے، اسی میثاقِ الست کی تجدید ہے، جیسا کہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اس کو بڑا اجر دے گا (۴۸:۱۰) جو بیعت خدا کے ہاتھ سے لی جائے اس کی اہمیت، فضیلت، اور عظمت کا کیا عالم ہوگا، اور اس امرِ عظیم میں کیسے کیسے معنی ہوں گے، پس نمائندگیٔ دستِ خدا کی

اس عظیم نعمت کو برقرار و باقی رکھنے کے لئے خدا اور سولؐ نے امام کو مقرّر فرمایا، اور یہ کام ازل سے جاری ہے۔

۶- حضرتِ ابراہیمؑ اور حجِّ باطن: قرآن کا حکایتاً یہ کہنا ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرتِ ابراہیمؑ سے فرمایا: اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی سواریوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (۲۲:۲۷) خداوندِ عالم نے حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کو نہ صرف خانۂ کعبہ کی جگہ بتلادی، بلکہ آپ کو اس کا ممثول بھی بنا دیا (۲۲:۲۶) چنانچہ بحکمِ خدا صورِ اسرافیل کی آواز سے سیّارۂ زمین کے سارے باشندے بشکلِ ذرّات حضرتِ ابراہیمؑ کے عالمِ ذرّ میں آنے لگے، جو لوگ اقرار و معرفت کی وجہ سے خانۂ خدا (مرکزِ امامت) کے قریب تھے، وہ تو گویا پیادہ چل کر آسانی سے روحانی حج کو پہنچ گئے، اور دوسرے سب لوگ جتنے بھی تھے، وہ اپنے اپنے حجّتِ جزیرہ اور داعیوں سے وابستہ ہو کر حاضر ہوئے، اس مثال سے ظاہر ہے کہ جو شخص امامِ وقت کو نہیں پہچانتا، وہ ذیلی حدود کو بھی نہیں پہچانتا ہے، ایسے میں اس کا روحانی سفر مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ حجّت اور داعی اس کے حق میں کمزور سواریوں کی طرح کام کرتے ہیں۔

۷- ستارہ، چاند، اور سورج: خداوندِ بزرگ و برتر نے حضرتِ ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا روحانی مشاہدہ کرایا، تاکہ آپؑ موقنین یعنی عارفوں میں سے ہو جائیں، ملکوت کے معنی ہیں عظیم الشّان سلطنت، عالمِ ارواح و ملائکہ، حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام نے پہلے آسمانِ روح میں علی التّرتیب ستارہ، چاند، اور سورج کو دیکھا، اس کے بعد آگے چل کر آپؑ نے آسمانِ عقل میں بھی یہی واقعہ

دیکھا، مگر وہاں ایک ہی نور تھا، جو اپنے بار بار کے طلوع و غروب سے کبھی ستارہ کہلاتا تھا، کبھی چاند اور کبھی سورج، اور ان دونوں مقاموں کے اشارے حدودِ دین کی طرف تھے، اور یہ آپ جیسے موحدِ اعظم کیلئے مرتبۂ حق الیقین کی طرف عملی رہنمائی تھی، پس ان کو ربِّ عزّت کا پاک دیدار حاصل ہوا، جیسا کہ قرآن میں ہے:-

۸- ایک بہت بڑا راز: مذکورۂ بالا حقائق و معارف کے لئے سورۂ انعام، آیت ۷۵ تا ۷۹ پیشِ نظر ہو، ان شاء اللہ، اب یہاں یہ سعی کی جاتی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی سرِّ عظیم منکشف ہو جائے، اور وہ اس آیۂ مبارکہ میں ہے: اِنِّیۡ وَجَّھۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ . . . (۶:۷۹)۔

الف: میں نے اپنا چہرۂ جان آسمانوں اور زمین کے خالق کی طرف متوجہ کیا۔

ب: میں نے اپنا روحانی چہرہ معرفت کے بعد ہی اپنے ربّ کی طرف متوجہ کیا۔

ج: میں نے اپنی انائے علوی اور اپنے ربّ کو پہچان لیا، اس لئے اب میرا رُخ اسی کی طرف ہو جاتا ہے۔

د: اللہ جو کچھ فرماتا ہے، وہ صدق و عدل سے بھرپور ہوتا ہے (۶:۱۱۵) چنانچہ اگر دستِ خدا کی نمائندگی ظاہر میں درست ہے تو باطن میں بھی درست ہے، اور اسی طرح چہرۂ خدا کی بھی نمائندگی صحیح ہے، اب راز کی بات سُن لیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو چہرۂ خدا کا سب سے عظیم دیدار حاصل ہوا تھا، اس میں ہر چیز اور ہر روح فنا ہو جاتی ہے (۲۸:۸۸؛ ۵۵:۲۷) مگر جو معرفت کے ساتھ فنا ہو جائے، تو وہی ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتا ہے، پس مقامِ عقل پر حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مرتبہ حاصل ہوا، جس کے نتیجے میں آپؑ نے فرمایا: میں نے اپنا چہرۂ باطن (بطورِ نمائندگی)

اس کا چہرہ قرار دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا . . . (۶:۷۹)۔

۹- ضروری سوالات: س: ناطقِ سوم حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے والدِ بزرگوار کا کیا نام تھا؟ اور امامِ مقیم جس نے آپ کو روحانی اور علمی تربیت دی کون تھا؟

ج: اسمِ والد تارح ہے، اور امامِ مقیم حضرتِ صالحؑ تھے، بعض کے نزدیک خود حضرتِ تارح امامِ مقیم ہیں۔

س: حضرت ابراہیمؑ سے آزر (۶:۷۴) کا کیا رشتہ تھا؟

ج: آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام ہے، بعض کے نزدیک یہ وہ استاذ تھا، جس نے آپؑ کو علمِ ظاہر کی باتیں سکھائی تھیں، لیکن حضرتِ ابراہیمؑ معرفت اور علمِ توحید کے ایسے مقام پر فائز ہو گئے کہ اب اس شخص کی تعلیم باطنی بُت پرستی لگ رہی تھی۔

س: وہ آیۂ مقدّسہ جو خلافتِ آدمؑ سے متعلّق ہے (۲:۳۰) زبانِ حکمت سے کہہ رہی ہے کہ جب تک زمین (الارض ۲:۳۰) ہے، تب تک اس خلافتِ کبریٰ کا سلسلہ جاری رہے گا، اسی طرح اس آیۂ کریمہ کا بھی اشارہ ہے، جو حضرتِ ابراہیمؑ کی امامت کے بارے میں ہے (۲:۱۲۴) کہ جب تک لوگ ہیں (لِلنّاس ۲:۱۲۴) تب تک امام ہوگا، تو کیا خلافت اور امامت دو الگ الگ چیزیں ہیں، یا یہ ایک ہی منصب ہے؟

ج: خلافت اور امامت یا خلیفہ اور امام میں لفظی اعتبار سے ضرور فرق ہے، مگر حقیقت میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ جو خدا کا نمائندہ (خلیفہ) ہوتا ہے، وہی لوگوں کا پیشوا (امام) ہوتا ہے۔

۱۰- آلِ ابراہیمؑ/ آلِ محمدؐ: سورۂ نساء (۴:۵۴) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: سو ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ان کو بہت بڑی سلطنت بھی دی ہے (۴:۵۴) اس میں یہ ذکر ہے کہ جب تک دنیا میں کتاب وحکمت کی ضرورت ہے، تب تک آلِ ابراہیمؑ یعنی آلِ محمدؐ کی امامت (روحانی سلطنت) جاری رہے گی، یہ سلطنت غلامی سے صرف نجات ہی دلانے پر اکتفا نہیں کرتی، بلکہ اس میں داخل ہو جانے والوں کو سلطان بھی بنا دیتی ہے (۵:۲۰؛ ۳:۲۶)۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

لنڈن

۲۲/ ذوالحجہّ ۱۴۰۹ھ

۲۵/ جولائی ۱۹۸۹ء

قرآنی میناروں سے روشنی

(قسطِ سوم)

۱- دعائے ابراہیمی: سورۂ بقرہ (۲:۱۲۶-۱۲۹) میں غور سے دیکھ لیں، جہاں حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام نے دین کی انتہائی اہم اور اساسی چیزوں کے لئے ربِّ جلیل سے درخواست کی۔

اوّل: شہرِ مکہ پناہ و امن کا مقام ہو، اور اس کے باشندوں میں سے جو خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لائے، اس کو طرح طرح کے پھل نصیب ہوں، یعنی مرتبۂ اساس کی معرفت مومنین کے لئے باعثِ امنِ روحانی ہو، اور اس سے علم و حکمت کے ثمرات حاصل ہوتے رہیں۔

دوم: تعمیرِ خانۂ کعبہ کی خدمت جو حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ اسماعیل علیہما السّلام نے انجام دی، اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

سوم: تعمیرِ بیت اللہ کے دوران دونوں بزرگوں نے یہ دعا بھی کی کہ پروردگارِ عالم ان دونوں کو اپنا خاص فرمانبردار بنالے۔

چہارم: یہ کہ ان کی ذرّیّت سے ایک ایسی جماعت ہو، جو حقیقی معنوں میں خدائے تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے، یعنی أئمّۂ ہُدا علیہم السّلام۔

پنجم: یہ دعا تھی: وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا (اور ہم کو ہمارے حج کی جگہیں یعنی مقاماتِ روحانی دکھادے) وَتُبْ عَلَيْنَا (اور ہماری توبہ قبول فرما، یعنی ہماری طرف لوٹ آ، اور ہمیں مرتبۂ حق الیقین پر پہنچادے، جو مقامِ ازل ہے)۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

ششم: یہ درخواست کی گئی ہے: اے ہمارے پروردگار! ان (اُئمّہ) میں انہی میں سے ایک رسولؐ کو بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور آسمانی کتاب اور حکمت سکھائے اور ان (کے نفوس) کو پاکیزہ کر دے۔ تاکہ اس پاکیزگی (تزکیہ و تطہیر) کے بعد وہ لوگوں کے اُئمّہ ہو جائیں۔

۲- مجتبیٰ کون ہیں (۲۲:۷۸)؟: حضراتِ اُئمّہ علیہم السّلام خاص مومنین ہیں (۹:۱۰۵) اور مجتبیٰ (برگزیدہ) بھی وہی ہیں (۲۲:۷۸) آپ سورۂ حج کی آخری دو آیتوں کو بغور دیکھ لیں، وہاں جو کچھ ارشاد ہوا ہے، وہ اُئمّۂ آلِ محمدؐ کے بارے میں ہے، جو آلِ ابراہیمؑ ہیں (۴:۵۴) جیسا کہ نمونۂ ارشاد ہے: هُوَ اجۡتَبٰكُمۡ (اسی نے تم کو برگزیدہ کیا) وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ (اور امورِ دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی، یعنی احکام کی تعبیر و تاویل اور تشریح و توضیح کا وسیع علم عطا فرمایا) مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ (یہ اسلام تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب ہے یعنی تم اس دین کے وارث ہو) هُوَ سَمّٰٮكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (اسی نے تمہارا نام مسلمین یعنی فرمانبردار رکھا) مِنۡ قَبۡلُ وَفِىۡ هٰذَا (یہ نہ صرف پہلے کی بات ہے بلکہ اب اس قرآن میں بھی ایسا ہے) لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ (تاکہ رسولؐ یعنی نورِ نبوّت تم پر حاضر اور گواہ رہے) وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ (اور تم یعنی نورِ امامت تمام لوگوں پر حاضر اور گواہ رہے) یہاں اس آیۂ کریمہ کی یہ کلیدی حکمت بحسن و خوبی دلنشین ہو کہ نورِ نبوّت نورِ امامت پر دائمی گواہ ہے، اور نورِ امامت لوگوں پر دائمی گواہ ہے، اور ایسا گواہ ہمیشہ حاضر رہتا ہے، ہر چند کہ لوگ اس روشن حقیقت سے بے خبر ہیں۔

۳- ابراہیمؑ۔ لوگوں کا باپ: اِب (باپ) راہیم (جمہور یا عوام)

یہ کلدانی زبان کا لفظِ مرکب ہے، بمعنی لوگوں کا باپ، جس طرح حضرت آدمؑ کا لقب ہے: ابوالبشر، اور جیسے حضرتِ نوحؑ کا لقب ہے: ابوالبشرِ ثانی، اسی طرح ہر پیغمبر اور ہر امام باطن اور روحانیت میں لوگوں کا باپ ہوا کرتا ہے، روشن ثبوت کے لئے دیکھئے آیۂ اخذِ ذرّیت (۱۷۲:۷) کہ پروردگار نے اولادِ آدمؑ کی پشتوں سے ان کی ذرّیت کو باہر نکال کر پوچھا: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب کے سب بولے: کیوں نہیں (۱۷۲:۷) پس یہ بنی آدم بمرتبۂ کمالاتِ روحانی انبیا و ائمّہ علیہم السّلام ہیں، جن کی پشتوں میں جو عالمِ ذرّ ہے، اس سے اپنے اپنے وقت میں ان کی ذرّیت یعنی لوگوں کو باہر نکال کر ربوبیّت کا اقرار لیا گیا، اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کے مبارک نام میں یہ اشارہ موجود ہے کہ ہر پیغمبر اور ہر امام کو اپنے وقت میں کُلّی طور پر ابوالبشر کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

۴- حضرتِ لوطؑ کا حلقۂ دعوت: حضرتِ لوطؑ حضرتِ ابراہیمؑ کے بھائی حاران کے بیٹے تھے، آپؑ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرتبۂ نبوّت سے نواز کر سرفراز فرمایا، جیسا کہ سورۂ انبیاء (۷۱:۲۱) میں فرمایا ہوا ہے (ترجمہ): اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو ایسی زمین کی طرف بھیج کر نجات دی، جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے خیر و برکت رکھی ہے (یعنی زمینِ نفسِ کُلّی) نیز اسی سورہ (۷۴:۲۱) میں ارشاد ہے: اور لوطؑ کو ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے (۷۴:۲۱) اُردن کی وہ جانب جہاں آج بحرِ میّت یا بحرِ لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے، جس میں سدوم، عامورہ، وغیرہ کی بستیاں آباد تھیں، انہی بستیوں میں کارِ دعوت انجام دینے کے لئے حضرتِ لوط علیہ السّلام مامور ہوئے تھے۔

۵- قومِ لوطؑ کے شرمناک افعال: حضرتِ لوط علیہ السّلام نے جب شہرِ سدوم میں آکر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور نافرمانیوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان، یہ لوگ دوسری تمام بُرائیوں کے علاوہ ایک خبیث عمل کے موجد تھے، یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کی بجائے اَمرد لڑکوں سے اختلاط کرتے تھے، دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا، جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے: اور (یاد کرو) لوط کا واقعہ، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے فحش کام میں مشغول ہو، جس کو دنیا میں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا، یہ کہ بلاشبہ تم عورتوں کی بجائے اپنی شہوت کو مردوں سے پوری کرتے ہو، یقیناً تم حد سے گزرنے والے ہو (۷: ۸۰-۸۱)۔

۶- لِواطت و اِغلام کا باطنی پہلو: اس سلسلے میں بہتر تو یہ ہے کہ آپ کتابِ وجہِ دین گفتار ۴۱ کو غور سے پڑھیں، تاہم یہاں بھی کچھ وضاحت کی جاتی ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے ایک طرف طائفۂ اہلِ حق ہے، اور دوسری جانب طائفۂ اہلِ باطل، گروہِ حق کو مرد کا درجہ حاصل ہے، اور گروہِ باطل گویا ایک عورت ہے، چنانچہ حقیقت میں یہ امر بیحد ضروری ہے کہ یہ مرد اس عورت سے روحانی نکاح کرلے، یعنی دعوتِ حق کی تعلیمات سے اس کو مستفیض کرے، اور وہ اس کو قبول کرے، اگر اس حقیقتِ حال کے برعکس اہلِ باطل کا کوئی فرد جو عورت کی حیثیت سے ہے دعوت کا کام کرتا ہے، تو وہ خدا اور رسولؐ کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے خود کو روحانی مرد کے مشابہ کرلیا، اسی لعنت میں اہلِ حق کا ایسا شخص بھی مبتلا ہو جاتا ہے، جو بحدِّ قوّت مردِ روحانی تھا، لیکن اس نے جہالت و نادانی سے ایک عورت کو اپنا شوہر بنالیا، جیسا کہ پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے:

لعنةُ اللّٰہِ عَلَی المُتَشبِہینَ مِن الرِّجالِ بالنِّساءِ والمُتَشَبِہات مِن النِّساءِ بالرِّجالِ: خدا کی لعنت ہے، ایسے مردوں پر جو عورتوں کی طرح ہو جاتے ہیں، اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کی طرح ہو جاتی ہیں اس میں لواطہ اور سحاقہ دونوں کی مذمّت کی گئی ہے۔

۷- **عذابِ الٰہی**: آخر عذابِ الٰہی کا وقت آ پہنچا، ابتداءِ شب ہوئی تو ملائکہ کے اشارہ سے حضرتِ لوطؑ اپنے خاندان سمیت دوسری جانب سے نکل کر سدوم سے رخصت ہو گئے، اور ان کی بیوی نے ان کی رفاقت سے انکار کر دیا، اور راستہ ہی سے لوٹ کر سدوم واپس آ گئی، آخرِ شب ہوئی تو اوّل ایک ہیبت ناک چیخ نے اہلِ سدوم کو تہ و بالا کر دیا اور پھر آبادی کا تختہ اوپر اٹھا کر الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا، اور وہی ہوا جو گزشتہ قوم کی نافرمانی اور سرکشی کا انجام ہو چکا ہے۔

۸- **حضرتِ اسمٰعیلؑ**: یہ مبارک نام دو لفظوں سے مرکب ہے: اِسمع + ایل = اسمٰعیل، عبرانی میں "ایل" اللہ کے مترادف ہے، عربی کے لفظِ اِسمع اور عبرانی کے شماع کے معنی ہیں "سُن" چونکہ اسمٰعیل علیہ السّلام کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ابراہیمؑ کی دعا سن لی، اور ہاجرہ کو فرشتہ سے بشارت ملی کہ: "خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔" اس لئے ان کا یہ نام رکھا گیا، عبرانی میں اس کا تلفظ "شماع ایل" ہے۔

۹- **وادیٔ غیر ذی زرع اور ہاجرہ و اسمٰعیل**: جب حضرتِ ہاجرہ سے حضرتِ اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرتِ سارہ میں سوکن کا لڑکا ہوتے ہی رشک وحسد

کی آگ بھڑک اٹھی، آخر جب ان دونوں میں کسی طرح نہ بنی، تو حضرتِ ابراہیمؑ ہاجرہ و اسمٰعیلؑ کو لیے ہوئے خدا کے حکم سے مکہ کے میدان میں آئے، جب کہ وہاں بالو اور پہاڑ کے سوا کچھ نہ تھا، جیسا کہ ارشاد ہے: اے ہمارے پالنے والے میں نے تیرے معزز گھر (کعبہ) کے پاس ایک بے کھیتی بیابان (مکہ) میں اپنی کچھ اولاد کو لاکر بسایا ہے تاکہ اے ربّ یہ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں تو تُو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور انھیں طرح طرح کے پھلوں سے روزی عطا کرتا کہ یہ لوگ شکر کریں (۱۴:۳۷)۔

حکمت: جب مومنین پر تکالیف آتی ہیں، تو ان آزمائشوں میں روحانی عروج و ارتقا کے بھید پوشیدہ ہوتے ہیں، چنانچہ امامِ عالیمقام صلوات اللہ علیہ اپنے ہر ایسے روحانی فرزند کو جس کی حق تلفی ہوئی ہو شفقت و محبّت کی ماں کے ساتھ عالمِ شخصی کے اس بیابان میں رکھ دیتا ہے، جس میں آگے چل کر کعبۂ جان بننے والا ہے، تاکہ تمام واقعاتِ روحانیت کے عظیم الشان تجددِ امثال سے حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ اسماعیل علیہما السّلام کی کامل معرفت حاصل ہو۔

۱۰- چند سوالات:

الف: السّعی (دوڑنا) سے کیا مراد ہے (۱۰۲:۳۷)؟

ب: فِدا اور ذِبحِ عظیم کے کیا معنی ہیں (۱۰۷:۳۷)؟

ج: اس قربانی میں جبین (ماتھا ۱۰۳:۳۷) کا ذکر کس مناسبت سے ہے؟

جوابات: (ا) ہر زندہ شی میں حرکت ہوتی ہے، چنانچہ نور ایک زندہ حقیقت ہے، اور اس میں کئی طرح کی حرکتیں پائی جاتی ہیں، ان میں سے ایک حرکتِ ذکر ہے،

یعنی نورِ نبوّت و امامت کا ایک کمال یہ ہے کہ اس میں ذکرِ اسمِ اعظم بڑی سرعت کے ساتھ خود بخود جاری رہتا ہے، یہ ہوا حضرت اسماعیلؑ کا اپنے والد کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہو جانا، اور ایسے وقت میں انبیاو ائمّہ علیہم السّلام کی روحانی قربانی ہو جاتی ہے۔

(۲) فدا کا مطلب ہے قربان کر دینا، ذِبحِ عظیم کی تاویل ہے حضرتِ اسماعیلؑ کی بدنی قربانی کی بجائے روحانی قربانی، جو بہت بڑی ہے، اور حضرتِ اسحاقؑ کی ایسی قربانی۔

(۳) جبین کا اشارہ اس لئے ہے کہ روحانی قربانی میں روح ماتھے پر مرکوز ہو کر بلند ہو جاتی ہے۔

نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

۱۹ر اگست ۱۹۸۹ء

نوٹ: انبیا علیہم السّلام کے ظاہری قصّہ کے لئے "قصص القرآن" کو بھی دیکھیں، جو مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تالیف ہے۔

ستاروں پر لطیف زِندگی

معرفتِ ذات وکائنات کے سلسلے میں ہمیں بوسیلۂ نورِ قرآن یہ سوچنا اور جاننا بیحد ضروری ہے کہ اس وسیع وعریض کائنات میں ایسی کثرت سے اور اتنے بیشمار ستارے کیوں سجائے ہوئے موجود ہیں؟ آیا یہ تصوّر درست ہو سکتا ہے کہ زندگی صرف اور صرف ہماری زمین پر پائی جاتی ہے، باقی تمام ستاروں پر کوئی زندہ مخلوق نہیں؟ کیا ہر ستارہ لطیف مخلوقات سے پُر ایک دنیا نہیں؟ اس بارے میں قرآنِ حکیم کا کیا ارشاد ہے؟ اس کے جوابی دلائل ذیل کی طرح ہیں:-

دلیل (۱): سورۂ بقرہ کے ایک حکمت آگین ارشاد (۲:۲۲) کے مطابق زمین انسان کے لئے فرش کا کام دیتی ہے، اور آسمان یعنی فضائے محیط چھت کی طرح ہے، اور اس حکم کا اطلاق یقیناً ہر ستارے پر ہو جاتا ہے، پس اس سے یہ تاثّر ملتا ہے کہ کوئی ستارہ لطیف مخلوقات سے خالی نہیں۔

دلیل (۲): سورۂ آلِ عمران (۳:۱۹۰-۱۹۱) میں غور سے دیکھ لیجئے کہ کائنات کی کوئی چیز باطل نہیں پیدا کی گئی ہے، پھر نجوم یعنی ستارے کیونکر بیکار اور فضول ہو سکتے ہیں، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ انسان کی زندگانیٔ لطیف کیلئے بے شمار دنیائیں ہیں۔

دلیل (۳): نہ صرف ہر آدمی ایک دنیا ہے، بلکہ ہر ستارہ بھی ایک عالم ہے، پس قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں لفظِ ''عالمین'' آیا ہے، اس کے معنی ہیں شخصی دنیائیں اور انجم (ستارے) جن کا خالق اور ربّ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے، اور اس

میں خدائے بزرگ و برتر کی سب سے بڑی تعریف (الحمد) اس معنیٰ میں ہے کہ وہ احد و صمد اپنی بیمثال ربوبیّت سے ہر انسان کی اس حد تک عقلی اور علمی پرورش کرسکتا ہے کہ وہ کسی ستارے کا خلیفہ اور بادشاہ ہوجائے (۵۵:۲۴)۔

دلیل (۴): قرآنِ عزیز ہی کا مفہوم ہے کہ قانونِ فطرت (جس کے مطابق خدا نے کائنات اور ستاروں کو پیدا کیا) اور لوگوں کی فطرت (پیدائش) ایک ہی چیز ہے (۳۰:۳۰) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ستارے بھی انسانوں کی طرح مختلف زمانوں میں پیدا ہوجاتے ہیں، اور الگ الگ ادوار میں مرجاتے ہیں، ہر چند کہ ان کی عمریں انتہائی طویل ہوا کرتی ہیں۔

دلیل (۵): کوئی چیز خواہ ظاہری ہو یا باطنی، رحمت اور علم سے ہرگز خالی نہیں (۶:۸۰؛ ۴۰:۷) اور یاد رہے کہ رحمت میں روحانی نعمتیں ہیں، اور علم میں عقلی نعمتیں، پس اکثر ستاروں پر اگرچہ ظاہری آبادی نہیں ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہاں رحمت و علم سے بہشت کی معموریت ہو، اور انسان ہمیشہ بے پایان نعمتوں میں شادمان رہے۔

دلیل (۶): کوئی چیز اور کوئی ستارہ ایسا نہیں، جو خزائنِ الٰہی کا محتاج نہ ہو، اور اس پر خداوندِ عالم بتدریج عقل و جان کی برکتیں نازل نہ فرماتا ہو (۱۵:۲۱) اور اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ یہ بالواسطہ تذکرہ انسان ہی کا ہے کہ وہی دراصل ستارے کی روح اور اس کا باشندہ ہے۔

دلیل (۷): سورۂ نحل (۱۶:۸۱) کے حوالے سے بارہا یہ ذکر ہوچکا ہے کہ پروردگارِ عالم نے اپنی عنایتِ خاص سے ایسے کُرتے بنائے ہیں، جو ہر قسم کی گرمی سے بچا سکتے ہیں، اور ایسے کُرتے بھی، جو تمام جنگوں سے محفوظ رکھنے والے ہیں، ان سے

اجسامِ لطیف مراد ہیں، جن کے حصول کے بعد ہی آدمی گرم ترین اور سرد ترین ستاروں پر جنّت کی پُرلذّت زندگی گزار سکتا ہے۔

دلیل (۸): اشارۂ قرآن یہ ہے کہ بہشت جہاں اپنی جگہ پر ہے، وہاں کائنات کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے (۳:۱۳۳؛ ۵۷:۲۱) اور جہاں نزدیک لائی جاتی ہے (۲۶:۹۰؛ ۵۰:۳۱) وہاں عالمِ شخصی میں ہے، پس انجم مجموعی طور پر بہشت کی زمینِ ظاہر ہیں، جس میں بدنِ کوکبی کے لئے ہر گونہ لطیف نعمتیں مہیّا ہیں، اور کسی چیز کی کمی نہیں۔

دلیل (۹): خدا کی آیات ائمۂ طاہرین علیہم السّلام ہیں، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے: جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور (ان کے اقرار) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنّت میں داخل نہ ہوں گے (۷:۴۰) اس سے ظاہر ہے کہ آسمانِ ظاہر اور آسمانِ روحانیّت کے دروازے بہشت کے دروازے ہیں، اور وہ صرف علم و معرفت ہی سے کھل سکتے ہیں۔

دلیل (۱۰): کائنات کا ہیولیٰ یا ایتھر (ETHER) بحرِ محیط ہے، اس میں ستارے خدا کی عظیم کشتیاں ہیں، ہر ایسی کشتی میں سوار شدہ لوگوں کو جب فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ کثیف سے لطیف جسم میں منتقل ہو کر انجم کو بہشت کی زمین پاتے ہیں (۵۵:۲۴-۲۷)۔

دلیل (۱۱): اگرچہ افرادِ انسانی الگ الگ ہیں، لیکن ان سب کو ملا کر انسان یا عالمِ انسانیت کہا جاتا ہے، اسی طرح کیا عجب ہے کہ قرآنِ مجید تمام ستاروں کو زمین کا نام دے رہا ہو اور ہم اپنی عقلِ جزوی کی وجہ سے صرف اسی سیّارے کو زمین مانتے

ہوں، جس پر ہم فی الوقت بستے ہیں، جی ہاں، لاتعداد ستاروں کا مجموعہ ہی خدا کی ظاہری زمین ہے، جو خلافت وسلطنت کی غرض سے بیحد وسیع ہے (۲۹:۵۶؛۳۹:۱۰)۔

دلیل (۱۲): اللہ تعالیٰ کی کرسی یعنی نفسِ کُلّی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے (۲:۲۵۵) اور آپ جانتے ہیں کہ ہر کُلّ اپنے اجزاء کا مجموعہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ کائنات کی فضائے محیط اور جملہ ستاروں پر نفسِ کُلّ کے اجزاء بھرے ہوئے ہیں، جو جنّات، ملائک، اور نفوسِ بشر ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ چاند ہو، یا مِریخ، یا کوئی اور ستارہ، وہ مخلوقاتِ لطیف سے ہرگز خالی نہیں ہوسکتا۔

دلیل (۱۳): میں نے ملکِ چین میں شدید مشقت اور ریاضت کے دوران ایک نورانی خواب دیکھا، جس میں یہ مشاہدہ ہوا کہ عبدالاحد نامی ایک مومن کی صورت میں کوئی فرشتہ ہاتھ سے یہ اشارہ کررہا تھا کہ ستاروں میں اہلِ ایمان کیلئے روحانی سلطنتیں رکھی ہوئی ہیں، عبدالاحد کا بہت بڑا مالی نقصان ہوا تھا، جس کی وجہ سے وہ خدا کے حضور بکثرت گریہ وزاری اور مناجات کرتا رہتا تھا۔

دلیل (۱۴): سورۂ رحمان کے اس ارشاد میں دیکھ لیں: اے گروہِ جنّ و اِنس! اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکلو، مگر بدونِ زور کے نہیں نکل سکتے (۵۵:۳۳) یہاں ستاروں اور آسمانوں سے بھی اوپر جا کر صاحبِ عرش میں فنا ہوجانے کی ایک حکیمانہ دعوت دی گئی ہے، جس کے لئے زور (سلطان، غلبہ) کی سخت ضرورت ہے، اور وہ ہے: ذکر و عبادت، اور علم و معرفت۔

دلیل (۱۵): آپ نے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے بارے میں سنا ہوگا، یہ مرتبہ جنّت سے بہت اعلیٰ اور لازوال ہے، چنانچہ یہ امر ممکن ہے کہ کسی ستارے کی

بہشت میں جس مومن کو بادشاہی عطا ہوئی ہے، وہ زمانہائے دراز کے بعد درجۂ رضوان (۹:۷۲) یا منزلِ فنائیں پہنچ کر جنّت سے بے نیاز ہو جائے، البتہ یہی وجہ ہے کہ فردوسِ برین کی سرداری میراث کے طور پر ملتی رہتی ہے (۲۳:۱۰-۱۱) اور کسی چیز کو میراث اس وقت کہا جاتا ہے، جبکہ اس کا مالک مر جاتا ہے، خواہ وہ جسمانی موت ہو، یا نفسانی، یا فنا فی اللہ۔

دلیل (۱۶): سورۂ انبیاء (۲۱:۱۰۵) میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے، خدا کا یہ وعدہ زمینِ انجم کی وراثت سے متعلّق ہے، ورنہ سوال پیدا ہوگا کہ کب ایسا ہوگا؟ جبکہ اللہ کے بہت سے نیک بندے دنیا سے گزر چکے ہیں؟

دلیل (۱۷): قرآنِ حکیم (۴۵:۱۳) میں غور سے دیکھ لیں کہ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں، جو مومنین کے لئے مسخّر نہ کی گئی ہو، اور آسمانوں اور زمینوں یعنی انجم میں وہ کونسی چیز باقی ہے، جو بندوں کو عطا نہ ہوئی ہو (۱۴:۳۴) غرض ستاروں کی زمین بہشت کی زمین ہے، جس کے وارث مومنین ہوں گے۔

دلیل (۱۸): اپنے آپ کو خواب میں پرواز کرتے ہوئے دیکھنا کسی اچھی عبادت یا گریہ وزاری کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، اور اس کا اشارہ یہ ہے کہ کل ستاروں کی بہشت میں بڑے پیمانے پر اڑنے کی قدرت عنایت ہونے والی ہے، تاکہ اس سے ستاروں کی سیاحت ممکن ہو، جس طرح حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خواب میں جعفرِ طیار کو بہشت میں اڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

دلیل (۱۹): جہاں اور جب اللہ تعالیٰ دستِ قدرت میں کائنات وموجودات

کو لپیٹ لیتا ہے، تو اس کے بہت سے معنی ہوتے ہیں، مِن جُملہ یہ کہ ہر دُوری مکان و زمان کو ختم کر دیتا ہے، منتشر کو یکجا کر لیتا ہے، اجزاء کو کُلّ سے ملاتا ہے، ازل و ابد کا دائرہ بناتا ہے، ہر چیز کی از سرِ نو تخلیق فرماتا ہے، آفرینشِ عالم و آدم کا تجدّد کرتا ہے، نفوسِ خلائق کو نفسِ واحدہ کے ساتھ ایک کر لیتا ہے، اور ایسے میں یوں کہنا چاہئے کہ ستاروں کی زمینیں اگرچہ بے شمار ہیں، لیکن وہ ایک ہی ہے، یعنی سارے نجوم کا نام ''الارض'' ہے۔

دلیل (۲۰): خداوندِ عالم نے جگمگاتے ستاروں (کواکب) سے آسمانِ دنیا کو زینت بخشی ہے (۶:۳۷) اور حفاظت بھی کی ہے ہر سرکش شیطان سے (۷:۳۷) وہ شیاطین عالمِ بالا کے سردار فرشتوں کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دئے جاتے ہیں (۸:۳۷) یعنی کواکب کے اسرار ایسے آسان نہیں کہ ان پر عبور حاصل کر کے ہر کوئی عالمِ علوی میں پہنچ سکے۔

دلیل (۲۱): غیر آباد ستاروں پر مخلوقاتِ لطیف موجود ہونے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ شروع شروع میں جب سیّارۂ زمین بیابان تھا، تو اس وقت یہاں جِنّات بستے تھے، پھر ان کی اکثریت کو ہٹا کر اس پر آدم و بنی آدم بسائے گئے، تاکہ جنّوں کا غلبہ نہ ہو، اگر یہ دنیا کبھی پانی کے ذخائر سے محروم ہو کر خشک صحرا بن جائے (۸:۱۸) تو پھر اس پر جِنّات کا قبضہ ہوگا، کیونکہ یہ کائنات مکان و مکانیت اور ظرفیت کے قانون پر ہے، چنانچہ کوئی ظرف خالی نہیں رہ سکتا، اس میں یا تو ہوا ہوتی ہے، یا پانی ہوتا ہے یا کچھ اور، واقعہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ سیّارہ بے آب و گیاہ بیابان ہوگا، تب تک انسان جسمِ لطیف میں منتقل ہو چکا ہوگا۔

دلیل (۲۲): ستاروں کے چراغوں (مصابیح ۵:۶۷) سے نور بھی ہے اور

نار بھی، یعنی ان میں علم وہدایت کی روشنی بھی ہے اور دھتکار کا شعلہ بھی، جیسے دربان بادشاہ کے دوستوں کو محلِ خاص تک رہنمائی کرتا ہے، اور چوروں کو بھگا دیتا ہے (۸:۷۲)۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

۸/ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ

۱۰/اکتوبر ۱۹۸۹ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اسمِ اعظم - سِرِّ اسرار

۱- اللہ تعالیٰ کا سب سے بزرگ اور سب سے بابرکت نام اسمِ اعظم یا اسمِ اکبر کہلاتا ہے، اور خدا کی خدائی میں یہی سرِّ اسرار (بھیدوں کا بھید) اور خزینۂ خزائن کا درجہ رکھتا ہے، یہ واحد بھی ہے، اور جمع بھی، چنانچہ ارشاد ہوا (ترجمہ): اور بہت ہی اچھے نام (اسماءُ الحسنیٰ) اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اس کو پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں (۷:۱۸۰) اسماءُ الحسنیٰ کا بنیادی ذکر اگرچہ قرآنِ حکیم کے چار مقام پر فرمایا گیا ہے، لیکن جب اللہ کا مقصد و منشا اور حکم انہی اسماء سے عبادت و بندگی کرنے کے لئے ہے، تو پھر عارفوں کو اس حقیقت کا یقین کیوں نہ ہو کہ تمام قرآن میں جس طرح ذکر و عبادت اور علم و معرفت کا بیان پھیلا ہوا ہے، وہ دراصل اسمِ اعظم ہی کا بیان ہے۔

۲- اسمِ اعظم ہمیشہ نورِ ہدایت سے وابستہ ہے، لہٰذا کوئی شخص اسے ہادیٔ برحق سے الگ کر کے اپنے لئے ضبطِ تحریر میں محفوظ نہیں کر سکتا، اگر یہ امر ممکن ہوتا، تو اہلِ کتاب ایسا کر لیتے، جیسے خدا کی رسّی کا تصوّر ہے کہ اسے لوگ پکڑ بھی سکتے ہیں، اور چھوڑ بھی سکتے ہیں مگر اسکا بالائی سِرا کبھی خداوندِ عالم کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دینِ حق کی تمام اہم چیزیں ایک ہی جگہ جمع ہیں، اور وہ جگہ مرکزِ ہدایت ہی ہے، یعنی امامِ مبینؑ (۳۶:۱۲)۔

۳- کوکبِ درّی، بابِ سوم، منقبت ۲۹ میں حضرتِ امیر المومنین علی علیہ السّلام کا ارشاد ہے: اَنَا الْاَسمآءُ الحُسنٰی الَّتی اَمَرَ اللّٰہُ اَنْ یُّدعیٰ بھا۔ یعنی میں

خدا کے وہ اسماءِ حسنیٰ ہوں جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کو ان اسماء سے پکارا جائے (۷: ۱۸۰) پس اصل اسمِ اعظم صَوتی، حرفی، لفظی، اور تحریری نہیں، بلکہ شخصی، روحانی، اور نورانی ہے، یعنی امامِ زمانؑ ہی خدا کا زندہ اسمِ بزرگ ہیں، اور ہاں اس وسیلے کے بعد اسمِ اعظم کا تلفظ و ذکر ممکن ہو جاتا ہے، جبکہ نورانی اسم کا نمائندہ کوئی مناسب لفظی اسم قرار پاتا ہے۔

۴- جب حضرتِ آدم خلیفۃ اللہ علیہ السّلام میں خدائی روح پھونک دی گئی، یعنی جس وقت نور داخل ہوا، تو اس وقت آپؑ نورانی اسمِ اعظم ہو گئے، اور پھر تمام دوسرے اسماء کی حکمتیں بھی ان پر روشن ہونے لگیں، چنانچہ آپ کو یقین کرنا ہوگا کہ ربّانی تعلیم خودکار طور پر دی جاتی ہے، خواہ وہ حضرتِ آدمؑ کے لئے ہو، یا فرشتوں کے لئے، یا کسی اور کے واسطے، بہرحال روحانی علم کا ایک ہی قانون چلتا رہتا ہے اور وہ اسمِ اعظم کے تحت ہے۔

۵- اگرچہ سارا قرآن اللہ تعالیٰ کے اسماءُ الحسنیٰ ہی کی تفصیلات و توضیحات سے مملو ہے، تاہم لفظِ حسنیٰ کا اوّلین تعلّق ان جُملہ الفاظ سے ہے، جو مادّۂ ح-س-ن سے بنے ہیں، کیونکہ قرآنِ حکیم کا ہر لفظ بنظرِ حکمت ایک کتاب کا درجہ رکھتا ہے، چنانچہ خدائے بزرگ و برتر کا سب سے حسین و جمیل نام (اسمِ اعظم) تجلّیاتِ صفات اور عقل و بصیرت کے حُسن و جمال کی بولتی کتاب ہے، اور شاید کوئی مومن اس حقیقت کا یقین اس وقت کرتا ہوگا، جبکہ شخصی اور کلیدی اسمِ اعظم (امامِ زمانؑ) کے نور کی روشنی میں رنگِ خدا (صبغة الله ۲: ۱۳۸) کی کائنات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے، جس میں نہ صرف بندۂ مومن کا باطن ہی بلکہ دوسری تمام اشیا بھی نورانیت سے رنگین نظر آتی ہیں، یہ دنیا کا رنگ ہرگز نہیں، بلکہ مختلف رنگ کے انوار ہیں، جن کا ذکر ہو چکا ہے،

پس اسماءُ الحسنٰی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ان کے اصولی ذکر وعبادت سے روحانیت اور صبغۃ اللہ کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور ہر چیز نورِ عبادت سے رنگین ہو جاتی ہے۔

۶- چونکہ حضراتِ انبیا و ائمّہؑ علیہم السّلام اپنے اپنے وقت میں خدا کے اسمائے جلیل وجمیل کی مرتبت میں ہوتے ہیں، لہٰذا قرآنِ عزیز میں اس حقیقت کی کوئی جامع مثال ہونی چاہیئے، تاکہ ایک کو دیکھ کر سب کو پہچان لیا جائے، جی ہاں، اللہ تعالیٰ کے حسین ترین ناموں یعنی اسماءُ الحسنٰی میں سے ایک اسم حضرت یوسف علیہ السّلام تھے، مگر یہاں یہ جاننا ازحد ضروری ہے کہ حُسن و جمالِ یوسفؑ دراصل روحانی، علمی، عرفانی، اور عقلی صورت میں تھا، کیونکہ ظاہری وجسمانی زیبائی و دلکشی بہت سے عام انسانوں میں بھی ہوتی ہے، جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں، اور نہ وہ بزرگی کی علامت ہے، چنانچہ حضرتِ یوسفؑ کا حُسنِ ظاہر ان کے حُسنِ باطن پر حجاب وپردے کا کام کر رہا تھا، آپؑ اپنے وقت کے امام اور اسمِ اعظم تھے، اس لئے یہ امر ضروری تھا کہ آپؑ کا چہرۂ باطن چہرۂ خدا کی جگہ پر بدرجۂ انتہا حسین وجمیل ہو، اور حقائق ومعارف کے پروانے اس سرچشمۂ نور کا طواف کرتے ہوئے فنا ہو جائیں۔

۷- آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خدائے لایزال کے اسماءُ الحسنٰی تھے، اسی لئے آج اسلام میں اطاعتِ رسولؐ اطاعتِ خدا ہے (۴:۸۰) اور جب عشقِ رسولؐ عشقِ خدا ہے (۳:۳۱) تو پھر ذکرِ رسولؐ کے بغیر حضورؐ کا عشق کیسے حاصل ہوسکتا ہے، اگر آپ مانتے ہیں کہ ذکرِ رسولؐ حق ہے (۴:۹۴) تو یہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہوگا وہ یہ کہ پیغمبرِ اکرمؐ کو اللہ کا اسمِ اعظم مانا جائے، ورنہ عبادت میں وحدت نہ ہوگی، دُوئی ہوگی، اور دوئی بُت پرستی ہے، اس دلیل سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

پیغمبر اور امام علیہما السلام وہ اسمائے حسنیٰ ہیں، جن سے خدا کو پکارنا ضروری ہے، کیونکہ مقبول عبادت و بندگی اور رضائے الٰہی کا طریقہ یہی ہے۔

۸- پیغمبرؐ اور امامِ زمانؑ کس طرح اللہ تعالیٰ کے اسماءُ الحسنیٰ کا مرتبہ رکھتے ہیں، اور ان بزرگ ناموں سے خدا کو کیسے پکارا جائے، اس کی دوسری مثال یہ آیت ہے: اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے آپ کے پاس آتے پھر خدا سے بخشش مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے خدا سے بخشش مانگتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے (۴:۶۴) یہ حکم ایک کُلّیّہ کی حیثیت سے ہے، یعنی اس کا تعلّق سب سے ہے، اور یہ ہر زمانے کے لئے ہے، کیونکہ نورِ ہدایت ہمیشہ حیّ و حاضر ہے، تاکہ لوگ اس نامِ بزرگ کے وسیلے سے خدا کو پکارا کریں۔

۹- اس حقیقت کی تیسری دلیل کے لئے سورۂ توبہ کا یہ ارشاد پیشِ نظر رہے: اور بعض دیہات والے ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو خدا کے نزدیک قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسولؐ کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں . . . (۹:۹۹) پس رسولِ اکرمؐ اور امامِ عالیمقامؑ کی دعا ہی کے معنی ہیں اسمِ اعظم سے خدا کو پکارنا (۷:۱۸۰) اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے کہ اس نے ہر زمانے میں دعائے مقبول کے لئے اپنے بزرگ ترین نام کا وسیلہ بنادیا، جو نبوّت کے بعد سلسلۂ امامت ہے۔

۱۰- چوتھی دلیل یہ ہے: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کردیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے یقیناً آپ کی دعا ان کے لئے موجبِ اطمینان ہے (۹:۱۰۳) کیا ان کو اس بات کا علم نہیں

کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے...(۹:۱۰۴) یہاں پہلی آیت دوسری آیت کی تفسیر وتشریح کا کام کر رہی ہے، جس سے یہ حقیقت مثلِ خورشیدِ انور درخشان وتابان ہو رہی ہے کہ رسولؐ اور نائبِ رسولؐ (امامؑ) اپنے اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات پر مامور ہیں کہ وہ اہلِ ایمان سے صدقہ (زکات وغیرہ) لے کر ان کو روحانی اور عقلی طور پر پاک وپاکیزہ کرلیں، اور ان کے حق میں ایسی بے مثال دعا کریں کہ یہ معجزانہ دعا ان کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے زندہ اور گویندہ اسمِ اعظم میں جو رضائے الٰہی اور مقبولیت رکھی ہوئی ہے، وہ کسی دوسرے نام میں نہیں، مگر ہاں، جب اللہ کے اسمائے حسنیٰ کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے، تو ان کے نور سے دوسرے تمام اسماء بھی منوّر ہوجاتے ہیں۔

۱۱- پانچویں دلیل ملاحظہ ہو: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں پیغمبر پر، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو جیسا کہ حق ہے (۳۳:۵۶) اس آیۂ کریمہ کی تفسیر وتاویل اس طرح ہے کہ خدا اور اس کے قلم ولوح (کیونکہ یہ دونوں بڑے فرشتے ہیں) اور دیگر تمام فرشتے نبیؐ رحمتؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے اہلِ ایمان تم بھی اسی مقصد کیلئے عرش والے سے درخواست کرتے ہوئے کہا کرو: اَللّٰھُمَّ صلِّ علی محمّدٍ وّاٰلِ محمّد . . . تاکہ لاہوت، جبروت، ملکوت، اور ناسوت اس ہمہ رس وہمہ گیر درود سے ہر وقت گونج اٹھے، اور ہمیشہ نورِ رحمت کی بارش برستی رہے، یہاں یہ بہت بڑا سوال سامنے آتا ہے کہ یہ کائناتی درود جو خالق اور مخلوق سب کی طرف سے آنحضرتؐ کی تعظیم وتکریم کے معنی میں بھیجی جاتی ہے، وہ دراصل کس کا ذکر ہے؟ خدا کا؟ یا بندے کا؟ یا دونوں کا؟ جواباً یہ کہنا ہوگا کہ یہ ذکر اسمائے عظام کا

ہے، یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا، اور اصلاً خدا کا ذکر ہے۔

۱۲- قرآنِ حکیم جہاں یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کہتا ہے، وہاں اس قولِ خداوندی کا یہ مطلب ہے کہ توراۃ اور انجیل میں پہلے کی طرح سب کچھ موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وہ تمام اسمائے ظاہر بھی ہیں، جو کبھی ان کے لئے کام کرتے تھے، مگر اب ان کے وہاں اسماءُ الحسنیٰ موجود نہیں، وہ تو صراطِ مستقیم اور نورِ ہدایت کے عنوان سے اسلام میں منتقل ہو چکے ہیں، یعنی حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسمِ اکبر ہیں، لہٰذا اہلِ کتاب آپ کے بغیر جس نام سے بھی خدا کو پکارا کریں، اس سے ان کے لئے کوئی شنوائی اور قبولیت ممکن نہیں۔

۱۳- سورۂ انفال کے اس پُرحکمت حکم (۸:۲۴) میں چشمِ بصیرت سے دیکھنا ہوگا: اے ایمان والو تم اللہ اور رسولؐ کی دعوتِ خاص کو قبول کرو جب کہ رسولؐ تم کو اس چیز کی طرف بلاتے ہوں جو تم کو زندہ کر دینے والی ہے (یعنی امامتِ علیؑ اور اسمِ اعظم) اور یہ جاننا ہوگا کہ خدا تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان . . . (۸:۲۴) یعنی جب تم اس دعوت کو قبول کرو گے، تو تم حیاتِ طیبۂ ازلی وابدی میں زندہ ہو کر اپنی انائے علوی اور خدا کو پہچان لو گے، پھر اس وقت اللہ تعالیٰ تمہاری انائے سفلی کو انائے علوی سے واصل کر دے گا۔

۱۴- حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کی تعلیمات میں ہے کہ مومنین زمانۂ آدمؑ میں بھی اور زمانۂ علیؑ میں بھی جسمانیت میں بشر اور روحانیت میں فرشتے تھے، اس کا اشارہ یہ ہے کہ بتقاضائے سُنّتِ الٰہی ہر پیغمبر اور ہر امام بعض مومنین کو اسمائے حسنیٰ کی وہ تعلیم دیا کرتا ہے، جو ابتداء میں حضرتِ آدم علیہ السّلام نے فرشتوں کو دی تھی، تاکہ ہمیشہ سے نورِ ہدایت اور اسمِ اعظم کے تمام معجزات وتجلّیات کا تجدّدِ امثال

ہوتا رہے، اور اللہ کی سُنّت میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

۱۴؍ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ

۱۶؍ اکتوبر ۱۹۸۹ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حکمتیں ہی حکمتیں

۱- قرآنِ پاک، نورِ ہدایت، اسمِ اعظم، خانۂ خدا، شب خیزی، گریہ وزاری، ذکرِ دائم، عشقِ محمدؐ وآلِ محمدؐ، عاجزی، آفاق، اور عالمِ شخصی، ان سب خزانوں کو علم وعمل سے مربوط کر کے دیکھا جائے تو حکمتیں ہی حکمتیں نظر آئیں گی، حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے، جس کی بازیابی کے بغیر تمھیں کیسے قرار مل سکتا ہے، پس تم دیوانہ وار علم و حکمت کی جستجو میں لگے رہو، تا آنکہ خزائنِ حقائق ومعارف سے مالا مال ہو جاؤ۔

۲- حضرتِ آدم علیہ السّلام اپنے وقت میں اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم تھے، لہٰذا سجدۂ آدمؑ کے حکم میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے، جس کو بجا لاکر فرشتوں نے علم الاسماء کے نور کو حاصل کر لیا، مگر شیطان اس عظیم سعادت سے محروم رہا، کیونکہ اس نے سجدہ نہیں کیا، جس کی وجہ تکبر ہے، اور تکبر کی وجہ جہالت ہے، جبکہ ہر بُرائی جہالت سے اور ہر اچھائی علم سے پیدا ہو جاتی ہے، پس شیطان جاہل تھا، اسی لئے اس نے اپنے آپ کو کسی حق کے بغیر بڑا سمجھا، اور جاہل ہی رہا، اگر دانا ہوتا تو تکبر نہ کرتا، بلکہ عاجزی سے اسمِ اعظم کے سامنے سر جھکاتا، جب اسمِ بزرگ (یعنی آدمؑ) سے شیطان نے دشمنی کی، تو پھر توبہ اور رجوع کیسے کر سکتا تھا۔

۳- حضرتِ آدمؑ کی خلافتِ عالیہ حضراتِ انبیا وائمّہ علیہم السّلام کے سلسلے میں تا قیامۃ القیامات جاری و باقی رہنے والی ہے، اسی وجہ سے فرشتوں نے شروع سے لے کر آخر تک ہر امکانی فساد وخونریزی کو آدم صفی اللہ سے منسوب کیا (۲:۳۰) ملائکہ نے ایسے واقعات کو اگلے آدموں کے ادوار میں دیکھ لیا تھا، اس فساد وخونریزی کا

ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ظاہر کو تو سب ہی جانتے ہیں، مگر باطن بڑا عجیب وغریب ہے، وہ اس طرح کہ جب ذکر وعبادت اور علم ومعرفت کے نتیجے میں کسی عالمِ شخصی میں ذاتی قیامت کا وقت آتا ہے، تو سب سے پہلے صورِ اسرافیل کی آواز پر لاتعداد وبے شمار یاجوج وماجوج (جو انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرّاتِ لطیف ہیں) آکر قریۂ ہستی میں فساد کرتے ہیں، یہ فساد برائے اصلاح ضروری ہے، اور یہی لشکر عالمِ شخصی ہی میں خون بہاتا ہے، یعنی شکوک وشبہات کا اِزالہ کرتا ہے، کیونکہ جس طرح خونِ گوسفند حرام ہے، اس لئے بذریعۂ ذبح اسے بہایا جاتا ہے، اسی طرح شک وشبہ حرام ہے، لہٰذا اسے دور کیا جاتا ہے، تاکہ مومن کی روحانی ترقّی ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قصّۂ آدمؑ کا طول یاجوج وماجوج کے خروج تک ہے، یا یہ مان لیا جائے کہ انبیا وائمّہ علیہم السّلام اپنے اپنے وقت کے آدم ہیں۔

۴- حضرتِ آدم علیہ السّلام کے بعد حضرتِ ہابیل علیہ السّلام کی معرفت لازمی ہے، اس مقصد کے لئے سورۂ مائدہ (۵: ۲۷-۳۲) میں خوب غور وفکر سے دیکھنا ہوگا، جس کا باطنی پہلو اور تاویلی مفہوم یوں ہے: اور اے رسولؐ آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کی خبر ''حق الیقین'' کے ذریعہ پڑھ کر سنائیے، جبکہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی، یعنی نارِ مقدّس (نورِ عشقِ الٰہی) نے حضرتِ ہابیل علیہ السّلام کی گوسپندِ نفس کو جلا کر نور بنالیا، پس آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے امام اور اسمِ اعظم ہوگئے، کیونکہ یہاں لفظِ ''قربان'' اور ''قبول'' آدمؑ اور وصیٔ آدمؑ کی مناسبت سے اپنے انتہائی اعلیٰ معنی دیتے ہیں، چنانچہ اس قرب وقبولیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہابیلؑ راہِ روحانیت پر منزل بمنزل چلتے گئے، تا آنکہ منزلِ فنا میں داخل ہوگئے، اور سُنّتِ الٰہی کے مطابق آپؑ میں خدائی

روح (نور) پھونک دی گئی، کیونکہ ظرفِ چراغ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، مگر نورِ ہدایت کبھی بجھتا نہیں۔

۵- قرآنی حکمت بڑی عجیب وغریب ہوا کرتی ہے، چنانچہ حضرت ہابیلؑ کی شہادتِ ظاہر اور شہادتِ روحانی کا تذکرہ ایک ساتھ ہے، کیونکہ اگر قرآنِ پاک میں ظاہری موضوعات اور تاریخی واقعات سے زیادہ کچھ نہ ہوتا، تو یہ قرآنِ حکیم نہ کہلاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے (۸۹:۱۶) پس حضرتِ ہابیل علیہ السّلام شہادت کے تمام مراتب سے گزر گئے، اور وہ پانچ ہیں:

(۱) منزلِ عزرائیلی

(۲) منزلِ صاعقہ (۲:۵۵)

(۳) منزلِ انبعاثِ اوّل (۲۷:۳۹)

(۴) منزلِ انبعاثِ دوم (۲۷:۴۰)

(۵) اور جسمانی شہادت

۶- اس کی وضاحت یوں ہے: سب سے پہلے یہ جاننا ہے کہ حضراتِ انبیا علیہم السّلام وغیرہ کے قرآنی قصّے نمونہ ہائے ہدایت اور قوانینِ رحمت کی حیثیت سے سب انسانوں کو قربِ خداوندی کی دعوت دیتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا، اور یہ پُرحکمت حکایات صرف پیغمبروں اور اماموں ہی کی ذواتِ مقدّسہ تک محدود ہوتیں، تو لوگوں سے بار بار نہ فرمایا جاتا کہ تم صراطِ مستقیم پر چلو، جو انبیا و اولیا کا راستہ ہے، جس پر چلنے والوں کو خدا اپنی خاص خاص نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے، اس روشن دلیل کے بعد ہماری گزارش یہ ہوگی کہ جسمانی موت سے قبل جو نفسانی موت اور عزرائیل کا عمل ہے، اس کے بارے میں اختلاف نہیں ہوسکتا، لیکن جہاں تک مجموعی موت کے تجزیے

کا تعلّق ہے، وہ البتہّ مشکل ہے، بہر حال مذکورۂ بالا منزلیں ہر مومنِ سالک کے لئے مقرر ہیں، جن کی مثالوں سے قرآنِ حکیم بھرا ہوا ہے، منزلِ عزرائیلی کی ایک مثال: عالمِ شخصی سے متعلّق نافرمان روحیں ثمود اور عاد کی طرح صورِ اسرافیل کی زوردار آواز اور عملِ عزرائیل سے ہلاک ہوجاتی ہیں (۶۹:۴-۷) منزلِ صاعقہ کی دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جن ستّر رجال کا انتخاب کیا تھا، وہ راہِ روحانیّت پر گامزن تھے، اسلئے اصولاً ان پر صاعقہ اور زلزلہ کی پُرحکمت موت واقع ہوئی (۲:۵۵؛ ۷:۱۵۵) انبعاثِ اوّل کا نمونہ: عفریت نے کوئی بڑی روح کھینچ کر حضرتِ سلیمان علیہ السّلام کے حضور پیش کردی، جو تختِ بلقیس کے نام سے مشہور ہے، انبعاثِ دوم کا اشارہ: یہی کام بارِ دوم اس شخص نے بھی کیا، جس کے پاس کتابِ روحانی کا علم تھا، مگر چشمِ زدن میں (۲۷:۴۰) اور آخر میں جسمانی موت ہے، جس کی دلیل وہ خود ہے۔

۷- سورۂ فرقان (۲۵:۳۰) کا یہ ارشادِ مبارک بہت زیادہ قابلِ توجہ اور زبردست حیرت انگیز ہے: اور (اس دن) رسولؐ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا (۲۵:۳۰) اس آیۂ کریمہ کا ایک دوسرا مستند ترجمہ یہ ہے: اور کہا رسولؐ نے اے ربّ میرے تحقیق میری قوم نے پکڑا ہے اس قرآن کو چھوڑا ہوا۔ یعنی پکڑا ہے صرف ظاہر کو اور چھوڑا ہے باطن کو، جو ذخائرِ حکمت سے مملو ہے۔

۸- ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ: جنّت میں تمہارے لئے ایک مکان مخصوص ہے اور تم اس اُمّت کے ذوالقرنین ہو (مفرداتُ القرآن، مادّہ: ق ر ن) خدا اور رسولؐ کے نزدیک کسی دنیاوی بادشاہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں، اس بناء پر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ذوالقرنین اپنے وقت میں امام تھے، اسی لئے مماثلت سے

مولاعلیؑ کی توصیف فرمائی گئی، کیونکہ آپؑ قیامت تک اس اُمّت کے امام ہیں، اور قرآنِ حکیم میں جو کچھ ذوالقرنین سے متعلّق ہے، وہ مضمونِ امامت میں شامل ہے۔

۹- لفظِ ''قَرْن'' قرآنِ حکیم میں مستعمل ہے، جس کے معنی ہیں ایک زمانہ کے لوگ، اور ذوالقرنین سے امامِ اقدس واطہر ہی مراد ہیں، جن کا تعلّق اہلِ زمانہ سے دوطرفہ ہے، یعنی ظاہر میں بھی، اور باطن میں بھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امامِ زمان علیہ السّلام کو زمینِ روحانیت میں قدرت عطا کردی ہے، اور ازل سے اس طرف پھر یہاں سے ازل کی جانب ہر چیز کا راستہ دیا ہے (۱۸:۸۴) پس ذوالقرنین عالمِ شخصی کے مراحل طے کرنے لگے (۱۸:۸۵) یہاں تک کہ جب آفتابِ نور کے مغرب میں پہنچے تو اس آفتاب کو چشمۂ گِل میں ڈوبتا ہوا پایا، یعنی عالمِ سفلی میں انسانِ کامل کی شخصیت میں، اور عالمِ علوی میں اسی کے چہرۂ نورانی میں، اور چشمہ اس معنیٰ میں کہ یہ مرتبہ اور اس کا فعل ہمیشہ جاری وساری ہے، اور انھوں نے یہاں ایک قوم دیکھی، یعنی وہ تمام لوگ جو شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اس مغرب میں رہتے ہیں ... (۱۸:۸۶)... پھر وہ وہاں سے بھی آگے گئے (۱۸:۸۹) یہاں تک کہ نورِ عقل یا نورِ ازل کے مشرق میں پہنچ گئے، جہاں ان کا عارفانہ سفر ختم ہوگیا، اور انھوں نے چشمِ باطن سے مشاہدہ کیا کہ خورشیدِ عقل اہلِ معرفت پر بے حجاب طلوع ہوتا رہتا تھا (۱۸:۹۰) ... پھر وہ وہاں سے واپس آئے (۱۸:۹۲) یہاں تک کہ بحیثیتِ امام وہ دو دیواروں کے درمیانی مقام میں پہنچ گئے، یعنی نورانی ہدایت کا وہ مرتبہ، جس میں امامِ عالی مقامؑ اپنا نورانی حجاب اور مرید کا ظلمانی حجاب اٹھا کر باطنی تعلّق پیدا کرتا ہے، تاکہ اولیائی کرامات ظہور پذیر ہوں۔

۱۰- سوال: ذوالقرنین پہلے مغرب میں پہنچ گئے، پھر مشرق میں، اور آخراً

یاجوج وماجوج کے مسئلہ سے دوچار ہوئے، اس ترتیب میں کیا حکمت ہے؟

جواب: مجموعی طور پر عالمِ عقل مشرق ہے، جو سفرِ باطن کی منزلِ آخرین ہے، جہاں سے آفتابِ نور طلوع ہو جاتا ہے، عالمِ شخصی مغرب ہے، جس میں خورشیدِ نور غروب ہو جاتا ہے، چنانچہ اس سفر میں مغرب پہلے آتا ہے، اور مشرق بعد میں، اور اگرچہ یاجوج وماجوج (ذرّاتِ روح) کا خروج شروع ہی میں ہوتا ہے، لیکن یہاں ان کا تذکرہ دوسروں کی نسبت سے آخر میں فرمایا گیا ہے، یعنی یہ واپسی اور تصرّف کی بات ہے۔

۱۱- سوال: اس کا کیا اشارہ ہو سکتا ہے کہ یاجوج وماجوج بات کو ذرا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے؟ اور وہ زمین میں فساد کیوں کرتے تھے؟

جواب: دنیائے ظاہر ہو، یا عالمِ شخصی، اس میں جو لوگ علم وحکمت کے بغیر کام کرتے ہیں، اور ہادیٔ برحق کی اطاعت نہیں کرتے، وہ حقیقت میں بات کو بالکل ہی نہیں سمجھتے، اور فساد کر رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں (۲:۱۱)۔

۱۲- سوال: ظاہری اور روحانی یاجوج وماجوج کے شر وفساد سے بچنے کے لئے سدِّ ذوالقرنین کس طرح بنایا جاتا ہے؟

جواب: ایسی عبادت وبندگی سے، جو کسی کاہلی کے بغیر بھرپور توجہ سے کی جاتی ہے، علم کی ایسی باتوں سے، جو لوہے کے ٹکڑوں کی طرح ٹھوس ہوں، ایسے پُرحکمت ذکر سے، جو آتشِ عشق بن کر ان تمام ٹکڑوں کو سرخ انگارا بنائے، اور ایسے علمِ توحید سے، جو ان تمام حقیقتوں کو ایک کر دے (۱۸:۹۵-۹۶)۔

۱۳- عالمِ عقل (عالمِ وحدت) میں جن لوگوں پر خورشیدِ نورِ ازل کسی حجاب

کے بغیر طلوع ہوجاتا ہے، وہ معرفت کے جملہ بھیدوں سے واقف و آگاہ ہوجاتے ہیں، یہی لوگ مقربین کہلاتے ہیں (۸۳:۲۱) اگر تنہا عالمِ وحدت ہی کا تصوّر کیا جائے، تو باور کرنا ہوگا کہ اس کا مشرق و مغرب ایک ہی ہے، اور یہی آفتابِ قیامت کا مغرب سے نکلنا ہے، یاد رہے کہ حضرت ذوالقرنین (یعنی امام) جیسے روحانی اور عرفانی طور پر مقامِ ازل تک پہنچ گئے، اور وہاں ایک قوم کو پایا، تو اس میں ہادیٔ برحق کی کامیاب ہدایت کا اشارہ ہے، آخر میں یہ حقیقت بھی دلنشین ہو کہ عالمِ وحدت میں لوگ منتشر نہیں ہوسکتے، بلکہ صرف ایک ہی شخص کی شکل میں مجتمع ہوجاتے ہیں، پس یقین کر لو کہ وہاں امامؑ ہی میں ایک ایسی قوم پوشیدہ تھی، جس کا ذکر ہو چکا۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

۲۲ / ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ

۲۴ / اکتوبر ۱۹۸۹ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

پیغمبرؐ اور امامؑ کی دعائے برکات

۱- سرورِ انبیا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پُرحکمت ارشاد کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام کا مجموعی مفہوم نصیحت یعنی خیر خواہی ہے (اَلدّینُ نصیحۃ ") اور خیر خواہی میں قلبی دعاؤں کے معنی موجود ہیں، اس سے ایک طرف تو دعاو خیر خواہی کی بہت بڑی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوا، اور دوسری جانب یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ دین کی کوئی چیز ایسی نہیں، جس میں دعا کے لئے کوئی ہدایت یا اشارت نہ ہو۔

۲- یہ بات اہلِ دانش کے نزدیک یقینِ کامل کا درجہ رکھتی ہے کہ حقیقی عبادت معرفت ہی کی روشنی میں ہوسکتی ہے، اور ایسے ہی خاص مقام پر دعا مغزِ عبادت ہوا کرتی ہے، تاہم مغزیات ایک جیسے نہیں ہوتے، اور نہ ہی سب دعائیں یکسان ہوتی ہیں، چنانچہ ہمیں ایک ایسی دعا کی شناخت اور طلب از حد ضروری ہے، جو تمام دعاؤں کی سردار اور جُملہ خیر خواہیوں کی روح کی حیثیت سے ہے، اور وہ پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور امامِ برحق علیہ السّلام کی بابرکت دعا ہے، اور اس میں اہلِ ایمان کو کُلّی یقین حاصل ہے کہ یہ پاک وپاکیزہ دعا بہت ہی جلد بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوجاتی ہے۔

۳- حضرتِ نوح علیہ السّلام نے سب سے پہلے اپنے حق میں دعائے مغفرت کی، پھر اپنے والدین کے حق میں، پھر ہر اس مومن کے لئے، جو آپؑ کے خانۂ نورانیت میں داخل ہو چکا تھا، اور آخر میں عام مومنین کے واسطے یہ دعا کی (۷۱:۲۸) آپؑ نے اوّل ذاتی طور پر حضرتِ ربّ سے طلبِ بخشش کی، کیونکہ یہ دعا کرنے کیلئے باطنی طہارت تھی، پھر اپنے عظیم والدین اور ہر درجہ کے مومنین کے حق میں دعا بہت

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ضروری ہوئی، اس مثال سے پیغمبرانہ دعا کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

۴- پیغمبروں کی مبارک دعاؤں کی فضیلت کے بارے میں کسی مومن کو کیا شک ہو سکتا ہے، لیکن جس طرح حضرتِ محمد مصطفٰےؐ، خاتمِ انبیا، محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شانِ رسالت بے مثال ہے، اسی طرح حضورِ انور و اطہرؐ کی دعائے پاک بھی نرالی ہے، جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے: ... وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ (۹:۱۰۳) اور ان کے واسطے دعائے خیر کرو کیونکہ تمہاری دعا ان لوگوں کے حق میں اطمینان (کا باعث) ہے (۹:۱۰۳) یاد رہے کہ قرآنِ پاک کے موضوعات اور الفاظ میں حکیمانہ ربط و رشتہ پوشیدہ ہے، لہٰذا سَكَنٌ کا تعلقِ اوّلین لفظِ سَكِينَةٌ سے ہے، جو قرآنِ کریم کے چھ مقامات پر موجود ہے، جس کا مفہوم ہے وہ جسمانی، روحانی، اور عقلانی سکون و اطمینان، جو ربِّ کریم کی طرف سے عطا ہو جاتا ہے، اور آپ کو یہ نکتۂ دلپذیر بھی یاد ہو کہ قرآنی الفاظ کے معانی سب کے سب قلمِ الٰہی (یعنی گوہرِ عقل) سے نازل ہوئے ہیں، اس لئے تمام تاویلات لوٹ کر مقامِ عقل پر مرکوز و مجموع ہو جاتی ہیں، پس آنحضرتؐ کی بابرکت دعا سے مومنین کو سکون (سَكَنٌ، ۹:۱۰۳) مل جانے کا اشارہ یہ ہے کہ اس کے حصول کا آخری درجہ گنجِ عقل ہے، جس میں انتہائی اعلیٰ مرتبت کی سکینت (تسکین) ہے، کیونکہ منزلِ آخرین (منزلِ مقصود) یہی ہے، جس میں مومن کو ساکن ہو جانا ہے۔

۵- حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ عالی صفات تمام جہانوں اور سارے زمانوں کے لئے مرکزِ رحمت ہے (۲۱:۱۰۷) اور دوسرے تمام انسانانِ کامل، یعنی انبیا و ائمّہ علیہم السّلام آپؐ کے نمائندے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر عالم خصوصاً عالمِ دین کو اس کے مرکز میں لپیٹ لیتا ہے، اور پھیلا دیتا ہے (۲:۲۴۵؛ ۲۱:۱۰۴)

چنانچہ رحمتِ عالمؐ کی دعائے برکات جس طرح آپؐ سے قبل کے پیغمبروں کے توسّط سے ملتی رہی تھی، اسی طرح بعد میں اماموں کے وسیلے سے ملتی آئی ہے، جیسے سورۂ انعام (۶:۲۰) میں ارشاد ہوا ہے: جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے (یعنی اہلِ کتاب کے عرفاء) وہ تو جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح اس نبی (محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو پہچانتے ہیں (۶:۲۰) یہ امرِ واقعی زمانۂ موسیٰؑ اور زمانۂ عیسیٰؑ کے عارفوں سے متعلّق ہے، جنھوں نے چشمِ باطن سے نور کو دیکھا اور پہچان لیا، اس مقام پر بڑی بڑی عنایات ہوا کرتی ہیں، مِن جُملہ یہ کہ نور نے عارفین سے فرمایا: ''میں تمہارا بیٹا ہوں، کیونکہ تم نے اپنے عالمِ شخصی میں مجھے جنم دیا، پس میں تمہارے لئے بیٹے کی طرح کام کروں گا۔'' جب نورِ محمدی تک عارفوں کی رسائی کا یہ عالم ہے، تو پھر انبیا وائمہ علیہم السّلام کے اس سے ہمیشہ واصل رہنے کی کیا شان ہوگی! اس روشن دلیل سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ امامِ زمانؑ کے توسّط سے رسول اللہؐ کی دعائے برکات اہلِ ایمان کو حاصل ہو جاتی ہے، اور یہ انتہائی عظیم سعادت ہے۔

۶- آپ سورۂ بقرہ (۲:۲۴۶-۲۵۱) میں حضرتِ طالوت علیہ السّلام (جو امام تھے) اور صندوقِ سکینت کا قصّہ حکمت کی روشنی میں پڑھ لیں، مگر اس میں یہ نکات خوب یاد رہیں کہ: بَعَثَ (اس نے زندہ کیا) میں انبعاث کا ذکر ہے، یعنی حضرتِ طالوتؑ روحانی موت کے تمام مراحل سے گزر کر حقیقی معنوں میں زندہ ہو گئے تھے، جس طرح انسانِ کامل کے لئے اللہ کا قانون ہے، اور مَلِک (بادشاہ) امام کو کہا جاتا ہے، جو عقلِ کُلّ کے علم اور نفسِ کُلّ کے جسمِ لطیف سے کائنات پر محیط ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ سورۂ یاسین (۳۶:۱۲) میں ہے: وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (۳۶:۱۲) الغرض حضرتِ طالوتؑ کی ہدایات، تعلیمات، اور دعائے برکات سے خاص خاص

مومنین کو صندوقِ سکینت حاصل آیا، جس میں اسرارِ الٰہی کے انمول جواہر بھرے ہوئے ہیں، اب ایسے میں کسی کو عقلی دولت کی ازلی وابدی تسکین واطمینان کیوں نہ ہو۔

۷- سورۂ قمر (۵:۵۴) میں جس شانِ عالی سے قرآنی حکمت کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، اس کے مجوب (بھید) کشف ہوجانے سے آپ بیحد مسرور و شادمان ہوجائیں گے، وہ صرف دو ہی لفظ ہیں: حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ، حکمتِ بالغہ، درجۂ انتہا کی حکمت، ایسی حکمت، جو ایک ساتھ ازل وابد کے تمام بھیدوں کو چھوتی رہتی ہے، کیونکہ لفظِ بالغہ (پہنچنے والی) بُلُوغ سے اسمِ فاعل ہے، اور اس حکمت کے پہنچنے کیلئے کوئی حد یا مقام چاہئے، جی ہاں، حد اور مقام ہے، اور وہ بہت سے ناموں اور مثالوں کے ساتھ ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ حکیم کی گہری دانائی کا نام حکمتِ بالغہ اس معنیٰ میں ہے کہ یہ نہ صرف خود ہی گنجِ ازل تک پہنچنے والی ہے، بلکہ وہ اس انتہائی اعلیٰ مقام تک ہر ایسے مومن کی رہنمائی بھی کرتی رہتی ہے، جس کو حکمت عطا ہوئی ہو۔

۸- برکت یا برکات قرآنِ حکیم کا ایک ایسا حکمت آگین لفظ ہے، جس کے غیر محدود معنی میں ان لاتعداد و بے شمار عقلی، روحانی، اور مادّی نعمتوں کا ذکر ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتیں، ہمیشہ ان کے سرچشمے مخلوقات کی طرف جاری وساری رہتے ہیں، کیونکہ ہر ایسا سرچشمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے، مثال کے طور پر سورج کو لیجئے کہ اس انتہائی عظیم سرچشمۂ نور سے مادّی برکتوں کی کتنی بڑی طوفانی لہریں کائنات میں پھیلتی رہتی ہیں، یہ تو ہوا آفتابِ عالمِ جسمانی، اب اس خورشیدِ انور کی بات کیجئے، جو ہمیشہ عالمِ روحانی میں عقل وجان کی تابناک برکتیں بکھیرتا رہتا ہے، وہ نورِ ہدایت اور سراجِ علم وحکمت ہے۔

۹- اگرچہ نبوّت آنحضرتؐ پر آکر ختم ہوئی، لیکن خلافت وامامت کا سلسلہ

جاری ہے، تاکہ نورِ ہدایت منشائے الٰہی کے مطابق ضروری امور کو انجام دیتا رہے، تاکہ دینِ حق میں کوئی تنگی (حرج ۲۲:۷۸) نہ ہو، دشواری نہ ہو، آسانی ہو (۹۴:۶) دینِ اسلام کی کمالیت اور نعمتِ خداوندی کی تمامیت میں کوئی کمی واقع نہ ہو جائے (۵:۳) تسکین بخش دعائے برکات ملتی رہے (۹:۱۰۳) اخذِ زکات اور علم و حکمت کے سکھانے سے مومنین کی روحانی اور عقلی پاکیزگی ہو (۹:۱۰۳؛ ۲:۱۲۹؛ ۲:۱۵۱) بیعت لی جائے (۴۸:۱۰) عبادت اسماءُالحسنٰی سے ہو (۷:۱۸۰) تاکہ یہ نورِ قرآن سے وابستہ ہو اور معلّمِ روحانی و نورانی کا کام انجام دیتا رہے (۵:۱۵) اور روزِ قیامت یہ عذرِ لنگ نہ ہو کہ رسولؐ کے بعد کوئی ہادی نہ تھا (۴:۱۶۵)۔

۱۰- اللہ تعالیٰ مومنین پر دُرود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی (جس میں علم و رحمت کی برکتیں ہوتی ہیں) تاکہ ان کو جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نکال کر علم و حکمت کے نور میں لے جائے (۳۳:۴۳) اس روشن ہدایت سے کسی شک کے بغیر درود کا اصل مقصد معلوم ہوا، اور وہ ہے عقل کے لئے علمِ الٰہی، اور روح کے لئے رحمتِ خداوندی، پس درود میں یہی دو معنی پوشیدہ ہیں، لیکن یہاں یہ سوال سامنے ہے کہ آیا یہ آسمانی درود رحمتِ عالمؐ کے توسّط سے بندوں پر نازل ہو جاتی ہے؟ یا براہِ راست؟ تو جواباً گزارش یوں ہے کہ جب ہم رسولِ اکرمؐ کی تعلیم کے مطابق کہا کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ علٰی محمّدٍ وّاٰلِ محمّدٍ، تو اس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ: "یا اللہ! وہ درود، جس کا تو نے ذکر فرمایا ہے (۳۳:۴۳) محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلے سے نازل فرما۔" چنانچہ پروردگارِ عالم اسی وسیلے سے اپنے بندوں پر درود نازل فرماتا ہے، یہی راز پیغمبرِ اکرمؐ اور امامِ زمانؑ کی دعائے برکات میں پنہان ہے، اور اسی معنٰی میں درود کی طرف پُرزور توجہ دلائی گئی ہے (یہاں زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے)۔

۱۱- اسمِ اعظم ہی سے اللہ کو پکارنے کا حکم تو قرآنِ عزیز میں موجود ہے (۷: ۱۸۰) لیکن کیا معلوم کہ ہم اس پر حقیقی معنوں میں عمل کر سکتے ہیں یا نہیں، اس لئے کیا یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت نہیں کہ اس کا زندہ اسمِ اعظم (امامِ زمانؑ) ہمارے حق میں دعائے خیر کرے؟ اس مثال سے (ان شاء اللہ) آپ بہت کچھ سمجھنے کے لئے کوشش کریں گے کہ مومنِ صادق کی سعادتِ دارین اسی میں ہے کہ وہ اپنے مولا و آقا کی خوشنودی اور دعائے برکات حاصل کرے، تاکہ اس سے خدا اور رسولؐ کی رضا حاصل ہو۔

۱۲- خدا کے نزدیک سب سے عظیم شی امرِ کُنْ (ہو جا) ہے، اور بندے کے پاس سب سے بڑی چیز دعا ہی ہے، امر اور دعا کے درمیان ایک عجیب و غریب قسم کا رشتہ پایا جاتا ہے، یہ رشتہ لفظ میں بھی ہے، معنی میں بھی، عشق میں بھی ہے، اور قبولیت میں بھی، اور اگر آپ کے حق میں اسمِ اعظم خود ہی دعائے برکات فرماتا ہے، تو پھر یہ رشتہ بدرجۂ انتہا مضبوط ہو جاتا ہے، پس اے مومنین! امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کی دعائے برکات کی اہمیت و فضیلت کو قرآنِ پاک ہی کی روشنی میں دیکھنا اور سمجھ لینا، تاکہ پروردگارِ عالم کے اس احسانِ عظیم پر آپ پگھلتے ہوئے شکر کر سکیں کہ اس مہربان نے آپ کو ظلِّ امامت میں رکھا، کائناتِ ظاہر و باطن خصوصاً سورج (یعنی امامؑ ۴۵: ۱۳) کو آپ کے کام میں لگا دیا، اور سب کچھ عطا کر دیا (۱۴: ۳۴؛ ۳۱: ۲۰؛ ۱۵: ۲۱) الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

بدھ یکم ربیع الثّانی ۱۴۱۰ھ

یکم نومبر ۱۹۸۹ء

امامِ عالیمقامؑ کے چند قرآنی نام

قسط:۱

۱- امام المتّقین (۷۴:۲۵): اور وہ لوگ جو ہم سے عرض کیا کرتے ہیں کہ پروردگارا ہمیں ہماری بیویوں سے اور ذرّیّت کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا (امام ۷۴:۲۵) بنا۔ یہ دعا حضراتِ ائمّہ علیہم السّلام ہی کے لئے مخصوص ہے، اور اس میں بزبانِ حکمت یہ فرمایا گیا ہے کہ سلسلۂ امامت زمانۂ آدمؑ سے شروع ہوا، اور قیامتِ قیامات تک جاری و باقی رہے گا، کیونکہ جب سے دین ہے، تب سے پرہیز گاروں کی بات چلتی ہے، قصۂ ہابیلؑ کو پڑھ لیں (۲۷:۵) اور یہاں یہ اشارہ بھی سمجھ لینا ہے کہ لفظِ ذرّیّت کا تعلّق نہ صرف مستقبل ہی سے ہے، بلکہ اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ حال کا امام کس طرح ماضی میں بھی امام ہوا کرتا ہے، پس یہی وجہ ہے، جو آیۂ اِصطفاء (۳:۳۳-۳۴) میں ارشاد ہوا کہ انبیا علیہم السّلام ایک دوسرے کی ذرّیّت ہوا کرتے ہیں، مثال ملاحظہ ہو:

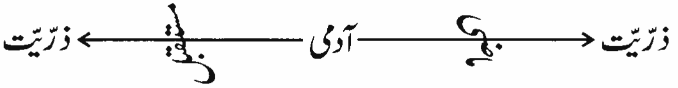

۲- اہلِ ذکر (۴۳:۱۶): ذکر سے حضرتِ رسولؐ مراد ہیں (۶۵:۱۰-۱۱) ذکر قرآنِ پاک بھی ہے (۱۵:۹) ذکر اسمِ اعظم بھی ہے (۷:۱۸۰) ذکر نصیحت بھی ہے، اور یاد کرنا بھی، چنانچہ اہلِ ذکر سے ائمّۂ طاہرین علیہم السّلام ہی مراد ہیں، جو اہلِ بیتِ رسول

صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں جن کے پاس قرآن کی روحانیت اوراسمِ اکبر پوشیدہ ہے، اور یہی حضرات لوگوں کیلئے سرچشمۂ ہدایت ونصیحت اور یادو تذکرہ کا وسیلہ ہیں، پس انہی تمام معنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: (اے رسولؐ) تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا بنا کر بھیجا کئے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے تو (تم لوگوں سے کہو) اگرتم خودنہیں جانتے ہوتو اہلِ ذکر (اہلِ بیتِ رسولؐ/ امامؑ) سے پوچھو(کیونکہ یہ حضرات شروع ہی سے اپنی نورانیت میں نورِ نبوّت سے وابستہ رہتے آئے ہیں)اور عالمِ شخصی میں ہر عارف کے لئے معرفت کا ذریعہ تجدّدِ امثال ہے۔

۳- نفسِ رسولؐ (۳:۶۱): آپ واقعۂ مُباہلہ کے بارے میں درست معلومات رکھتے ہوں گے، چنانچہ نفسِ رسولؐ سے مولاعلیؑ مراد ہیں، آپ اس آیۂ مکرّمہ میں دیکھ رہے ہیں کہ علیؑ پیغمبرؐ کی جان ہیں، کیونکہ "نفس" عربی میں جان کو کہتے ہیں، لیکن یہاں یہ پُرمغز نکتہ بھی سامنے آیا ہے کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سراپا نور تھے، تو پھر کس طرح کوئی عام ومعمولی شخصیت حضورؐ کی جان ہوسکتی تھی، جبکہ اس کا اشارہ محبوبیت و وحدت کی طرف ہے، چنانچہ یہاں "نفس" نور کے معنی میں ہے، جیسے کہا جاتا ہے: نفسِ مطمئنۃ، نفسِ واحدہ، نفسِ کُلّی، وغیرہ، یہ نور ہی ہوتا ہے، پس یہاں نورِ نبوّت اورنورِ امامت کی وحدت کا اشارہ ہے۔

۴- اصحابِ اعراف (۷:۴۶): اعراف اس مقامِ عالی کا نام ہے، جہاں معرفتیں جمع ہوجاتی ہیں، یہ عالمِ شخصی میں امامِ برحق علیہ السّلام کا مرتبۂ عقلی ہے، جہاں وہ سب کو چہروں سے پہچانتے ہیں، اشارہ ہے کہ ہر قسم کی معرفت کا تعلّق چہرے سے ہے، اور انتہائی اعلیٰ معرفت کا تعلّق بھی۔

۵- یوم الآخر (۲:۴): چھ ناطق جو صاحبانِ شریعت ہیں، خدا کے چھ دن ہیں، اور حضرتِ قائمؑ ساتواں دن یعنی سنیچر ہے، جو یوم الآخر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: الٓمّٓ (نورِ امامت، جو کتابِ ناطق ہے ۲۳:۶۲) وہ ایسی کتاب ہے کہ اس میں شک نہیں (یقین ہی یقین ہے) وہ پرہیزگاروں کی رہنما ہے، جو مشاہدۂ روحانیت سے عالمِ روحانی پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں (یعنی دعوتِ حق کا کام انجام دیتے ہیں) اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے، اسی سے خرچ کرتے ہیں (یعنی وہ روحانی علم کی تعلیم دیتے ہیں) یہ وہ لوگ ہیں جو (دیدہ و دانستہ) اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ پر نازل کی گئی ہے، اور اس چیز پر بھی جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہے، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یعنی ان کو حضرتِ قائمؑ کی روحانی اور عقلی معرفت حاصل ہوئی ہے، اور اسی کی بدولت یہ سب کچھ ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا، یاد رہے کہ یقین کا سرچشمہ حضرتِ قائم القیامت علینا سلامہ ہیں، اسی لئے ارشاد ہوا: وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۲:۴) پس یہاں یہ قاعدہ خوب دلنشین کر لینا ہے کہ قرآنِ حکیم میں جتنے قیامت کے نام آئے ہیں، وہ حضرتِ قائمؑ کے اسماء و القاب ہیں۔

۶- کوثر (۱۰۸:۱): کوثر کے معنی ہیں خیرِ کثیر اور مردِ کثیر الذّریہ، جس سے حضرتِ امیر المومنین علیؑ مراد ہیں، حوضِ آبِ کوثر بھی بصورتِ قائم القیامت مولا علیؑ ہیں، اور آبِ کوثر کے ساقی بھی، کوثر کتابِ مکنون کا علم ہے، یہ سب حکمت اور خیرِ کثیر ہے۔

۷- مؤمنون (۹:۱۰۵): ایمان کے شروع سے لے کر آخر تک مختلف درجات ہوا کرتے ہیں، چنانچہ ہر امیر المومنین (امامؑ) ایمان کے درجۂ کمال پر

ہوتا ہے، اور اسی معنیٰ میں اَئمّہ ٔطاہرینؑ کا ایک لقب مومنون ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: اور (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ ابھی تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومنین (یعنی اَئمّہ) تمہارے کاموں کو دیکھیں گے (۹:۱۰۵) اس حکم سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ اللہ اور پیغمبرؐ کے بعد حضراتِ اَئمّہ اعمالِ خلائق کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے کہ خدا نے ان کو لوگوں پر گواہ بنایا ہے (۱۱:۱۷؛ ۵۰:۲۱) اور یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن اہلِ زمانہ کو ان کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا (۱۷:۷۱)۔

۸- شاہد (۱۱:۱۷) شہید (۵۰:۲۱) شُہداء (۲:۱۴۳): جہاں خدائے پاک خود اور فرشتے توحید اور معبودیت کی گواہی دیتے ہیں، وہاں علم والے (اولوا العلم ۳:۱۸) بھی یہ شہادت دیتے ہیں، یہ علم والے کون ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعد فرشتۂ قلم، فرشتۂ لوح، حاملانِ عرش، عزرائیل، اسرافیل، میکائیل، اور جبرائیل جیسے عظیم فرشتوں کے ساتھ ایسی عقلی و عرفانی بلندی کی گواہی دیتے ہیں؟ کیا دیکھے اور پہچانے بغیر کوئی گواہی درست ہو سکتی ہے؟ نہیں نہیں، یہ حضرات جو علمِ توحید اور خدا شناسی کی چوٹی پر پہنچ چکے ہیں، انبیا و اَئمّہ علیہم السّلام ہیں، جو عدل و انصاف پر قائم ہیں (۳:۱۸)۔

۹- وارثِ قرآن (۳۵:۳۲): سورۂ فاطر میں فرمایا گیا ہے: پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے خاص ان کو کتاب (قرآن) کا وارث بنایا جنھیں (اہلیت دے کر) منتخب کیا تھا (۳۵:۳۲) یہ حضراتِ اَئمّۂ ہُدا علیہم السّلام ہی ہیں، جو قرآنِ حکیم کے خازن ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآنِ مجید کی روح و روحانیت

(۱۵:۵) اور نور و نورانیت (۴۲: ۵۲) امامِ زمان صلوات اللہ علیہ میں ہے، اور اسی معنیٰ میں آپؑ قرآنِ ناطق ہیں (۴۵: ۲۹) الحمد للہ۔

۱۰- اُمّ الکتاب، کتاب (۴۳: ۴؛ ۷۸: ۲۹) :

اُمّ الکتاب سے اساس مراد ہیں اور کتاب امام ہیں، کیونکہ نورِ محمد مصطفیٰؐ قلم ہیں، اور نورِ علیؑ مرتضیٰؑ لوحِ محفوظ، اور یہی اُمّ الکتاب بھی ہے، پس قرآن جہاں اس زندہ اور نورانی اُمّ الکتاب میں ہے، وہاں وہ بڑا عالی اور پُراز حکمت ہے (۴۳: ۴) اور اسی لوحِ محفوظ میں قرآنِ مجید محفوظ ہے (۸۵: ۲۱-۲۲) چونکہ حضرتِ علیؑ کے بعد کا ہر امام بھی یہی نور ہے، اس لئے فرمایا گیا: وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ کِتٰبًا (۷۸: ۲۹) اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں محدود کر رکھا ہے، یہ اشارہ ہے خدا کے اس فعل کی طرف، جس سے وہ قادرِ مطلق پوری کائنات کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ لیتا ہے، اور یہ کام اللہ تعالیٰ امامِ زمان علیہ السّلام کی مبارک ہستی میں کرتا ہے، اسی لئے ارشاد ہوا: وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (۳۶: ۱۲)۔

۱۱- مثیلِ ہارونؑ (۲۰: ۲۹-۳۴) :

قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلّم لِعلی: اَنتَ مِنّی بمنزلة هَارُون مِنۡ موسٰی (اخرجه المسلم وغیرہ) جنابِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جنابِ امیرؑ سے ارشاد فرمایا کہ تم مجھ سے بمنزلۂ ہارون کے ہو موسیٰ سے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرتِ امیر المومنین علیؑ مثیلِ ہارونؑ ہیں، اور حضرتِ ہارون علیہ السّلام کے جو جو فضائل قرآن میں بیان ہوئے ہیں، وہ سب کے سب بجز نبوّت کے مولا علی علیہ السّلام میں بھی ہیں، یہ حدیثِ شریف بطریقِ حکمت قصّہ ہارونؑ کی تمام حکمتوں کو موضوعِ امامت میں شامل کر دیتی

ہے، یقیناً اس لئے کہ مولانا ہارون علیہ السّلام امامِ اساس تھے، جیسے مولا علی صلوات اللہ علیہ امامِ اساس ہیں۔

۱۲- بابِ حِطّہ (۲:۵۸): کوکبِ دُرّی، ارجح المطالب، وغیرہ میں

مذکور ہے کہ حضرتِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: عَلِیّ" بابُ حِطَّةٍ . . . علیؑ توبہ اور استغفار کا دروازہ ہے . . . ۔ یہاں میں بصد عاجزی یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن و حدیث کا قانونِ حکمت ایسا ہے کہ ہر ممثول کی کئی مثالیں ہوا کرتی ہیں، جیسے مولا علیؑ کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال دروازہ ہے، یعنی بابِ علمِ نبیؐ، بابِ حکمتِ پیغمبرؐ، دروازۂ توبہ، بابِ سماء (۷:۴۰) درِ بہشت، وغیرہ۔

۱۳- مَلِک (بادشاہ ۲:۲۴۷): آپ قرآنِ حکیم میں قصۂ طالوتؑ

(۲:۲۴۶-۲۵۱) کو گہرائی سے پڑھ لیں، پھر ان مسائل کو حل کریں:

مسئلہ الف: بنی اسرائیل کے یہ سردار دینی تھے؟ یا دنیوی؟

مسئلہ ب: ان سرداروں نے خود ہی جہاد کا اہتمام کیوں نہیں کیا؟

مسئلہ ج: ان کی درخواست پر خدا اور پیغمبر نے جب طالوتؑ کو بادشاہ بنایا، تو اسے کوئی بڑی سے بڑی طاقتِ روحانی بھی عطا کی گئی؟ یا نہیں؟

مسئلہ د: جو شخص اللہ تعالیٰ اور نبی کی طرف سے بادشاہ مقرّر ہوا ہو، وہ دینی بادشاہ کہلائے گا؟ یا دنیوی؟

مسئلہ ہ: اگر دین میں ایسے بادشاہ کی ضرورت ہے کہ اس کو صرف خدا اور پیغمبر ہی منتخب کر سکتے ہیں، تو پھر زمانۂ نبوّت میں ایسا پسندیدہ شخص کون تھا؟ جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے بادشاہت دی ہو؟ جوابِ جامع: علیؑ۔

مسئلہ و: اس حقیقت پر قرآن کی کیا دلیل ہے؟ جواب ملاحظہ ہو:-

دلیلِ اوّل: اللہ تعالیٰ نے آلِ ابراہیمؑ اور آلِ محمدؐ کو دوسری بڑی بڑی نعمتوں کے ساتھ عظیم سلطنت بھی عطا کر دی ہے، جب تک دنیا میں قرآن باقی ہے، تب تک یہ بادشاہی (۵۴:۴) جاری ہے۔

دلیلِ دوم: دنیا ہو یا دین، حکم اور امر سے کوئی بڑی چیز نہیں، کیونکہ ہر بادشاہی اور حکومت کا قیام اسی پر ہے، چنانچہ پروردگارِ عالم اور رسولِ اکرمؐ نے پاک اماموں کو اولوالامر کا درجہ عطا کر کے لوگوں پر پادشاہ بنا دیا (۵۹:۴) تا کہ لوگ حقیقی اطاعت و محبت کے ذریعہ ان میں فنا ہو کر پادشاہ ہو سکیں، جس کا وعدہ قرآن و حدیث میں موجود ہے۔

نصیر الدین نصیؔر ہونزائی

کراچی

منگل ۷ر ربیع الثّانی ۱۴۱۰ھ

۷ر نومبر ۱۹۸۹ء

اصحابِ کہف کی عظیم حکمتیں

۱- اہلِ ایمان ہمیشہ اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآنی قصّے دنیا کے قصّوں سے قطعاً مختلف اور الگ ہیں، کیونکہ قرآنِ پاک کی ہر آیت علم وحکمت اور باطنی تاویل کے گرانمایہ موتیوں سے لبریز ہے، لہٰذا ہوشمند مومنین کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ بقدرِ امکان قرآنِ حکیم کے قصّوں کی تاویلی حکمتوں کے لئے ساعی رہیں، تاکہ نورِ قرآن اور روحِ اسلام کی معرفت حاصل ہو۔

۲- اصحابِ کہف (۹:۱۸): صاحبانِ تقیہ اور اہلِ باطن، جو اسمِ اعظم اور مخفی عبادت سے منسلک ہوا کرتے ہیں، ان حضرات کی راہِ روحانیت میں تین غار واقع ہیں:

اوّل: غارِ طریقت

دوم: غارِ حقیقت

سوم: غارِ معرفت

یہ مراحل علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین بھی کہلاتے ہیں، چنانچہ ہر قسم کی فرمانبرداری اور یقینی علم سے آراستہ ہو کر حلقۂ کارِ بزرگ میں شامل ہو جانا گویا غارِ اوّل میں چھپ جانا ہے، اگر اس سلسلے میں کسی خوش بخت مومن پر روحانیت کا دروازہ کھل جاتا ہے، تو وہ یقیناً دوسرے غار میں داخل ہو جاتا ہے، اور تیسرا غار انتہائی بلندی پر ہونے کی وجہ سے بہت مشکل ہے، کیونکہ وہ انبیا وائمّہ علیہم السّلام کا غار ہے، تاہم

ناممکن نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے نورِ ہدایت موجود ہے، غارِ سوم کہفِ عقلانیت ہے (یعنی د۔م) پس حقیقی معنوں میں اصحابِ کہف وہ حضرات ہیں، جو غارِ عقل میں پوشیدہ ہیں، آپ سورۂ نحل (۸۱:۱۶) میں وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الۡجِبَالِ اَكۡنَانًا کو دیکھ لیں، جس میں عوالمِ شخصی کے عقلی غاروں کا اشارہ ہے۔

۳- رقیم (۹:۱۸) کیا ہے؟: رقیم کے لفظی معنی ہیں: نوشتہ، کتبہ، یہاں اس سے وہ روحانی تحریر مراد ہے، جو مشاہداتِ باطن اور روحانیت کے عجائب و غرائب کے سلسلے میں سامنے آتی ہے، یہ رقیم منازلِ روح میں بھی ہے، اور مراحلِ عقل میں بھی، اور دنیائے عقل میں جو کوہِ قاف ہے، جو قرطاسِ نور کی طرح صاف و شفاف ہے، اس پر رقیم ایسے نورانی الفاظ میں ہے کہ ہر لفظ کے آخر میں ق (قاف) موجود ہے، شاید اس مقام کا نام اسی وجہ سے کوہِ قاف ہوا ہو، یہاں یہ بات بھی خاطر نشین کر لیں کہ سب سے اعلیٰ رقیم کلمۂ باری ہی ہے، کیونکہ اصحابِ کہف اور رقیم آیاتِ قدرت و حکمت میں سے ہیں۔

۴- چند جوانوں کا غار میں جا بیٹھنا (۱۰:۱۸): ایسے باصلاحیت اور عالی ہمّت مومنین کا باذنِ امامِ زمان صلوات اللہ علیہ خصوصی عبادت، ذکر، اور روحانیت کی طرف رجوع کرنا، جو نہ صرف جسمانی طور پر جوان ہو چکے ہیں، بلکہ بندگی اور دینی شعور کے اعتبار سے بھی ان کا عنفوانِ شباب ہے، کیونکہ روحانیّت کا کوئی وجود ہی نہیں بنتا، اِلّا نفسِ جوانی کی خواہشات کو کچل دینے سے، اور یہی سبب ہے کہ بقولِ قرآن کامل انسانوں کو جوانی ہی میں روحانی اور عقلی دولت سے مالا مال کیا جاتا ہے۔

۵- رحمتِ لَدُنّی اور رُشد و ہدایت کی درخواست (۱۸:۱۰):

انھوں نے رحمتِ لدنّی (وہ ربّانی رحمت جو خاص ہے) کیلئے دعا کی، اور رشد و ہدایت کے طلب گار ہوئے، تاکہ دین و دنیا کی کامیابی حاصل ہو، اس دعا کی حکمت سے ظاہر ہے کہ اصحابِ کہف کو لوگوں کے ساتھ رہنا ہے، اور میدانِ آزمائش سے بھاگ کر کہیں ہمیشہ کے لئے چھپ جانا مقصود نہیں۔

۶- کانوں پر ضرب لگ جانا (۱۸:۱۱): اس کا مطلب ہے:

ذکر و عبادت میں معجزانہ یکسوئی، وسوسے کا خاتمہ، اور قیامت خیز روحانی ترقی کا آغاز، جس میں عالمِ خواب کی طرح دنیا سے بیخبری اور لاتعلّقی پائی جاتی ہے، کیونکہ صورِ اسرافیل میں ایک طرف شدّت کی غایت ہے، اور دوسری طرف شیرینی کی انتہا، تو ایسے میں یہ حالت ایک نیند جیسی ہے، جس میں آدمی دنیائے ظاہر سے کسی حد تک یا بڑی حد تک منقطع ہو جاتا ہے، تاکہ محویت و فنائیت حاصل ہو۔

۷- خدا نے ان کو زندہ کیا (۱۸:۱۲): (ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ) پھر ہم نے

ان کو زندہ کیا، یہ منزلِ عزرائیلی کا تذکرہ ہے، جس میں جیتے جی قبضِ روح پھر حیاتِ نو کا معجزہ ہے، تاکہ یہ واضح ہو کہ اہلِ ظاہر اور اہلِ تائید کے دو گروہ میں سے کون ایسا ہے جو ان کے غار میں ٹھہر جانے کی مدت کا درست اندازہ کر سکتا ہو، اشارہ یہ ہے کہ اس مقام پر وقت کم سے کم بھی ہو سکتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ بھی، کیونکہ روحانیّت میں دستِ قدرت زمانے کو جتنا چاہے لپیٹ سکتا ہے، اور جیسے چاہے پھیلا سکتا ہے، اور خدا بے شمار چیزوں کو کسی چھوٹے عدد میں بھی گھیر سکتا ہے۔

۸- مرتبۂ حق الیقین (۱۸: ۱۳): یہ قصّہ روحانیت کی انتہائی بلندی تک پہنچ جاتا ہے، جہاں حق الیقین ہے، کہ غار والے جوانی ہی میں ایمان اور ہدایت کی دولت سے مالامال ہو گئے تھے، اور جب ان کی ذاتی قیامت برپا ہو رہی تھی (اِذْ قَامُوْا ۱۸: ۱۴) تو خدا نے ان کو صبر و ثبات عطا فرمایا، کیونکہ یہ آزمائش کوئی آسان واقعہ ہے نہیں، پھر ان کو توحید و معرفت کے اسرار کا علم ہوا (۱۸: ۱۴) اب وہ غارِ روحانیت سے غارِ عقلانیت میں منتقل ہو گئے، جہاں وہ اپنے ربّ سے کُلّ کائنات کی حد تک وسیع رحمت (یعنی نفسِ کُلّ کے دیدار اور ساعتِ امر) کی لازوال عنایت حاصل کر سکتے تھے (۱۸: ۱۶) یعنی ایک ذاتی کائنات اور اس کی بادشاہی مطلوب تھی۔

۹- منزلِ مقصود اور آفتابِ عقل کا طلوع (۱۸: ۱۷): اے سالک تو خورشیدِ عقل کو دیکھتا ہے کہ جب طلوع ہو جائے تو ان کے غار سے داہنی طرف جھک کے نکل جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے اور وہ لوگ غار کے اندر ایک وسیع جگہ میں ہیں (۱۸: ۱۷) آپ اس حکمت کو سمجھنے کے لئے سورۂ حدید (۵۷: ۱۲) اور سورۂ تحریم (۶۶: ۸) میں تذکرۂ نورِ مومنین کو بھی دیکھ لیں، اور یہ امر ضروری ہے، چنانچہ غار والے مکان و زمان کی بے پناہ مسافتوں سے بالاتر ہو کر لامکان ولازمان ہو گئے، اس حال میں اسرارِ ازل و ابد کا یکجا مطالعہ ہوا، تاہم اس پر غور و فکر کا عمل ایک طویل سلسلہ تھا۔

۱۰- صبحِ ازل اور شامِ ابد (۱۸: ۱۷): جب غارِ عقل والوں پر سورج (نورالانوار) طلوع ہوا، تو یہ صبحِ ازل تھی، اور جیسے ہی غروب ہوا، تو شامِ ابد

ہوئی، اسی طرح وہاں لاتعداد ازلیں اور ابدیں دیکھنے میں آئیں، پس ازل الآزال اور ابدالآباد کہیں بھی نظر نہیں آتی تھیں، شاید یہ دونوں لفظ لا ابتدائی اور لا انتہائی کے معنی میں تھے، اس مقام پر طلوع و غروب کے بہت سے اشارے ہیں، مثال کے طور پر نقشِ ذیل کو دیکھیں:

تجدّدِ ازل

طلوع	غروب	طلوع	غروب
ازل	ابد	تنزیل	تأویل
عقلِ کُلّ	نفسِ کُلّ	قلم	لوح
ناطق	اساس	خلق	امر
روز	شب	عرش	کرسی
اوّل	آخر	آدم	حوّا
ظاہر	باطن	آسمان	زمین
نور	ظلمت	فَتق (۳۰:۲۱)	رَتق (۳۰:۲۱)
بقا	فنا	کُلّ شی (۱۲:۳۶)	اِحصا (۱۲:۳۶)
کتاب	حکمت	یدُ اللہ	وجہُ اللہ
کثرت	وحدت	بسط	قبض

۱۱- دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری (۱۸:۱۸):

اے سالک تو ان کو بیدار سمجھتا ہے حالانکہ وہ خوابیدہ ہیں، یعنی آئندہ شعور کے مقابلے میں

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

موجودہ شعور خواب کی طرح ہے، خدا ان کو کبھی ظاہر (یمین) کی طرف اور کبھی باطن (شمال) کی طرف پھیرتا رہتا ہے، اور ان کا کتّا اپنے آگے کے دونوں پاؤں پھیلائے چوکھٹ پر بیٹھا ہے (یعنی وہ شخص جو غار والوں سے وابستہ ہوا تھا ۔ ۔ ۔ ۔) اے سالک اگر تو غارِ عقل یا غارِ روح میں جھانک کر ان کو دیکھے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو اور تیری پوری ہستی میں ان کا رعب چھا جائے (۱۸:۱۸) کیونکہ بتقاضائے حکمت روحانیّت کا ایک پہلو خوف کا ہے اور دوسرا امن کا۔

۱۲- غارِ عقل میں انبعاث (۱۸:۱۹): اب ان کا عقلی اور عرفانی انبعاث ہو جاتا ہے، اور وہ حقیقی معنوں میں زندہ ہو جاتے ہیں، تاکہ انھیں ہر گونہ معرفت حاصل ہو، اور ان کے آپس میں سوال و جواب ہوا کرے ۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کو سِکّۂ علمِ روحانی (وَرِق) کے ساتھ شہر کی طرف بھیجا، تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ کونسا شخص یا اشخاص اس علم کی پذیرائی کے لئے پاک فطرت ہیں (اَزْکٰی طَعَامًا) ساتھ ہی ساتھ انھیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے، کیونکہ اگر لوگوں کو دعوتِ حق کا پتا چلا، تو حسد و دشمنی سے مسائل کی سنگ باری کریں گے یا اپنا ہی نظریہ مسلّط کر دیں گے (۱۸:۲۰) تاہم اس بھید کے ظاہر ہونے میں بھی عظیم حکمت تھی، وہ یہ کہ غار والوں میں قیامت کی مثال موجود ہے، پس جو لوگ اصحابِ کہف کی عظمت و بزرگی کے قائل ہو گئے، ان کے درمیان یہ بحث ہونے لگی، کہ غار پر بطورِ یادگار کوئی عام عمارت بنائیں؟ یا مسجد؟ یہ اشارہ ہے کہ ان کو کس درجے میں مانیں؟ ذیلی حدود؟ یا امام؟ لیکن زیادہ زور اور وزن اُن دلائل میں تھا، جو اس قصّے کی اصلیت و روحانیت امامِ عالیمقام سے متعلّق ہونے کے بارے میں تھے، لہٰذا یہ مانا گیا کہ اس حکایت میں بھی

امامؑ ہی کے اسرار پوشیدہ ہیں، جس طرح قصّۂ ذوالقرنین میں امام ہی کا تذکرہ ہے، پس مسجد امام علیہ السّلام کی مثال ہے، کیونکہ آپؑ خدا کا گھر ہیں۔

۱۳- غار والے کتنے تھے (۱۸:۲۲)؟: اصحابِ کہف کی وہی تعداد بالکل درست ہے، جو رَجماً بِالغَیبِ کے بعد ہے، یعنی وہ سات ہیں، اوران کا آٹھواں کتّا ہے، یہ امامِ وقتؑ کے سات باطنی درجات ہیں، جو روحانیت کے سات آسمان ہیں، اور سگِ اصحابِ کہف ہر وہ مومن ہے، جو امامِ برحق کی پیروی، محبت، خدمت، اور وفاداری میں طرح طرح کی ذلتیں برداشت کرتا ہے، اور ہمیشہ درِاقدس سے وابستہ رہتا ہے، تا آنکہ یہ کتّا بحکمِ قرآن اپنے آقا میں فنا ہو کر خود کو اصل سے واصل پاتا ہے۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی
کراچی
۱۲ربیع الثّانی ۱۴۱۰ھ
اتوار۱۲رنومبر ۱۹۸۹ء

معرفتِ آیات ومعجزات

۱- انسان کا روحانی عروج وارتقا (۹۵:۴-۵): سورۂ تین (۹۵:۱-۸) کی دعوتِ فکر یہ ہے کہ ہر دانشمند اس بات پر غور کرے کہ انسان کی روحانی اور عقلی ترقّی کا درجۂ کمال کیا ہے؟ یعنی آدمی مراحلِ ارتقا کے سفر میں بالآخر کس بلندی کو چھو سکتا ہے؟ اور اگر اس کو پھیر دیا جاتا ہے، تو کس پستی تک؟ چنانچہ ترجمہ وتفسیر کو دیکھنے کے بعد تاویلی حکمت بھی ملاحظہ ہو: قَسم ہے عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطق، اور اساس کی (وجہِ دین، گفتار نمبر ۱۱) کہ ہم نے انسان کو بہترین تقویم پر پیدا کیا (تقویم: سیدھا کرنا، قائم کرنا، بلند کرنا) یعنی اسے انتہائی عروج کا درجہ دیا، پھر ہم نے اسے پست ترین حالت میں پھیر دیا، مگر جو لوگ کماحقّہ ایمان لائے اور حقیقی معنوں میں اچھے کام کرتے رہے ان کے لئے تو کبھی ختم نہ ہونے والا اجر وثواب ہے (۹۵:۱-۶) خدائے بزرگ وبرتر کی اس پُرحکمت قَسم کا ایک بڑا مقصد بھی ہے، اور ایک خاص مناسبت بھی، مقصد امکانی عروج وارتقا کی طرف بھرپور توجہ دلانا ہے، اور مناسبت یہ ہے کہ روحانی اور عقلی ترقّی کا انحصار چار اصل کی معرفت پر ہے، اور وہ عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، ناطق، اور اساس ہیں۔

۲- معرفت کا روشن ثبوت (۲۷:۹۳): سورۂ نمل بھی روحانی اور قرآنی عجائب وغرائب کی ایک کائنات ہے، وہ اپنی تمام آیات میں پھیلی ہوئی ہے، مگر آخری آیت میں بطورِ خلاصہ ولُبِّ لُباب لپیٹی ہوئی ہے، وہ ارشاد یہ ہے: اور تم کہہ

دو کہ الحمدللہ وہ عنقریب تمھیں اپنی آیات (معجزات) دکھا دے گا تو تم انھیں پہچان لو گے اور جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے (۹۳:۲۷) سب سے بلند ترین آیات عالمِ علوی میں ہیں، جیسے کلمۂ باری (کُنْ = ہو جا) قلم، لوح، عرش، کرسی، وغیرہ، لیکن مشاہدہ اور معرفت سے کسی عظیم چیز کو مستثنا رکھے بغیر خدائی حکم ہوا کہ تم نیک عمل کرتے رہو جیسا کہ چاہئے، ہم تمھیں آفاق وانفس میں اپنی آیات دکھاتے رہیں گے، یہاں تک کہ تم کو حق الیقین کی معرفت حاصل ہو (۵۳:۴۱)۔

۳- کلمۂ "کُنْ" کی معرفت: آیاتِ کُبریٰ میں سب سے پہلے امرِ کُلّ ہے، یعنی فرمانِ الٰہی، جو کُنْ سے عبارت ہے، یہ اصل کلمہ کے بے شمار مفہومات میں سے ایک مفہوم ہے، چونکہ زبانوں کا اختلاف بھی آیاتِ قدرت میں سے ہے (۲۲:۳۰) لہٰذا یہ کہنا حقیقت ہے کہ ہر زبان میں بحدِّ فعل یا بحدِّ قوت کلمۂ کُنْ موجود ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بھی اللہ نے کوئی پیغمبر بھیجا تو خدا اس سے اس کی قوم کی زبان میں باتیں کرتا تھا (۴:۱۴) اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا بدرجۂ اعلیٰ کلام کرنا کلمۂ "امر" میں ہے، پس اس سے ظاہر ہوا کہ کلمۂ کُنْ اور اس کی ترجمانی ہر زبان میں ہے، کیونکہ وہی تمام الفاظ و معانی کا سرچشمہ اور مرکز ہے، جس طرح ہمیشہ سُنّتِ الٰہی یہی رہی ہے کہ ایک آدم کی پشت سے سارے آدمی دنیا میں پھیل جاتے ہیں، اور پھر دوسرے آدم میں ملفوف و مجموع ہو جاتے ہیں، اسی طرح عالمِ شخصی کے تجدّدِ امثال میں ساری باتیں کُنْ سے منتشر ہو جاتی ہیں، اور کُنْ ہی میں سِمٹ جاتی ہیں۔

۴- فرشتۂ عقل کی معرفت: عقلِ کُلّ عظیم فرشتہ ہے، یہی قلمِ قدرت اور نورِ ازل بھی ہے، یہی وہ خورشیدِ انور ہے، جس کو انبیا وائمّہ علیہم السّلام اپنی پیکرِ نورانی

سے طلوع وغروب ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، جس میں عالمِ عقلانی کی تعمیر و ترقّی کا راز مضمر ہے، اگر آپ ظاہری سورج کے چھوٹے بڑے کائناتی فیوض و فوائد کو شمار کرنا چاہیں تو یہ کام ممکن ہی نہیں، پھر شمسِ عقل کی برکتوں سے جتنی نعمتیں وجود میں آتی ہیں، ان کو کون گن سکتا ہے، تاہم یہ جاننا ضروری ہے کہ کائناتیں تین ہیں: کائناتِ ظاہر، کائناتِ روحانی، اور کائناتِ عقلانی، اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ حکیم میں سب سے پہلے عقلی چیزوں کا تذکرہ ہے، پھر روحانی اشیا کا، اور آخر میں مادی اشیا کا ذکر ہے، اور ممکن ہے کہ کسی مقام پر مادیّت کو اہمیّت نہ دی گئی ہو، مثال کے طور پر آسمان، سورج، چاند، ستارے، بادل، برق، رعد، وغیرہ، یہ چیزیں سب سے پہلے عالمِ عقل سے متعلق ہیں، یہی مثال زمین، پہاڑ، اور سمندر کی چیزوں کے بارے میں بھی ہے۔

۵- فرشتۂ نفس (روح/ جان) کی معرفت: نفسِ کُلّ دوسرا عظیم فرشتہ ہے، یہی لوحِ محفوظ اور اُمّ الکتاب بھی ہے، اور وہ زمین بھی جس سے آسمان الگ کر کے بلند کیا گیا (۲۱: ۳۰؛ ۵۵: ۷) جوارضِ مبارک ہے (۲۱: ۷۱) جہاں زمان و مکان کی کُلّ مسافتیں سمٹ سمٹ کر ختم ہو جاتی ہیں، کیونکہ یہ طُوٰی کی پاک وادی ہے (۲۰: ۱۲) جس میں پہنچ جانے پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا گیا کہ اب روحانی جوتے اتارو کیونکہ سفر ختم ہوا، اور یہ منزلِ مقصود ہے، جبکہ اسی مقام پر سب کچھ موجود ہے، یہ سارے معانی لفظِ طُوٰی میں پوشیدہ ہیں، جس میں نطوی (۲۱: ۱۰۴) اور مَطویّات (۳۹: ۶۷) کی طرح کائناتِ باطن کو لپیٹ کر یکجا دکھانے کا ذکر ہے۔

عقلِ کُلّ جہاں عرش ہے، نفسِ کُلّ وہاں کرسی ہے، اور کرسی کی ایک صفت یہ ہے کہ اس نے خدا کی قدرت سے آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر گھیر لیا ہے، اس عمل کا

تصوّر دو طرح سے ہے:-

پہلا: آفتابِ نور جو کائنات اور ہر چیز کا نمائندہ ہے نفسِ کُلّی میں غروب ہوجاتا ہے۔

دوسرا: کرسی یا نفسِ کُلّ جو روحِ اعظم ہے، اس کے سمندر میں کائنات ڈوبی ہوئی ہے، اسی طرح خدا کی کرسی ارض وسما پر محیط ہے۔

٦- فرشتۂ عرش کی معرفت: خدائے علیم وحکیم کی طرف سے سب سے بڑا اور مشکل ترین امتحان معرفت ہی ہے، بالخصوص عرش اور صاحبِ عرش کی معرفت، لیکن جہاں کوئی امتحان مقصود ہوتا ہے، وہاں اس میں کامیابی کی غرض سے تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی ہوا کرتا ہے، چنانچہ ہمیں نورِ ہدایت کی روشنی میں خوب سوچنا چاہیئے کہ آیا عرشِ الٰہی عقل و جان کی انتہائی خوبیوں اور علم وحکمت کے بے مثال کمالات کے سوا کسی اور انمول شی سے مزیّن وآراستہ ہوسکتا ہے؟ کیا قرآن کا تذکرۂ عرش کائناتِ ظاہر سے متعلّق ہے؟ یا اس کا تعلّق عالمِ شخصی سے ہے؟ اگر آپ نے مان لیا کہ یہ عالمِ شخصی ہی کی روحانی ترقّی کا قصّہ ہے، تو پھر سمجھ لینا کہ اب یہ مسئلہ حل ہونے لگا، کیونکہ حقیقت این جانب ہے، جی ہاں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانِ کامل کے عالمِ شخصی میں ارض وسما کی تخلیق کی، پھر اس نے عرش پر اِستواء فرمایا، اِستواء کے کئی معنی بیان ہوئے ہیں، مگر ہم یہاں یہ عرض کریں گے کہ خدا نے عرش کو دستِ قدرت میں لے لیا، کیونکہ عرش عقل اور قلم ہے، جو قبضۂ قدرت میں ہوتا ہے، تا کہ عقلی تحریروں سے مساواتِ رحمانی کے لئے کام کیا جائے، پس عرشِ عظیم سے نورِ عقلِ کُلّ مراد ہے، اور حاملانِ عرش سے حاملانِ نور مراد ہیں، اور وہ حضراتِ ائمّہ علیہم السّلام ہیں، جن

کے عالمِ شخصی میں عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کا ظہور و مظاہرہ ہوتا ہے۔

۷- المثَلُ الاعلیٰ (۱۶:۶۰) کی معرفت: ذاتی دنیا کے عالمِ علوی

میں ایک انتہائی جامع الجوامع اور لاثانی مَثَل (کہاوت، مثال) ہے، جو کلمۂ کُن، عقلِ کُلّ، گوہر، اور نفسِ کُلّ سے بطریقِ تجدّدِ امثال ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے، جس میں تمام علم و معرفت کے خزانوں کی کلیدیں گھیری اور لپیٹی ہوئی ہیں، چنانچہ اسرارِ الٰہی کا خزینۂ خزائن اسی مقام پر مخفی ہے، مثال کے طور پر یہ بھید کتنا عجیب و غریب ہے کہ عقلِ کُلّی نفسِ واحدہ (۲۸:۳۱) یعنی نفسِ کُلّی کے ساتھ ایک بھی ہے اور الگ بھی، جیسے مظاہرۂ گوہر سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے، اسی طرح ناطق اور اساس بھی انائے علوی سے نفسِ کُلّی میں ہیں، مگر شخصیت میں جدا ہیں، اب جبکہ ان کی متّحدہ پیکرِ نورانی سے آفتابِ علم و حکمت طلوع ہو جاتا ہے، تو آپ اس نور کو بتقاضائے حکمت سب سے یا کسی ایک سے منسوب کر سکتے ہیں، بلکہ یہ وحدت ایسی ہے کہ اس میں عرش، کرسی، قلم، لوح، اور دوسرے تمام حقائق ایک ہیں، اور یہی نظریۂ "یک حقیقت" (MONOREALITY) کا اوّلین اور رہنما نمونہ ہے۔

۸- عِلّیّین اور کتابِ اَبرار (۸۳: ۱۸-۲۱) کی معرفت:

ارشاد ہے (ترجمہ): ہرگز ایسا نہیں، بیشک نیکو کاروں کا نامۂ عمل عِلّیّین میں ہے، اور تم کو کیا معلوم کہ عِلّیّین کیا ہے، وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے، (جس میں نیکوں کے اعمال درج ہیں) اس کے پاس مقرب لوگ حاضر ہو جاتے (یعنی اس کو دیکھتے ہیں) اس عظیم الشّان حکمت میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، کہ عِلّیّین عقلِ کُلّی، نفسِ کُلّی، ناطق اور اساس ہیں، جو نہ صرف خود ہی لکھا ہوا دفتر ہیں، بلکہ اسی دفتر میں مومنین کا

نامۂ اعمال بھی محفوظ ہے، اس کتابِ مرقوم کو جس کا نام عِلّیّین ہے مقربین دنیا میں بھی دیکھ سکتے ہیں، اور یہی رازِ معرفت ہے۔

۹- کتابِ ناطق (۲۳: ۶۲؛ ۲۹: ۴۵) کی معرفت: امامِ اقدس و اطہر صلوات اللہ علیہ وسلامہ ظاہری ہدایت کی مرتبت میں بھی اور درجۂ روحانیت و قیامت میں بھی بولنے والی کتاب ہیں، چونکہ کتابِ ناطق قربِ خداوندی کے خاص مقام پر ہے (لَدَيْنَا ۲۳: ۶۲) لہٰذا اس کی نورانی معرفت کسی شخص کو صرف روحانی ترقّی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، جو امامِ عالیمقامؑ کی فرمانبرداری سے وابستہ ہے، اس بارے میں یہ نکتہ زیادہ سے زیادہ قابلِ توجہ ہے کہ جو نیک بخت لوگ جسمانی زندگی ہی میں حضرتِ عزرائیلؑ اور اس کے لشکر کے عمل سے گزر کر ذاتی قیامت کے احوال کو دیکھتے ہوں، وہی لوگ بولنے والی کتاب کے روحانی اور عقلی عجائب و غرائب کا احساس و ادراک کر سکتے ہیں، کیونکہ آیۂ مبارک: يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ [اس دن (کو یاد کرو) جب ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے ۱۷: ۷۱] کا تعلّق انفرادی قیامت سے بھی ہے، جس میں اجتماعی قیامت پوشیدہ ہوا کرتی ہے، پس معرفتِ آیات و معجزات کا وسیلہ یہی ہے، الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

۱۸ ربیع الثّانی ۱۴۱۰ھ

۱۸ نومبر ۱۹۸۹ء

حکمتِ اضداد

۱- آدم و حوّا کی مثال (۶:۳۹): یقیناً اسی امر میں سرِّ حکمت اور رازِ مصلحت پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا، پھر آپؑ سے بی بی حوّا علیہا السّلام کو عرصۂ وجود میں لایا، پھر ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں سے بے شمار انسانوں کو پیدا کیا، اور یہیں سے زَوْجَیْن (دو جوڑے ۴۵:۵۳) کا قانون نمایاں ہونے لگا، اور خوب یاد رہے کہ قانونِ ضِدَّیْن یہی ہے، اور اس اصول سے کوئی چیز باہر نہیں ہوسکتی، جیسا کہ سورۂ یاسین (۳۶:۳۶) میں خداوندِ عالم کا یہ ارشاد ہے: وہ (مخلوق کی ہر صفت سے) پاک ہے جس نے زمین سے اُگنے والی چیزوں اور خود ان لوگوں کے اور ان چیزوں کے جن کی انھیں خبر نہیں سب کے جوڑے پیدا کئے۔ آپ قرآنِ کریم میں اس پُرحکمت موضوع کو کماحقّہ پڑھ لیں۔

۲- جُفتِ بسیط: عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ جفتِ بسیط کہلاتے ہیں، یعنی ایسے دو جوڑے جو کائنات پر محیط ہیں، جن کی نورانی لہروں کے زیرِ اثر تمام چیزیں دو دو ہوگئی ہیں، اس قانون کا اطلاق نہ صرف نر و مادہ ہی پر ہوتا ہے، بلکہ اس کا تعلّق ہر دو متضاد و مخالف چیزوں سے بھی ہے، جیسے دن رات، حیات و ممات، آسمان اور زمین، اور دوسری سب اضداد، جن میں لاتعداد حکمتیں پنہان ہیں، اور یہ ساری حکمتیں مجمع البحرین میں منعکس ہوتی رہتی ہیں، یہ وہی مقام ہے، جہاں عقلِ کُلّی اور نفسِ کُلّی ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (۱۸:۶۰) (مَرج البحرَین ۱۹:۵۵)۔

۳- خدا کے دونوں ہاتھ: سورۂ مائدہ میں ہے : بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ (۵:۶۴) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ یعنی عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ، دوسرے اعتبار سے ناطق اور اساس، تیسرے اعتبار سے امام اور باب اللہ کے دونوں ہاتھ ہیں، کیونکہ فعلِ خداوندی کا ظہور مظاہر سے ہوتا ہے، جیسے فرشتۂ قلم، فرشتۂ لوح، اور دیگر فرشتوں کی مثال ہے، اور جس طرح آنحضرتؐ مظہرِ دستِ خدا تھے (۸:۱۷؛ ۴۸:۱۰) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اعضاء و جوارح کے تصوّر سے پاک و برتر ہے، پس عقلِ کُلّی نورِ نبوّت ہے، اور نفسِ کُلّی نورِ امامت، چنانچہ خدا کے یہ دونوں ہاتھ ہمیشہ اور ہر دم عالمِ شخصی کو آسمانوں اور زمین کی حدود تک پھیلا کر پھر اسے نقشِ کائنات سمیت لپیٹ دیتے ہیں، اور یہ عملِ عظیم جس میں بے حساب حکمتیں ہیں، ہر وقت جاری و ساری ہے، تاکہ دُور کی بہشت اور سلطنت نزدیک لائی جائے۔

۴- ضِدَّیْن (دو مخالف چیزیں): ضدّین ایک دوسرے سے بنائی جاتی ہیں، جیسے مرد اور عورت بلحاظِ جنس ایک دوسرے کے برعکس ہیں، اور اسی تضاد کی بدولت مرد شوہر بن جاتا ہے، اور خاتون بیوی کہلاتی ہے، اور یہ دونوں نام کسی تقدیم و تاخیر کے بغیر ایک ساتھ شروع ہو جاتے ہیں، چنانچہ یہ راز تو ظاہر ہے کہ حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ حوّا کا وجود بنا، مگر یہ بھید صرف خواص ہی جانتے ہیں کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بنانے کی خدائی حکمت دونوں طرف برابر برابر تھی، اور یہی حال عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کا بھی ہے، کہ وہ قلم اور لوحِ محفوظ ہیں، جن کا عملی وجود ایک دوسرے سے ہے۔

۵- نقشۂ اضداد اور تجدّدِ امثال: ذاتِ سبحان کے سوا جو کچھ

بھی ہو، وہ کسی نہ کسی پہلو سے ایک ضد ضرور رکھتا ہے، اور اسی میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہوا کرتی ہیں، مثال کے طور پر نقشۂ ذیل میں غور سے دیکھیں:۔

اضداد کا لاابتدا و لاانتہا ادل بدل

لاابتدا	روزِ ازل	شبِ ابد	روزِ ازل	شبِ ابد	لاانتہا
〃	ازل	ابد	ازل	ابد	〃
〃	عقلِ کُلّ	نفسِ کُلّ	عقلِ کُلّ	نفسِ کُلّ	〃
〃	ناطق	اساس	ناطق	اساس	〃
〃	اوّل	آخر	اوّل	آخر	〃
〃	ظاہر	باطن	ظاہر	باطن	〃
〃	مکان	لامکان	مکان	لامکان	〃
〃	بقا	فنا	بقا	فنا	〃
〃	کثرت	وحدت	کثرت	وحدت	〃
〃	بَسط (۲:۲۴۵)	قَبض (۲:۲۴۵)	بَسط	قَبض	〃
〃	فَتق	رَتق	فَتق (۲۱:۳۰)	رَتق (۲۱:۳۰)	〃
〃	خلق (۷:۵۴)	امر (۷:۵۴)	خلق	امر	〃

۶ – نقشۂ اضداد کی وضاحت: سورۂ معارج کے ارشاد (۷۰:۴) کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک ایسا دن (دَور) بھی ہے، جو لوگوں کے حساب سے ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار) برس کا ہے، مگر ممکن ہے کہ یہی عرصۂ طویل مقامِ عقل پر

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

سمٹ سمٹ کر کم وبیش پانچ سیکنڈ کا ہو، جس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہاں مکان وزمان کی بے پناہ مسافتیں لپیٹ لی جاتی ہیں (۳۹:۶۷) دوسری وجہ یہ کہ اس جگہ مومنینِ بایقین کا نور برق رفتاری سے اپنا کام کرنے لگتا ہے (۵۷:۱۲) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ دارالابداع ہے، جہاں ہر کام براہِ راست امرِ ''کُن'' سے کسی تاخیر کے بغیر انجام پاتا ہے (۳۶:۸۲) الغرض عالمِ شخصی میں ازل وابد کا تجدّدِ امثال ہونے لگتا ہے، اور یہیں سے قانونِ اضداد کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے، مثلاً روزِ ازل کے ساتھ ساتھ شبِ ابد کیوں ضروری ہے؟ اس نقشے میں دیکھ کر بتائیں، کہ آیا ابد سے قبل ازل اور ازل سے پہلے ابد نہیں ہے؟ اگر آپ مانتے ہیں کہ ہاں، ایسا ہی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ازل وابد جو باہم ضد ہیں، وہ ایک دوسرے سے پیدا ہوئیں، اور یہ دائرۂ مستدیر پر واقع ہیں، جس کی نہ تو کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔

۷- قرآنی حقائق ومعارف کا تعلّق: امرِ واقعی یہی ہے کہ قرآنِ حکیم کے حقائق ومعارف کا زیادہ سے زیادہ تعلّق عالمِ شخصی سے ہے، چنانچہ تخلیقِ ارض وسما، ظہورِ عرش وکرسی، واقعۂ قلم ولوح، حکایاتِ انبیاؑ، قصۂ اصحابِ کہف، تذکرۂ ذوالقرنین وغیرہ کا باطنی پہلو پرسنل ورلڈ (عالمِ صغیر) میں ہے، اور ہر انسانِ کامل ایک مکمل کائنات ہے، جس کا روحانی سفر ڈائل (DIAL) یا دائرے کی طرح ہے، وہ اس مثال میں نقطۂ آغاز یا زیرو یا صفر سے روانہ ہو کر ۱۸۰ ڈگری تاریکی میں اور ۱۸۰ ڈگری روشنی میں چلتا ہے، اور اسی سٹارٹنگ پوائنٹ پر پہنچ جاتا ہے، جہاں سے اس نے یہ سفر شروع کیا تھا، اب اس جگہ ۳۶۰ ڈگری ہو جاتی ہے، جیسے: ۳۶۰/۰، تب اس کے دل و دماغ میں آفتابِ نورِ ازل طلوع ہو کر حقائق ومعارفِ ازلی وابدی کا تجدّدِ امثال

ہونے لگتا ہے۔

۸- اس نقشے کی حکمتیں: اس میں جو جو الفاظ و اصطلاحات درج ہوئے ہیں، ان سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں بہت سی حکمتیں پنہان ہیں، مثال کے طور پر یہ سوال ہے: لفظِ فَتْق و رَتْق کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ اور یہ یہاں اس ترتیب میں کیوں رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سورۂ انبیاء (۲۱: ۳۰) میں رَتْق کے بعد فَتْق ہے؟

جواب: رتق کے معنی ہیں، منہ بند، جُڑا ہوا، اور فتق کے معنی ہیں شگافتہ کرنا، قرآنِ پاک میں ہے کہ: آسمان اور زمین دونوں جڑے ہوئے تھے تو خدا نے دونوں کو شگافتہ کیا (۲۱: ۳۰) یعنی دونوں ایک تھے، پھر اللہ نے ان کو الگ کر دیا، اور نقشے سے ظاہر ہے کہ پھر اس نے آسمان و زمین کو ایک کیا، پس یہ آسمانِ عقلِ کُلّی اور زمینِ نفسِ کُلّی کی بات ہے کہ نورِ عقل اس زمین کے اندر غروب ہو جاتا ہے، اور طلوع ہو جاتا ہے، اور یہ عمل ہمیشہ جاری ہے، چونکہ یہ کلیدی اور اصولی حکمت ہے، اس لئے اسکے سمجھنے سے کسی مومن کے عام نظریات میں انقلاب آ سکتا ہے، اب آپ ہی بتائیں کہ "رَتْق" نفسِ کُلّ اور اساس کی طرف ہونا چاہئے، یا نہیں؟

۹- بہشت کے دو دو میوے (۱۳: ۳؛ ۵۵: ۵۲): یہی مضمون علمی علاج (کتاب العلاج)، ص ۳۸۲ پر بھی شروع ہو جاتا ہے، جنّت کے روحانی، نورانی، عرفانی، علمی، اور عقلی میوے جوڑے جوڑے اس معنیٰ میں ہیں کہ ہر جفت پھل نر و مادہ کی مثال پر بہت سے پھلوں کو جنم دے سکتا ہے، اور یہ بات البتّہ اہلِ جنّت کی خواہش و کوشش پر منحصر ہے کہ وہ دو باتوں سے کئی منطقی نتائج نکالیں، بہشتِ برین

میں بتائیدِ الٰہی یہ کام آسان ہے۔

۱۰- قرآنی بہشت کے ثمرات: قرآنِ عزیز فردوسِ علم وحکمت سے ہے، لہٰذا اس میں بھی تمام کی تمام جفت جفت نعمتیں موجود ہیں، مثال کے طور پر کتاب: کتابِ صامت اور کتابِ ناطق، نُور: نورِ نبوّت اور نورِ امامت، علم: علمِ ظاہر اور علمِ باطن، نعمت: نعمتِ روحانی اور نعمتِ عقلانی، کشتی (فُلک): کشتیٔ آب اور کشتیٔ علم، آسمان: آسمانِ جسمانی اور آسمانِ روحانی، زمین: زمینِ ظاہر اور زمینِ باطن، وغیرہ، جیسا کہ سورۂ لقمان میں خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، (غرض سب کچھ) اللہ ہی نے یقیناً تمہارا تابع کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں (۳۱:۲۰) اس روح پرور اور ایمان افزا ربّانی تعلیم کا براہِ راست تعلّق اس جامع الجوامع نعمت سے ہے، جس کا ذکر دین کے مکمل ہونے پر فرمایا گیا تھا (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ . . . ۵:۳) الغرض حکمتِ اضداد کا قرآنی موضوع علمی بہشت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، جس کی بیمثال نعمتیں ازلی وابدی ہیں، آپ ہمیشہ اور ہر وقت حُسنِ توفیق کے لئے دعا کرتے رہیں۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

جمعرات ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

۲۳ / نومبر ۱۹۸۹ء

عقل آدم اور روح حوّا

۱- خزینۂ قرآن: جب خزائنِ الٰہی بے پایان ہیں (۱۵:۲۱؛ ۳۱:۲۷) تو پھر خزینۂ قرآن کے علمی عجائب وغرائب کیسے ختم ہو سکتے ہیں، اگر اس مبارک پہاڑ سے ہر وقت تازہ بتازہ جواہرِ گرانمایہ مل جاتے ہیں اور یہ پاک سمندر ہمیشہ انمول موتیوں سے بھرا رہتا ہے، تو آئیے ہم اپنی زندگی کے ایک خاص حصّے کو اس دولتِ سماوی کے حصول کے لئے وقف کردیں، ہمارے لئے سعادتِ دارَین اسی میں ہے کہ قرآن اور امامؑ سے وابستہ رہیں، تاکہ ہم اسرارِ خداوندی سے بانصیب ہو جائیں، یہ اس وقت ممکن ہے، جبکہ ہم نورِ ہدایت کی روشنی میں قرآنِ حکیم کا بطریقِ احسن فکری مطالعہ کریں۔

۲- جُفت جُفت حکمتیں: آپ نے ''حکمتِ اضداد'' کا مضمون پڑھا ہوگا، اور دیگر موضوعات میں بھی ایسے کئی نکات نظر سے گزرے ہوں گے، اور نتیجے کے طور پر آپ کو اس حقیقت کا یقین حاصل ہوا ہوگا کہ ہر حکمت دراصل طاق نہیں جفت ہوا کرتی ہے، مثال کے طور پر انسان کی خودی (انا) بظاہر ایک مانی جاتی ہے، لیکن روحانی علم کی روشنی میں تحقیق کی گئی ہے کہ انائے علوی اور انائے سفلی دو ہیں، کیونکہ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ ایک تو اصل چیز ہے اور دوسرا اس کا سایہ (۱۶:۸۱) چنانچہ وہ انسانی حقیقت جو عالمِ علوی (عالمِ امر) سے ازلی وابدی وابستگی رکھتی ہے، اور لمحہ بھر کے لئے بھی الگ نہیں ہو سکتی، انائے علوی کہلاتی ہے، اور اس کا سایہ جو عالمِ خلق

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

میں آیا ہے، انائے سفلی ہے۔

۳- حضرتِ آدمؑ کی دو انائیں: آدم و بنی آدم کی دو دو انائیں علمی بہشت کے دو دو میوؤں میں سے ہیں، لیکن کیسے دو دو؟ آیا اسی طرح کہ نظر ڈالتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ دو چیزیں ہیں اور بس؟ نہیں، ایسا نہیں دانۂ گندم، یا کوئی اور بیج، یا اخروٹ بظاہر ایک ہوتا ہے، لیکن اس کے اندر ایک حصّۂ نر اور ایک حصّۂ مادہ دو ہیں، جس کو علم والے ہی جانتے ہیں، چنانچہ حضرت آدم علیہ السّلام کی دو انائیں تھیں، آپؑ انائے علوی سے بہشت ہی میں رہ گئے، اور انائے سفلی سے دنیا میں بھیجے گئے، پس اکثر لوگوں نے خلیفۂ خدا کو نہیں پہچانا، جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، آپؑ میں خدائی روح پھونک دی گئی تھی روح کہیں یا نور، اس کے جسمِ بشری میں آنے کی مثال ایسی ہے، جیسے آسمان میں خورشیدِ انور اور زمین پر کسی آئینے میں اس کا عکس، شاید یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر حضرت آدمؑ کی گریہ وزاری اور توبہ کا کیا مقصد تھا؟

جواب: مقصد چنداں مختلف نہیں، کیونکہ ایک حقیقی مومن بھی تقریباً وہی گریہ و زاری اور توبہ کرتا ہے، تاکہ بہشت اور اپنی انائے علوی کو دیکھ سکے۔

۴- روح کا بالائی سِرا اور زیرین سِرا: ارشادِ ربّانی ہے: وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (۸۱:۷) اور جس وقت روحیں دو دو ہوں گی۔ یعنی جب قیامت اور کشفِ روحانیت سے اس بات کا علم ہوگا کہ ہر روح کے پس منظر میں ایک اور روح موجود ہے، جیسا کہ سورۂ یاسین (۳۶:۳۶) میں فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کی روحیں دو دو ہیں، پس ایک انائے مستقر ہے اور دوسری انائے مستودع (۶:۹۸) تاکہ روح کا بالائی سِرا درخت کی طرح عالمِ امر میں برجا رہے، اور دوسرا سِرا سائے کی طرح عالمِ خلق

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science Knowledge for a united humanity

میں آجائے (۸۱:۱۶)۔

۵- روحِ اعظم اور اس کا سایہ: جب ہم ''انائے علوی'' کے قائل ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ کوئی معمولی سی ہستی ہے، بلکہ ہمارا یقین تو یہ ہے کہ وہ سب سے بڑی روح ہے، وہ ایک ہے، مگر نفسِ واحدہ ہونے کے سبب سے سب ہے، جس طرح کتابِ ''روح کیا ہے؟'' میں دوسری بہت سی حقیقتوں کے علاوہ یہ ذکر بھی ہوا ہے کہ ہر روح بے شمار روحوں کا مجموعہ ہوا کرتی ہے، اس لئے وہ اپنی ذات میں ایک کائنات ہے، پس اسی دلیل سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفسِ واحدہ میں سب جمع ہیں، اور اس دنیا کا ہر شخص اس کا سایہ ہے، چنانچہ یہ مثال قابلِ توجہ ہے کہ سایہ جوں جوں درخت سے قریب تر ہوتا رہتا ہے، توں توں اس کی تاریکی کم ہوتی جاتی ہے، یہ اس حقیقت کی طرف بڑا عمدہ اشارہ ہے کہ آدمی جیسے جیسے علم و معرفت میں آگے بڑھ جاتا ہے، ویسے ویسے روحِ کُلّی سے نزدیک تر ہو جاتا ہے، اور جب وہ شمس الانوار کو دیکھتا ہے، تو اس کی اپنی معرفت نور کی معرفت ہونے لگتی ہے۔

۶- عقل اور جان نمونۂ آدم و حوّا: عالمِ شخصی میں بھی آدم و حوّا ہیں، اور وہ ہیں عقل و روح، جن کی اعلیٰ معرفت حضرتِ ابوالبشرؑ کی معرفت ہے، یہی وجہ ہے، جو ارشاد ہوا: اس میں تو شک ہی نہیں کہ ہم نے تم کو (جسمانی طور پر) پیدا کیا پھر تمہاری (روحانی اور رحمانی) صورتیں بنالیں پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو (۷:۱۱) یہ دوستانِ خدا یعنی عارفین ہیں، جو منازلِ معرفت اور تجدّدِ امثال کے سلسلے میں واقعۂ آدمؑ سے گزرتے ہیں، جو عجائب و غرائب سے پُر اور کلیدی حکمتوں سے مملو ہے۔

۷- حضرتِ آدمؑ اور بہشت: جب آدم علیہ السّلام میں خدائی روح پھونک دی گئی، تو اسی کے ساتھ عقل و جان کی نعمتوں کی جنّت آپؑ میں داخل ہوئی، یعنی یہ روح نور ہی ہے، جس میں کائناتی بہشت کی سلطنت پوشیدہ ہوتی ہے، چنانچہ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو جنّت میں دو دفعہ سجدہ کیا، پہلی بار عالمِ ذرّ میں، اور دوسری بار مقامِ عقل پر، شروع شروع میں ملائکہ نورانی ذرّات کی شکل میں تھے، لیکن مرتبۂ عقل پر ایک کامل متّحدہ نور، کیونکہ تمام بڑے بڑے فرشتوں کا جامع فرشتہ ایک ہی ہوتا ہے، وہی دو، اور سب کا سب ہے، اور خوب یاد رہے کہ یہی قانون بڑی بڑی روحوں کے لئے بھی ہے۔

۸- فرشتوں کا سجدہ کس نوعیت کا تھا؟: یہ سوال اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کر رہی ہیں، مگر ان میں سے اکثر موجودات وہ ہیں، جو اپنے اپنے فعل کے معنی میں سجدہ کرتی ہیں، اور فرشتوں کے بارے میں آپ کو یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ آیا وہ جہاں ذرّۂ نور ہیں یا کامل نور ہیں وہاں وہ پیشانی سے سجدہ کرتے ہیں؟ یا تابعداری سے؟ اور اس میں بھی غور کرنا لازمی ہے کہ حضرتِ یوسفؑ کے والدین تخت (عرش ۱۲:۱۰۰) سے آپؑ کے سجدے میں کیوں گر پڑے؟ اس میں کیا راز ہے؟ یاد رہے کہ فرشتوں کے ایک یا دو رسمی سجدوں سے خلافتِ آدم کا مقصدِ اصلی پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ لہٰذا انھوں نے بحکمِ خدا عالمِ شخصی میں بھی اور کائنات میں بھی روح اور عقل کے مقام پر حضرتِ آدمؑ کی اطاعت کی، جس سے تمام معنوں میں خلافتِ الٰہیّہ ثابت ہوئی، سجدہ کی مثالوں کے لئے دیکھئے: (۱۳:۱۵؛۱۶:۴۹؛۲۲:۱۸)۔

۹- آدم وحوّا پانچ قسم کے ہیں: عالمِ کبیر میں عقلِ کُلّی اور نفسِ کُلّی، دورِ اعظم میں آدم وحوّا، دورِ نبوّت میں ہر ناطق اور اساس، دورِ امامت میں ہر امام اور باب، اور عالمِ صغیر میں عقل و روح آدم و حوّا ہیں، تاکہ خلافتِ کبریٰ اور خلافتِ صغریٰ سے متعلّق خداوندِ عالم کا جو وعدہ ہے، وہ پورا ہو جائے (۲۴:۵۵) اور معرفت و علمِ روحانی کا دروازہ ہر زمانے میں کشادہ رہے، کیونکہ دینِ اسلام میں کوئی تنگی (حرج ۲۲:۷۸) نہیں، جبکہ یہاں ہمیشہ نورِ ہدایت موجود ہے، اور جبکہ قرآنی علم وحکمت کے خزائن سامنے ہیں (۵:۱۵)۔

۱۰- والد اور ولد (۹۰:۳): باپ اور بیٹا، یہ دونوں نام نور کے ناموں میں سے ہیں، کیونکہ نور عالمِ شخصی میں ایک جانب سے باپ ہے، اور دوسری جانب سے اولاد، چنانچہ حضرتِ یوسف علیہ السّلام نے عالمِ شخصی کے روحانی عروج و ارتقا کے سلسلے میں نور اور اس کے حجّتِ اعظم (باب) کو تختِ عقل (عرش ۱۲:۱۰۰) پر بٹھا دیا، تب ان دونوں نے جو شمس و قمر بھی کہلاتے تھے (۱۲:۴) آپؑ کو سجدۂ اطاعت کیا، جیسے ملائکہ نے حضرت آدمؑ کو یہ سجدہ کیا تھا، یاد رہے کہ حضرتِ یعقوب اور حضرتِ یوسف علیہما السّلام امامانِ مستودع کے سلسلے میں تھے۔

۱۱- قیامت کے دن ہر نسب ختم ہو جائیگا (۲۳:۱۰۱): ارشاد ہے: پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا تو اس دن نہ لوگوں میں قرابت داریاں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے (۲۳:۱۰۱) یہ ایک رازِ سربستہ ہے، کہ جب بھی کسی آدم کی ذاتی قیامت برپا ہوئی، تو اس میں اجتماعی قیامت پوشیدہ ہوا کرتی ہے، اور آدمِ زمانؑ میں تمام دنیا والوں کا باطنی اور روحانی حشر ہو جاتا ہے، پھر

نشر ہو جاتا ہے، یعنی اسرافیل کی دعوت پر ارواحِ خلائق جمع ہو جاتی ہیں، اسی کے ساتھ جملہ ارواح آدمِ حاضر و موجود کی ذرّیت قرار پاتی ہیں اور ان کی سابقہ قرابت ختم ہو جاتی ہے، پھر یہ ساری روحیں اپنے اپنے جسم میں واپس ہو جاتی ہیں، یہ ہوا حشر اور نشر کا ایک نمونہ، اگلے نسب کا خاتمہ، اور نئے نسب کا آغاز۔

۱۲- سُنّتِ الٰہی کا موضوع اور تصوّر: آیا آپ نے ان تمام آیاتِ کریمہ کا بغور مطالعہ کیا ہے، جو سُنّتِ الٰہی کے بھیدوں سے پُر ہیں؟ کیا خدا کی سُنّت و عادت وہ نہیں، جو اس کے خاص بندوں یعنی انبیا و اولیا میں ہو گزری ہے، اور حال و مستقبل میں بھی وہی ہوتی رہے گی؟ تو کیا اس میں بار بار روحانی قیامت برپا ہو جانے کا ذکر نہیں؟ ضرور اس میں یہی اشارہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی امر ایسا نہیں، جس کے وقوع پذیر ہو جانے کے لئے کوئی انتظار ہو، بلکہ اس کے حکم پر عمل ہو چکا ہے (۳۳:۳۷)۔

نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

بدھ ۲۹ ربیع الثّانی ۱۴۱۰ھ

۲۹ نومبر ۱۹۸۹ء

حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن

۱- حواسِ ظاہر پانچ ہیں: دیکھنا، سُننا، سونگھنا، چکھنا، اور چھونا، جن کو باصرہ، سامعہ، شامّہ، ذائقہ، اور لامسہ بھی کہتے ہیں، ان میں سے ہر حس میں ایک طرف دوئی ہے، اور دوسری طرف وحدت، وہ یوں کہ آنکھیں دو ہیں، مگر ان کا فعلِ بینائی ایک ہی ہے، کان اگرچہ دو ہیں، لیکن قوّتِ سماعت ایک ہے، نتھنے دو ہیں، اور خوشبو کا احساس ایک، منہ اور زبان بھی دو حصّوں پر منقسم ہے، تاہم چکھ لینے کا نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے، اور اسی طرح ہاتھ دو ہیں، اور چھونے کے احساس میں وحدت ہوا کرتی ہے، تاکہ ہر دانشمند ظاہر و باطن اور کثرت و وحدت کے بارے میں کچھ غور کرے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسی بیمثال قوّت سے ممتاز و سرفراز فرمایا ہے، ورنہ ظاہری حواس کے پیشِ نظر آدمی سے حیوانات کہیں زیادہ قوی ہیں، مثال کے طور پر بعض جانور جس طرح اندھیری رات میں دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح انسان نہیں دیکھ سکتا، اور نہ وہ بعض حیوانوں کی طرح سونگھنے کی زبر دست قوّت رکھتا ہے، اور یہ حقیقتِ حال تقاضائے حکمت کے مطابق ہے، کیونکہ حیوان حواسِ ظاہر ہی میں محدود ہے، اور انسان زیادہ سے زیادہ حواسِ باطن کے لئے محتاج ہے، تاکہ وہ روحانی نعمتوں کو حاصل کر سکے۔

۳- حواسِ خمسۂ ظاہر پانچ حواسِ باطن کی مثال ہیں، نیز یہ پانچ حدودِ جسمانی کی دلیل ہیں، یعنی ناطق، اساس، امام، حجّت، اور داعی، ان کے ظاہری اور باطنی دو دو درجے ہیں، جس طرح حواسِ ظاہر دو طرفہ (دائیں بائیں) ہیں، جن کا

شروع ہی میں ذکر ہو چکا، یہاں یہ نکتۂ دلپسند بھی خوب یاد رہے کہ جس طرح ظاہری حواس دو درجوں میں ہیں: حواسِ حیوانی، اور حواسِ انسانی، اسی طرح حواسِ باطن بھی دو مرتبوں میں ہیں: حواسِ روحانی اور حواسِ عقلانی، آپ ان کو مُدرِکات بھی کہہ سکتے ہیں۔

۴- حواسِ باطن کی اصل حکمت یہ ہے کہ روحانی ترقّی ہونے سے نورِ ناطق باصرۂ دل ہو جاتا ہے، نورِ اساس سامعۂ جان، نورِ امام شامّۂ روح، حجّت ذائقۂ نہانی، اور داعی لامسۂ باطنی ہو جاتا ہے، کیونکہ حدودِ دین ہی اہلِ حقیقت کے باطنی حواس ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ سورۂ نحل (۱۶:۷۸) میں ہے: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ اور خدا نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو۔ یہ حواسِ باطن ہیں، یعنی حدودِ دین، جو روحانی بھی ہیں اور عقلی بھی، جن سے ایسی گرانمایہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں کہ ان پر ربِّ کریم کا شکر بیحد ضروری ہوتا ہے، ورنہ حواسِ ظاہر حیوان کے بھی ہیں، اور کافر کے بھی۔

۵- حدیثِ قدسی کا ارشاد ہے: ''اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبّت کرنے لگتا ہوں، پس جب میں اس سے محبّت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے'' قرآنی علاج (کتاب العلاج)، ص ۸۵'' واللہ، خدا کا یہ کام حدودِ دین ہی کے توسّط سے ہوتا ہے، کیونکہ ذاتِ سبحان کسی آدمی کے اعضا و جوارح اور حواس بن جانے سے پاک و برتر ہے۔

۶- کتابِ ''قرآنی علاج (کتاب العلاج)'' میں عنوانِ ''امواجِ نور کا

تصوّر" کے تحت حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام کی ایک انتہائی پُرحکمت دعا کو دیکھئے، جس کا ترجمہ اس طرح ہے: "یا اللہ! میرے لئے میرے دل میں ایک نور مقرّر کردے، اور میرے کان، آنکھ، اور زبان میں بھی نور بنادے، میرے بال، کھال، گوشت، خون، ہڈیوں، اور رگوں میں بھی نور بنادے، اور میرے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، اور نیچے بھی نور مقرر فرما!" اس دعائے مبارک کا مطلب بھی حدیثِ تقرب ہی کی طرح ہے، کہ حدودِ دین کا نور بندۂ مومن کے باطن میں حواس و مُدرکاتِ نورانی کا کام کرتا ہے، اور خدا کی طرف سے نورِ ہدایت اسی مقصد کے لئے مقرر ہے۔

۷- اللہ تعالیٰ نہ کسی آدمی میں حُلول[1] ہوجاتا ہے اور نہ کسی دوسری شی میں، بلکہ اس نے اپنے حضورِ اقدس سے ایک نور کو بھیجا ہے، جس کا انتہائی حسین وجمیل تذکرہ تمام آیاتِ نور میں موجود ہے، یہی نور حضراتِ انبیا و ائمّہ علیہم السّلام کے توسّط سے مومنینِ بایقین میں اپنا مقررہ کام کرتا ہے، جس کا فعل بوجہِ نمائندگی خدا کا فعل قرار پاتا ہے۔

۸- جس طرح لوگوں کو اقرارِ نبوّت آسان ہے، مگر اقرارِ ولایت یعنی مولا علیؑ کی امامت کو تسلیم کرنا مشکل ہے، اسی طرح عینِ یقین سے ابتدائی انوار کا مشاہدہ آسان ہے، لیکن اُذُنٌ وَّاعِیَۃ" (یاد رکھنے والا کان ۶۹: ۱۲، جو اساس کا مرتبہ ہے) سے روحوں کی آوازیں سننا دشوار کام ہے، بلکہ یہ امرِ ناممکن ہے، جب تک کہ ذاتی قیامت برپا نہ ہوجائے، ہاں، جس وقت صورِ اسرافیل بجنے لگتا ہے، اور ارواح کا حشر ہوجاتا ہے، تو اسی وقت باطنی سماعت کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور اساس کے مقابلے میں امام کی

---

[1] حُلول: ایک چیز کا دوسری چیز میں اس طرح داخل ہوجانا کہ دونوں میں تمیز نہ ہوسکے (۲) تناسخ، آواگون۔

شناخت زیادہ مشکل ہے، یہی سبب ہے کہ روحانی خوشبوؤں کا تجربہ بعد میں ہوتا ہے، اس بارے میں نقشۂ ذیل کو دیکھئے:-

حواسِ باطن

ناطق	اساس	امام	حجّت	داعی
باصرہ	سامعہ	شامّہ	ذائقہ	لامسہ
دیکھنا؟	سننا؟	سونگھنا؟	چکھنا؟	چھونا؟
تمام روحانی مناظر	جملہ باطنی آوازیں	ساری روحی خوشبوئیں	ہر روحانی غذا	سب چھونے کی چیزیں
دیکھو آیاتِ رویت	آیاتِ سماعت	آیاتِ خوشبو	آیاتِ غذائے روحانی	آیاتِ لمسِ باطن
دیدار	کلام	بوئے یوسفی	منّ وسلویٰ	کتابِ مکنون
تجلّیات	تلاوتِ روحانی	ریاح/خوشبوئیں	مائدۂ عیسیٰؑ	گوہرِ عقل
نتیجہ؟ معرفت	— ؟ معرفت	— ؟ معرفت	— ؟ معرفت	— ؟ معرفت

۹- سورۂ تین (۹۵:۱-۸) کے مطابق انسان کا دائرہ نما سفر عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کے درمیان واقع ہے، وہ اس سلسلے میں مثال کے طور پر سب سے پہلے جماد ہے، پھر نبات، پھر حیوان کے درجے میں آتا ہے، اس کے بعد انسانیت کے درجات میں داخل ہو جاتا ہے، جن میں نہ صرف پشتِ پدر اور شکمِ مادر کے مختلف مراحل ہیں، بلکہ وہ جنم لینے کے بعد بھی نشو و نما کی کئی منزلوں کو طے کرتا ہے، وہ خلیّات کی ایک کائنات بھی ہے، ارواحِ نباتی، ارواحِ حیوانی، اور ارواحِ انسانی کے تین مجموعوں کا مجموعہ بھی، وہ عالمِ ذرّ بھی ہے، اور تمام حدودِ دین کا نمونہ بھی، یعنی وہ اپنی ذات میں جملہ حدودِ جسمانی و روحانی کو پاتا ہے، اور پہچانتا ہے، اور یہ خداوندِ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ناطق، اساس، امام، حجّت، اور داعی کو مومنین کی روحانیت میں

حواس و مُدرکات کا کام سونپ دیا ہے۔

۱۰- آدمی کے آخری حواسِ باطن عقل، نفس، جدّ، فتح، اور خیال ہیں، کیونکہ پروردگارِ عالم نے انہی مُدرکات سے انسانِ کامل کو تعلیم دی، جیسا کہ ارشاد ہے: اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَ كْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶:۳-۴) پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم (یعنی عقل) کے ذریعہ سے تعلیم دی۔ یہاں قلم سے عقل مراد ہے، اور قلم و لوح لازم و ملزوم ہیں، لہٰذا اس کی حکمت یہ ہوئی کہ خدا نے انسانِ مقدّم یعنی انسانِ کامل کو عقلِ کُلّی اور نفسِ کُلّی (اور دیگر تین فرشتوں) کے توسّط سے علم سکھایا، یہ ہوئے حواسِ خمسۂ عقلی، یاد رہے کہ اسمِ ''الاکرم'' میں عرش کے علم و معرفت کا ذکر ہے۔

۱۱- خوب توجہ سے سن لیجئے کہ انبیا و ائمّہ علیہم السّلام کے تمام اسرار، معجزات، عجائب و غرائب، اور سب سے اعلیٰ حواسِ باطن پیشانی میں پوشیدہ ہیں، مثلاً حضرتِ آدمؑ کی بہشت کا راز، حضرتِ ادریسؑ کی اونچی جگہ (۱۹:۵۷) حضرتِ نوحؑ کی کشتی اور کُوہِ جودی (۱۱:۴۴) حضرتِ ہودؑ کا آسمان، جس سے موسلا دھار بارش برستی ہے (۱۱:۵۲) حضرتِ ابراہیمؑ کے ملکوتی بھید (۶:۷۵) حضرتِ لوطؑ کی بابرکت زمین (۲۱:۷۱) انبیا علیہم السّلام کس معنیٰ میں ہاتھوں اور آنکھوں والے ہوتے ہیں (۳۸:۴۵)؟ وہ جگہ جہاں حضرتِ یوسفؑ کے لئے گیارہ ستاروں اور شمس و قمر نے سجدہ کیا (۱۲:۴) حضرتِ شعیبؑ کا بقیتُ اللہ (۱۱:۸۶) حضرتِ موسیٰؑ کا طُور (۱۹:۵۲) حضرتِ داوٗدؑ کی خلافت (۳۸:۲۶) حضرتِ سلیمانؑ کی مملکت (۳۸:۳۵) حضرتِ عیسیٰؑ اور حضرتِ مریمؑ کی بلند ترین جگہ (۲۳:۵۰) اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مقامِ معراج جبین (پیشانی) ہے تاکہ عالمِ شخصی کے خزائنِ معرفت میں کوئی کمی نہ ہو۔

۱۲- جس طرح حواسِ ظاہر کا سرچشمہ دل ہے، اسی طرح حواسِ باطن اور

مُدرکاتِ عقلی کا مرکز قائم القیامت ؑ ہے، کیونکہ وہی عظیم المرتبت ہستی تمام حدودِ دین کا قلب ہے، چنانچہ آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں جو کچھ دیکھا، وہ دل سے دیکھا (۵۳:۱۱) کہ مرتبۂ قائم دل ہے (۸:۲۴) اور خداوندِ عالم کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مومنین کو ایسا معجزاتی اور بیمثال قلب عنایت کر دیا (۸:۲۴؛ ۲۳:۷۸) اور ربِّ کریم کا یہ امرِ عظیم اسرارِ عجائب و غرائب اور کلیدی حکمتوں سے پُر ہے، تاکہ علم و معرفت کے ہر گنجِ گرانمایہ کا مقفّل دروازہ کھل جائے۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

اتوار ۱۰ ر جمادی الاوّل ۱۴۱۰ھ

۱۰ ر دسمبر ۱۹۸۹ء

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

چوٹی کے سوالات

قسط:۱

س ۱: قرآنِ حکیم کے اس امر میں کیا حکمت ہے کہ خصوصاً صبح وشام ذاتِ سبحان کی پاکی بیان کرنے یا تسبیح پڑھنے کا حکم (۳:۴۱؛ ۳۳:۴۲؛ ۴۸:۹) ہے؟

ج: اس فرمانِ الٰہی کی خاص حکمت یہ ہے کہ عالمِ شخصی میں جہاں سب سے بڑا معجزہ صبحِ ازل اور شامِ ابد ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کو تغیرات سے پاک و برتر مانا جائے۔

س ۲: اگر یہ بات حقیقت ہے کہ عالمِ شخصی میں وہ سب کچھ ہے، جو عالمِ ظاہر میں ہے، تو جس طرح ظاہر میں انبیا علیہم السّلام تشریف لائے، اس کی کوئی مثال بندۂ مومن کی روحانیت میں کہاں ہے؟

ج: سورۂ مائدہ (۵:۲۰) میں غور سے دیکھ لیں، خاص کر جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (یعنی خدا نے تمہارے ظاہر میں نیز تمہارے باطن میں پیغمبر بنائے اور تم کو بحدِّ قوّت بادشاہ بنایا ۵:۲۰) اگرچہ اس تذکرے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا خطاب پوری قوم سے ہے، تاہم حدودِ دین ہی وہ حضرات تھے، جن کو اس حقیقت کی نمائندگی حاصل تھی، اور انہی کے توسّط سے سارے مومنین بہشت میں بادشاہ ہوئے۔

س ۳: بہشت میں پہلے بہت کم لوگ پھر رفتہ رفتہ سب داخل ہوسکیں گے، اگرچہ یہ بہت بڑا راز ہے، تاہم یہ زمانہ ایسا ہے کہ اگر ہو سکے تو اس میں بھیدوں کو جاننا چاہیئے، جیسے سائنس کے بھید ظاہر ہونے سے فائدہ ہو رہا ہے، پس سوال یہ ہے کہ آیا اہلِ جنّت مختلف درجات پر فائز ہو جائیں گے یا سب کے سب یکسان ہوں گے؟

ج: بہشت میں مساواتِ رحمانی بہت دیر کی حقیقت ہے، اس لئے قبلاً وہاں درجات ہوں گے، جس کا ایک روشن ثبوت سورۂ انسان (سورۂ دہر ۷۶: ۲۰) سے مل سکتا ہے، وہ یہ کہ اس میں بعض لوگ بادشاہ ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشّان سلطنت رعیّت کے بغیر بے معنی ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ بہشت والے مختلف درجوں میں ہوں گے۔

س۴: جدّ، فتح، اور خیال (یعنی اسرافیل، میکائیل، اور جبرائیل) کا تذکرہ دینی کتب میں بار بار آتا ہے، مگر ان کے ساتھ عزرائیل کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، حالانکہ وہ بھی ایک مقرب فرشتہ ہے، اور مومن کی روحانی ترقّی کے سلسلے میں اس کا مفید کام بڑا عجیب ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ ان تین فرشتوں کے ساتھ شامل نہیں کیا گیا ہے؟

ج: حکمتِ عزرائیلی حجاب میں رکھی گئی ہے، اگر یہ حکمت ظاہر ہوتی، اور سب لوگ اس کو یقین سے جانتے، تو پھر لوگ وقت سے پہلے مرجانا پسند کرتے، اور دنیا کی آبادی متاثر ہوجاتی۔

س۵: سورۂ بقرہ (۲: ۲۴) کے حوالے سے یہ پوچھنا ہے کہ آتشِ دوزخ کے ایندھن لوگ اور پتھر کیوں ہیں؟ پتھروں (الحجارۃ ۲: ۲۴) کو کس جرم میں جلایا جاتا ہے؟

ج: خوب یاد رہے کہ علم و حکمت نور ہے، اور جہالت و نادانی نار، پس اگر انسانی عقل علم و حکمت کے نور سے منوّر ہو رہی ہے، تو یہ ایک انتہائی قیمتی پتھر (گوہرِ گرانمایہ) ہے، ورنہ وہ ایک ایسا پتھر ہے، جو نارِ نادانی میں جل رہا ہے۔

س۶: جس دن بلانے والا ایک ناشناختہ چیز کی طرف بلائے گا (۵۴: ۶) یہ بلانے والا کون ہوگا؟ کہاں سے بلائے گا؟ اور وہ شی کیا ہے، جس کو لوگ نہیں پہچانتے؟

ج: یہ عالمِ شخصی کا داعی ہے، جو کانوں سے صورِ اسرافیل کی آواز کے ساتھ

ساتھ لوگوں کو امرِ امامت کی طرف مدعو کرے گا، کیونکہ قیامت دراصل حضرتِ قائم علینا سلامہ کی قہرمانی اور جلالی دعوت ہے، تاکہ سب لوگ اس کی بادشاہی میں ایک ہو جائیں (۱۶:۴۰)۔

س ۷: بے شک خدا مچھر یا اس سے بڑھ کر کوئی مثل بیان کرنے میں نہیں شرماتا (۲:۲۶) اس سے کیا مراد ہے؟ یا اس کا ممثول کیا ہے؟

ج: یہ انفرادی روحانیت اور قیامت کے سلسلے کی ابتدائی آواز ہے، جس کا آغاز کان کے بجنے سے ہو جاتا ہے، جو مچھر کی آواز جیسی ہے، دراصل ذرّۂ لطیف میں یہی داعی ہے۔

س ۸: صورِ اسرافیل کی آواز پر قبروں سے اٹھنے والوں کی تشبیہ و تمثیل ٹڈیوں (۵۴:۷) اور پروانوں (۱۰۱:۴) سے کیوں دی گئی ہے، حالانکہ یہ اڑنے والی مخلوقات میں سے ہیں، اور آدمی جسمِ خاکی میں پرواز نہیں کر سکتا؟

ج: عارف اسی جسم میں روحانی قیامت کا مشاہدہ کرتا ہے، اور لوگوں پر غیر شعوری قیامت گزرتی ہے، وہ اس طرح کہ ان کے زندہ ابدان (اجسام) گویا قبریں ہیں، جن سے نمائندہ ذرّات (جو روح بھی ہیں اور جسمِ لطیف بھی) مرکزِ قیامت یعنی ظہورگاہِ قائمؑ کی طرف پرواز کر جاتے ہیں، جن کی مثال ٹڈیوں اور پروانوں کی طرح ہے۔

س ۹: سورۂ رعد (۱۳:۸) کے اس ارشاد: وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (۱۳:۸) ''اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازے سے ہے۔'' کے بارے میں سوال ہے کہ خداوندِ عالم کی یہ مقدار کیا ہے؟

ج: اگرچہ کائناتیں اور کہکشاں (GALAXY) ایک سے کہیں زیادہ ہیں،

زمانہائے دراز کی مدّت بے پناہ ہے، اور موجودات و مخلوقات کا کوئی شمار ہی نہیں ہوسکتا، لیکن قادرِ مطلق نے ہر چیز کو سمیٹ کر ایک معیّن مقدار میں محدود کر دیا ہے، اور وہ دستِ قدرت کی مٹّھی سے بھی کم ہے، اور وہ تمام چیزیں، جو ہمارے نزدیک بے شمار ہیں، اس نے ان کو عددِ واحد میں محدود کر دیا ہے، اور وہ مقدار بھی اور عددِ واحد بھی یہی ہے: ⨀۔

س۱۰: سورۂ قلم (۶۸:۴۲) میں ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ جس دن پنڈلی کھول دی جائے اور لوگ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے (۶۸:۴۲) پنڈلی کھولنے کی کیا تاویل ہے؟ اور سجدہ سے اس کی کیا نسبت ہے؟

ج: پنڈلی عقل ہے، کیونکہ تمام حدودِ دین کا قیام اسی پر ہے، اور پنڈلی کھولنے کا اشارہ ظہورِ عقل کی طرف ہے، اور اس واقعہ سے سجدے کا رشتہ یہ ہے کہ جواہرِ عقل کے لئے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے، لیکن یہ کام عوام النّاس کے لئے ممکن ہی نہیں۔

س۱۱: آیا سیّارۂ زمین پر اس افسانوی کوہِ قاف کا کوئی وجود ہے، جس پر جنّ و پری یا سیمرغ رہتا ہو؟

ج: ظاہر میں ایسا کوئی پہاڑ کہیں بھی نہیں، مگر روحانیت میں ایک نورانی پہاڑ ضرور ہے، جس پر جابجا ایسے الفاظ درج ہیں، جن کے آخر میں قاف ہی قاف ہے، جس میں بھیدوں کے جنّ و پری کے علاوہ روحِ اعظم کا سیمرغ رہتا ہے۔

س۱۲: وہ عجیب و غریب الفاظ جو کوہِ قاف پر لکھے ہوئے ہیں، کس نوعیت کے ہیں؟ خیر کو ظاہر کرتے ہیں؟ یا شرّ کو؟ یا دونوں معنی رکھتے ہیں؟ کیا ان کے نمونے قرآنِ مجید میں موجود ہیں؟

ج: وہ الفاظ حکمتوں سے پُر ہیں، جو خیر و شرّ دونوں پر روشنی ڈالتے ہیں، جن کی مثالیں قرآنِ حکیم میں جا بجا موجود ہیں، جیسے: قٓ (۵۰:۱) سے قلمِ قدرت مراد ہے، یعنی عقلِ کُلّ، اب چند ایسے قرآنی الفاظ ملاحظہ ہوں، جن کے آخر میں حرفِ "ق" ہے، مثلاً: صدق: اس کا مطلب یہ ہوا کہ صداقت کا اصل مقام مرتبۂ عقل ہے، کیونکہ اس لفظ کے آخر میں قاف آیا ہے، جو کہ عقل کے معنی رکھتا ہے، عمیق: عقل کی گہرائی، بیت العتیق: عقل کا قدیم گھر، عذاب الحریق: عقلی عذاب یعنی آتشِ جہالت سے جلنا، حقیق: حق شناس، وہ شخص جو مرتبۂ عقل تک رسائی رکھتا ہو، طبق: عقلی آسمان، سابق: نورِ عقل تک آگے بڑھنے والا، ساق: پنڈلی، یعنی عقل، جو حدودِ دین کی اساسِ ازلی ہے، عٓسٓقٓ (۴۲:۲): عشقِ حقیقی، جو عقل کی معرفت کے ساتھ ہو۔

س ۱۳: راہِ خدا میں قربانی کس کی ہوئی تھی؟ اور ذبیح اللہ کس کا لقب ہے؟ حضرتِ اسماعیلؑ کا؟ یا حضرتِ اسحاقؑ کا؟ بتایئے کہ ذِبحٍ عظیم (۳۷:۱۰۷) سے کیا مراد ہے؟

ج: قربانی کا حکم حضرتِ اسماعیل علیہ السّلام کے بارے میں ہوا، پھر بجائے اس کے کہ جسم قربان ہو، آپؑ کی روحانی قربانی ہوئی، اور یہی قربانی حضرتِ اسحاق علیہ السّلام کی بھی ہوئی، پس ایک پاکیزہ شخصیت کے بدل دو عظیم روحوں کی قربانی ذِبحِ عظیم کہلائی، دراصل ہر کامل انسان کی روح قربان ہو جاتی ہے۔

س ۱۴: سورۂ مومن (۴۰:۱۶) کے اس ارشادِ مبارک کی حکمت بیان کریں: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ آج کس کی بادشاہت ہے؟ خاص خدا کی جو اکیلا (اور) غالب ہے (۴۰:۱۶)۔

ج: خدا کے بادشاہِ قدیم ہونے میں کسی مومن کو کیوں کر شک ہو سکتا ہے،

تاہم یہ بھی ایک بڑی حکمت ہے کہ اس کی سلطنت عالمِ شخصی میں ظہورِ قیامت کے ساتھ ساتھ قائم ہوجاتی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ بادشاہی بصورتِ خلافت و نیابت ہوتی ہے، پس یہ بادشاہت یقیناً اللہ تعالیٰ کی ہے، حضرتِ قائمؑ کی ہے، اور مومنین کی ہے۔

س ۱۵: مومنین کی بڑی سے بڑی روحانی ترقّی کی کوئی مثال قرآنِ پاک سے پیش کریں، تاکہ وہ اپنی تمام تر ذمّہ داریوں کو صحیح معنوں میں محسوس کرسکیں۔

ج: مومنین حضراتِ انبیاوائمّہ علیہم السّلام کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے روحانیت کے تمام مراحل سے آگے جاسکتے ہیں، تاآنکہ وہ چشمِ باطن سے یہ دیکھ لیں کہ عالمِ جبین میں نورِ ازل ابھی ابھی طلوع ہوا، یہ نور خورشیدِ عقل بھی کہلاتا ہے، جس کا مشرق ومغرب ایک ہی جگہ ہے (۸:۶۶؛۱۲:۵۷) یہیں سب سے بڑا دیدار اور مرتبۂ فنا حاصل ہوجاتا ہے، اور اسی مقام پر جملہ مخفی خزائن اور ان کی کلیدیں موجود ہیں، چنانچہ حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے بمقامِ حسن آباد (بمبئی) ایک خاص مجلس میں دستِ مبارک سے بطورِ نمونہ اپنی پاک پیشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''یہاں بہشت ہے، اسے حاصل کرلو'' یہ بابرکت ارشاد ڈائمنڈ جوبلی کے پُرمسرّت ایّام کی یاد تازہ کرتا ہے (۱۹۴۶ء)۔

نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

پیر ۱۸؍ جمادی الاوّل ۱۴۱۰ھ

۱۸؍ دسمبر ۱۹۸۹ء

چوٹی کے سوالات

قسط:۲

س۱: آپ نے سورۂ انعام (۶:۱۸؛ ۶:۶۱) کے حوالے سے یہ نوٹ کیا ہے: ''خدا کی زبردستی اس کے خاص بندوں پر خوب چلتی ہے، اور اسی میں بڑی حکمت ہے۔'' اس میں کیا راز ہے؟

ج: دونوں جگہ وہ مبارک الفاظ یہ ہیں: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۔ وہی اپنے (خاص) بندوں پر غالب ہے۔ دنیا کے ہر ظالم کی زبردستی میں شرّ و فساد ہے، مگر اللہ کی زبردستی (قاھریت) میں خیر و صلاح اور عظیم حکمت ہے، لہٰذا اس کا تعلق منکرین سے نہیں، صرف مومنین ہی سے ہے، کیونکہ کافروں کو دنیوی زندگی کی مہلت دی گئی ہے، مگر ہاں قیامت کے دن (۴۰:۱۶)۔

س۲: سورۂ مومن (۴۰:۱۵) میں ہے: رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ ۚ۔ خدا تو درجات کا بلند کرنے والا (اور) عرش کا مالک ہے (۴۰:۱۵) اس ارشاد کا تاویلی مفہوم کیا ہے؟

ج: درجات سے حدودِ دین مراد ہیں، اور عرش کے معنی ہیں عقلِ کُلّی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا تمام حدود کو عقلِ کُلّی تک بلند کرتا ہے، جہاں علم و معرفت اور اسرارِ خداوندی کی ازلی وابدی بہشت اور اس کی تمام نعمتیں موجود ہیں۔

س۳: تقیہ الگ ہے، مگر روحانی علم کو چھپانا ظلم ہے، جیسا کہ خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ (۲:۱۴۰) اور اس سے

بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے کوئی گواہی (موجود) ہو اور پھر وہ چھپائے (۲:۱۴۰) کیا آپ اس کی مزید وضاحت کریں گے؟

ج: اگر کسی شخص نے اللہ کے نورِ ہدایت کی روشنی میں قرآن اور اسلام کے روحانی عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا ہے، تو یہ اس پر خدا کی طرف سے ایک بڑا مقدّس فریضہ بن جاتا ہے کہ اس شہادت کو ہادیٔ زمان کے منشاء کے مطابق بیان کرے، ورنہ وہ بہت بڑا ظالم قرار پائے گا۔

س۴: عاشق اور عارف میں کیا فرق ہے؟ عارف اور معرفت کا درجۂ کمال کیا ہے؟ معرفت کے بارے میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ گرامی کیا ہے؟ اور اس باب میں امامِ عالیمقام صلوات اللہ علیہ کی کیا ہدایتِ عالیہ ہے؟

ج: ایمان میں درجہ بدرجہ عشق موجود ہے، مگر معرفت علم الیقین کی بنیاد پر عین الیقین سے شروع ہو کر حق الیقین کے مقام پر مکمل ہو جاتی ہے، اور یہی اس کا درجۂ کمال ہے، یہ بڑا اعمدہ قول ہے: **سبحٰنكَ ماعبدناكَ حقّ عبادتكَ، سبحٰنكَ ماعرفناكَ حقّ معرفتكَ**۔ تُو پاک ہے ہم نے تیری عبادت نہیں کی جیسا کہ اس کا حق ہے۔ تُو پاک ہے ہم نے تجھ کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، ارشادِ نبوی ہے: **أعرفكم بنفسهٖ أعرفكم بربّه**۔ تم میں جو سب سے زیادہ اپنی روح کو پہچانتا ہے، وہی تم میں سب سے زیادہ اپنے ربّ کو پہچانتا ہے۔ اس سے معرفت کے بہت سے درجات مرتب ہو جاتے ہیں، اسی کی تصدیق کرتے ہوئے مولا علیؑ نے فرمایا: **مَن عَرف نَفسه فَقد عَرف رَبّه**۔ جس نے اپنی روح (یعنی انائے علوی) کو پہچانا بیشک اس نے اپنے پروردگار کو پہچانا، آپ ائمّۂ برحقؑ کے ان گرانمایہ ارشادات کا مطالعہ کریں، جو معرفت کے بارے میں ہیں۔

س ۵: یہ آپ ہی کا بیان ہے: ''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مسگار میں قربان علیخان صاحب کے گھر میں بموقعِ دعوتِ بقاشب بیداری کی مجلس جاری تھی، اس حال میں مجھ پر چند لمحات کے لئے نیم خوابی کی کیفیت طاری ہوئی، اور یکایک قرآنِ مجید جو درمیانی سائز کا تھا سامنے آیا، اور تیزی سے خود بخود اس کے مقدّس اوراق کھلتے گئے، یہاں تک کہ آیۂ کرسی پر یہ عمل ٹھہر گیا۔'' اس کے کیا معنی ہیں؟

ج: اس کے معنی انتہائی عجیب وغریب ہیں، مثلاً:

الف: آیۂ کرسی میں امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کے مرتبۂ اسمِ اعظم پر ہونے کا ذکر ہے۔

ب: یہ اعظم الآیات ہے، اس لئے اس کا پڑھنا ضروری ہے۔

ج: صاحبِ خانہ اور اہلِ مجلس کیلئے خوشخبری تھی۔

د: اس میں یہ واضح اشارہ بھی تھا کہ قرآنی روح و روحانیت سے کامل رسائی ہوسکتی ہے، اور مرتبۂ عقل پر قرآنِ مجید کی معرفت بھی ممکن ہے۔

س۶: شیاطین اِنسی شکل کے بھی ہیں، اور جِنّی صورت کے بھی (۲:۱۱۲)، آپ بتائیں کہ ان میں زیادہ خطرناک کون ہیں؟ نیز یہ بیان کریں: اس کے کیا معنی ہیں کہ شیطان صراطِ مستقیم کے مسافروں پر آگے، پیچھے، داہنے، اور بائیں سے حملہ کرتا ہے؟

ج: شیاطینِ انسی سے احتیاط بیحد ضروری ہے، آگے سے حال و مستقبل مراد ہے، پیچھے ماضی ہے، داہنے ظاہر ہے، اور بائیں باطن (۷:۱۷)، چونکہ شیطان دراصل رجیم (سنگسار کیا گیا، اور سنگسار کرنے والا) ہے، لہٰذا وہ مذکورہ اطراف سے گمراہ کُن باتوں کی سنگباری کرتا ہے، جس کا دفاع ولیٔ امر ہی کے علم سے ہوسکتا ہے۔

س ۷: اصحابِ فیل کا واقعہ حضورِ انورؐ کی پیدائش سے ایک سال قبل کا ہے، لیکن قرآنِ حکیم کا خطاب اس طرح ہے، جیسے یہ واقعہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی پیش آیا ہو، جیسا کہ ارشاد ہے : اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِؕ (۱۰۵:۱، اے رسولؐ) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ اس میں کیا راز ہے؟

ج: روحانیت ایسا معجزہ ہے کہ اس سے ماضی بھی اور مستقبل بھی حال میں مرکوز ہو جاتے ہیں، چنانچہ سرورِ انبیا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم چشمِ باطن سے ہر ضروری چیز کا مشاہدہ کرتے تھے، جس کا اشارہ قرآنِ پاک میں موجود ہے (دیکھو آیۂ کشفِ غطاء ۵۰:۲۲)۔

س ۸: آپ نے چند سال قبل اپنے بعض تلامذہ سے کہا تھا کہ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں لفظِ "کذالکَ" آیا ہے وہاں آیۂ ماقبل اور مابعد کو خوب غور سے دیکھا کرو، کیونکہ وہاں کچھ جواہرِ اسرار پوشیدہ ہیں، اور آپ کے کہنے پر ایک ہوشمند سٹوڈنٹ نے اس سے متعلّق تمام حوالہ جات کا گوشوارہ بنا کر پیش کیا تھا، تو کیا آپ یہاں اس کلید کی بہت بڑی اہمیت کی کوئی مثال بیان کریں گے؟

ج: اس لفظ میں کاف حرفِ تشبیہہ ہے، اور ذالکَ اسمِ اشارۂ بعید، پس کذالکَ کے معنی ہوئے اُسی طرح، مثال: وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًاؕ (۲:۱۴۳) اور اُسی طرح (یعنی اگلے قانونِ ہدایت کے مطابق اے گروہِ ائمہ) ہم نے تم کو عادل اُمّت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسولؐ تم پر گواہ بنیں (۲:۱۴۳) اس آیۂ کریمہ کی واضح حکمت یہ ہے کہ نورِ نبوّت امامؑ پر دائمی گواہ اور حاضر و ناظر ہے، اور نورِ امامت لوگوں پر

دائمی گواہ اور حاضر و ناظر ہے، جیسا کہ سورۂ توبہ (۹:۱۰۵) میں ارشاد ہے: وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط اور (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ ابھی تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومنین (یعنی ائمہؑ) تمہارے کاموں کو دیکھیں گے (۹:۱۰۵)۔

س ۹: اللہ تعالیٰ کے حضور جانے کی کیا کیفیت ہوگی؟ کیا لوگ تنہا تنہا جائیں گے (۶:۹۴)؟ یا گروہ گروہ ہو کر (۱۷:۱۰۴)؟

ج: خداوندِ تعالیٰ انسانِ کامل میں سب لوگوں کو سمیٹ کر نفسِ واحدہ بنائے گا، اب یہی اکیلا شخصِ کامل خدا کے پاس جا سکے گا (۳۱:۲۸) کیونکہ جب لوگ دنیا کی طرف آرہے تھے، تو اس وقت بھی وہ سب کے سب نفسِ واحدہ میں ذرّاتِ روحانی تھے، اور واپسی پر بھی ایسے ہی ہوں گے، پس نفسِ واحدہ ایک طرف سے سب ہے، اور دوسری طرف سے اکیلا (۴:۱؛ ۶:۹۸؛ ۷:۱۸۹؛ ۳۱:۲۸؛ ۳۹:۶)۔

س ۱۰: جب نفسِ واحدہ یعنی انسانِ کامل کے خدائے بزرگ و برتر کی طرف لوٹ جانے کا یہ عالم ہے، جس کا ذکر ہوا، تو کیا آپ کوئی ایسی آیۂ مقدّسہ بتا سکتے ہیں، جس کی حکمت سے یہ معلوم ہو کہ حضورِ اکرمؐ میں زمانہ بھر کے لوگوں کا انبعاث ہوا تھا؟

ج: ایسی آیاتِ کریمہ کئی ہیں، مثال کے طور پر سورۂ نصر (۱۱۰:۱-۳) کو لیں: (اے رسولؐ) جب خدا کی مدد اور (ذاتی قیامت و عالمگیر) فتح آپہنچی تو تم نے (دنیا بھر کے) لوگوں کو (بصورتِ ذرّات) دیکھا کہ غول کے غول خدا کے دین (یعنی تمہاری شخصیت) میں داخل ہو رہے تھے، پس تم مقامِ عقل پر اپنے ربّ کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، وہ بیشک توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی جب کوئی روحانی سفر میں عملاً لوٹ کر اس کے پاس جاتا ہے، تو اس کو قبولتا ہے، اور اپنی

ذات میں فنا کر لیتا ہے، پس توبہ کے اصل معنی یہی ہیں۔

س ۱۱: جیسا کہ س نمبر ۹ کے حوالے سے ظاہر ہے کہ روزِ قیامت بندے کو خدا کے پاس جانا ہے، لیکن دوسری طرف سورۂ فجر میں یہ ارشاد ہوا ہے: وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۸۹: ۲۲) اور تمہارا پروردگار اور فرشتے قطار کی قطار آجائیں گے (۸۹: ۲۲) آپ وضاحت کریں کہ قیامت کے دن لوگوں کو اللہ کے حضور جانا ہے؟ یا خدا اور فرشتوں کو دنیا میں نازل ہونا ہے؟

ج: عالمِ امر لامکان ولازمان ہے، لہٰذا اس کے حقائق و معارف مکان و زمان کی کسی ایک تشبیہ و تمثیل میں محدود نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کا بیان مختلف مثالوں میں کیا جاتا ہے، پس جو ذات حقیقت میں آنے جانے سے برتر ہے، اس کے متعلق مجازاً یہ کہنا درست ہے کہ لوگ اس کی طرف جانے والے ہیں، اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ وہ ذاتِ پاک لوگوں کے پاس آنے والی ہے۔

س ۱۲: اگر خداوندِ عالم بذاتِ پاکِ خود آنے جانے سے منزّہ و برتر ہے، تو پھر پروردگار اور فرشتوں کے نزول کی یہ مثال کس چیز سے دی گئی ہے؟

ج: اس انتہائی عظیم واقعہ کی مثل حضرتِ قائم القیامت علینا سلامہ کا ظہور ہی ہے، جس کا تعلّق عالمِ دین اور عالمِ شخصی سے ہے، اَلحمد لِلّٰہ علیٰ مَنّہٖ و اِحسَانہٖ۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

جمعہ ۲۲ / جمادی الاوّل ۱۴۱۰ھ

۲۲ / دسمبر ۱۹۸۹ء

سابِقُون کی سبقت کا راز

۱- اَلسَّبقُ: اس کے اصل معنی ہیں چلنے میں کسی سے آگے بڑھ جانا، اسی سے سابق ہے، یعنی آگے بڑھنے والا، اور اس کا صیغۂ جمع سابقون اور سابقین ہے (یعنی آگے بڑھنے والے) چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ (۵۶:۱۰) اور جو آگے بڑھنے والے ہیں وہ آگے ہی بڑھ جانے والے تھے۔

۲- سابق کی حکمت: لفظِ سابق کے آخر میں حرفِ قاف (ق) موجود ہے، جو مرتبۂ عقل کا اشارہ ہے، چنانچہ سابقون وہ خوش بخت حضرات ہیں، جو سرچشمۂ عقل کی طرف سب سے آگے بڑھ جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ احوالِ روحانی اور اعمالِ ظاہری میں بھی سبقت کرتے ہیں، کیونکہ عقل ہی سے روح اور جسم کی بہتری ہو سکتی ہے۔

۳- سابقون اور نامۂ اعمال: سورۂ واقعہ (۵۶) کی ابتدائی بارہ آیاتِ مقدّسہ کو مع ترجمہ غور سے پڑھ لیں، جس سے پتا چلے گا کہ زلزلۂ قیامت سے عالمِ شخصی کے پہاڑ (منجمد روحیں) کس طرح ذرّات بن کر اڑنے لگتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت لوگ تین درجوں میں ہو جاتے ہیں: داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال لینے والے، بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال لینے والے، اور سابقون، جو سب سے آگے ہیں، جو مقربین ہیں، جن کا نامۂ اعمال سامنے (جبین) اور عِلّیّین میں ہے (۸۳:۱۸-۲۳)۔

۴- **عِلّیّین کیا ہے؟**: اگر چہ لفظِ عِلّیّین کے بارے میں کئی وضاحتیں ہو چکی ہیں، لیکن کوئی ربانی خزینہ چند ہی سکّوں کے لینے سے کس طرح ختم ہوسکتا ہے، چنانچہ عِلّیّین کی مزید حکمت یہ ہے کہ روحانیت اور قیامت کے موقع پر ہر مومن کی پیشانی میں علیؑ کا نور تابان و درخشان ہوگا (۶:۱۲۲؛ ۵۷:۱۲؛ ۵۷:۱۹؛ ۶۶:۸) چونکہ ہر امام اپنے وقت کا علیؑ ہی ہوا کرتا ہے، لہٰذا تمام حضرات اَئمّہ علیہم السّلام کا اجتماعی نام عِلّیّین یا عِلّیّون (۸۳ : ۱۸ - ۱۹) ہوا، آپ نے کتابِ ''وجہِ دین'' میں پڑھا ہوگا کہ امام ہی مومنین کی گردن (عُنُق ۱۷:۱۳) ہے، اور اسی میں ان کا نامۂ اعمال ہے، پس حضرتِ امامِ عالیمقامؑ کے جن نیک بخت مریدوں نے اپنی پیشانی ہی میں امامِ اقدس واطہرؑ کا نورانی دیدار کیا ہے، تو انھوں نے عِلّیّین (کتابِ مرقوم) میں بطورِ پیشگی یعنی قبل از جسمانی موت اپنے نامۂ اعمال کا مشاہدہ کیا، اور یہ کتنی بڑی سعادت اور کیسی عظیم بشارت ہے کہ دوستانِ خدا چشمِ بصیرت سے نورِ عقل کو دیکھتے ہیں۔

۵- **نُورانی کُرتے (سرابیل ۱۶:۸۱)**: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے نور کے ایسے لباس بنائے ہیں، جو آتشِ نادانی کی حرارت و گرمی سے بچا سکتے ہیں، اور ایسے کپڑے بھی، جو جنگِ قیامت (جہادِ روحانی) میں مومنین کے لئے بیحد ضروری ہیں، یعنی نورِ اساس (علیؑ) کے لباس اور نورِ قائمؑ کے لباس، کہ پہلے میں علمِ دین ہے، اور دوسرے میں علمِ قیامت، اور آپ نے یہ حکمت سنی ہوگی کہ مقامِ روح اور مقامِ عقل پر امامِ برحق علیہ السّلام کے نور سے مذکورۂ بالا کُرتے بنتے ہیں، جن کے بہت سے نام ہیں، اور ان میں سے ایک نام عِلّیّین بھی ہے۔

۶- **دَوڑ پڑو۔ آگے بڑھو**: آپ یہ حکم سورۂ آلِ عمران (۳:۱۳۳)

اور سورۂ حدید (۲۱:۵۷) میں دیکھ سکتے ہیں، لیکن اس دوڑنے اور آگے بڑھ جانے کے کیا معنی؟ جبکہ دین میں ہر قول وفعل سنجیدگی اور سکون سے کیا جاتا ہے؟

ج: یہ امر علم وعمل میں سبقت کرنے سے متعلّق ہے، اور اس کا زیادہ سے زیادہ تعلّق منازلِ عقل سے ہے، کیونکہ وہاں تو مومنین کا نور دوڑتا رہتا ہے (۱۲:۵۷؛ ۸:۶۶) تاہم مجموعی اعمال میں سبقت کا یہ اشارہ ہے کہ بہشت میں داخل ہو جانا آسان بات ہے، مگر اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے خود کو دوسروں کے حق میں بہشت بنانا انتہائی مشکل کام ہے۔

۷- **طریقِ احسن**: قرآنی و اسلامی ہدایات وتعلیمات سے صراطِ مستقیم مرتب ہو جاتی ہے، جس پر قدم بقدم اور منزل بمنزل آگے بڑھ جانا مقصود ہے، اور یقیناً اسی عمل میں بہتر سے بہتر چیز کی پیروی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ منزلِ آخرین میں عقل کا معجزہ آتا ہے، جو سب سے بہترین چیز ہے، جیسا کہ حضرتِ موسیٰؑ سے فرمایا گیا: تم توریت کو مضبوطی سے لو اور اپنی قوم کو حکم دے دو کہ اس کی اچھی سے اچھی باتوں پر عمل کریں (۱۴۵:۷) اور اگر قرآنِ حکیم کی ان آیاتِ مبارکہ میں، جن میں لفظِ ''احسن'' موجود ہے، خوب غور سے دیکھا جائے، تو یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ قرآنی ہدایات درجہ بدرجہ ہیں، اور اس کی تعلیمات رفتہ رفتہ نورِ عقل تک پہنچا دیتی ہیں، پس یہی عقلی راستہ اس کا طریقِ احسن ہے۔

۸- **درجات کی سیڑھیاں**: قرآنِ کریم کے کُلّ اٹھارہ مقامات پر درجہ اور درجات کا ذکر موجود ہے، سورۂ معارج (۷۰) میں سیڑھیوں کا، اور سورۂ اِنشقاق (۱۹:۸۴) میں طبقات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، الغرض سب سے اعلیٰ سیڑھی

کے مختلف مدارج پر انبیا جا رہے تھے، پھر اسی طرح اولیا کی سیڑھی اس کے نیچے لگی ہوئی ہے، جس پر دوستانِ خدا زینہ بزینہ چڑھ رہے ہیں، اس کے تحت شہدا کی سیڑھی جڑی ہوئی ہے، جو صالحین کی سیڑھی پر قائم ہے، اس کا قیام تابعین کی سیڑھی پر ہے، اور یہ عوام النّاس کی سیڑھی پر کھڑی کی گئی ہے، یہی تصوّر صراطِ مستقیم کا ہے (۶۹:۴) لیکن یہاں بڑا اہم سوال یہ ہے کہ ان بے شمار درجوں کا تعین کس فرق و تفاوت کی بنیاد پر کیا گیا ہے؟

جواب: فرق و امتیاز میں اصل چیز علم ہی ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے: نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ'' (۷۶:۱۲) ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں اور ہر صاحبِ علم سے اوپر ایک اور عالم ہے (۷۶:۱۲) اس سے یہ حقیقت کسی شک کے بغیر ظاہر ہوئی کہ قرآنی علم وعرفان درجہ بدرجہ اوپر سے اوپر جا کر خورشیدِ عقل سے مل جاتا ہے، پھر وہاں سے اس کا ایک پہلو نورِ منزّل کے ساتھ نیچے آ کر پھیل جاتا ہے۔

۹- اسلام کے دو نام: دینِ قائم اور دینِ فطرت اسلام کے خاص ناموں میں سے ہیں، دینِ قائم (۳۶:۹) اس معنٰی میں کہ یہ اپنی باطنی جڑوں پر قائم و برجا ہے، اور اس میں ذرّہ بھر کوئی تبدیلی نہیں آسکتی، اور دینِ فطرت (۳۰:۳۰) اس وجہ سے کہ یہ ظاہری حرکت و ارتقا میں قانونِ فطرت کے عین مطابق بنا ہے، تاکہ انسان کی ترقّی میں کوئی تنگی (حرج ۷۸:۲۲) نہ ہو، پس ہر مومن کے لئے نہ صرف مادیت میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ روحانی عروج ضروری ہے، تاکہ وہ دیدۂ دل سے یہ دیکھ سکے کہ عالمِ شخصی کے خزانوں میں حقائق و معارفِ اسلام

کس شان سے تر و تازہ محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

۱۰- کائناتی اور آفاقی ہدایت: اگر کوئی دانشمند اللہ تعالیٰ کی ہدایتِ کُلیّہ کو چشمِ ظاہر سے دیکھنا چاہے، تو وہ اس کائنات کے بحرِ محیط کی حرکتِ مستدیر کی شکل میں دیکھ سکتا ہے، کہ کس طرح آسمان، ستارے، زمین، اور چار موسم دائمی گردش میں ہیں، اسی معنیٰ میں فرمایا گیا: وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (۳۶:۴۰) اور ہر چیز ایک دائرے میں گردش کرتی ہے، یہ تو ہوئی ہدایتِ مدوّر، اور اب اس ذیلی ہدایت کے بارے میں بات کرتے ہیں، جو ارتقائی صورت میں کام کر رہی ہے، وہ ہے جمادات سے نباتات بنانا، نباتات کو حیوان میں فنا کر دینا، حیوان کو انسانیت کی خاطر قربان کر دینا، اور عام انسانوں کو انسانِ کامل سے واصل کر لینا، اس سے ظاہر ہوا کہ قرآنِ پاک کے علاوہ کتابِ کائنات کے متعدد مقامات پر بھی ''آگے بڑھو، اور ترقّی کرو'' کا حکم مرقوم ہے، پس اے بھائیو! اپنے علم و عمل کی کوششوں کو تیز تر کرو۔

۱۱- فطرت کا بہترین نمونہ: آدم و آدمی کو بجا طور پر قانونِ فطرت کا شہکار مانا جاتا ہے، کیونکہ دستِ قدرت کی تخلیق کا بہترین نمونہ یہی ہے، جیسے ربّ العزّت کا ارشاد ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۰:۳۰) اس کا حکمتی مفہوم یہ ہے: پس اے رسولؐ تم ابراہیمؑ کی طرح باطل سے کترا کے مرتبۂ عقل پر اپنے چہرۂ جان کو دین کے لئے پیکرِ نورانی قرار دو، وہی خدا کی بناوٹ ہے، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی اس بناوٹ میں بدل نہیں ہوسکتا یہی

اُستوار اور سیدھا دین ہے، مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں (۳۰:۳۰) ملاحظہ ہو: قرآنی میناروں سے روشنی، قسطِ دوم، ۸- ایک بہت بڑا راز۔

۱۲- صورتِ رحمان کا سرِّ عظیم: جب خدائے پاک و برتر خود جسم نہیں ہے، تو پھر اس کے اعضاو جوارح اور صورت بھی نہیں، وہ ایسی تشبیہہ و تمثیل سے منزّہ ہے، مگر یہ ہے کہ وہ پیغمبر اور امام کو اپنا خلیفہ بنا کر کہہ سکتا ہے کہ یہ میرا نور، میری روح، میرا چہرہ، اور میرا ہاتھ ہے، اور اللہ کی یہی سُنّت چلی آئی ہے، سو حضرتِ آدمؑ سے قبل جو امام تھا، اس کو صورتِ رحمان کی مرتبت حاصل تھی، چنانچہ پروردگارِ عالم نے اسی سابقہ صورتِ رحمانی پر حضرت آدمؑ کو پیدا کیا، تاہم یہ راز سمجھ لینا کہ اس میں تخلیقِ روحانی اور چہرۂ جان کا تذکرہ ہے، اور یہی چہرہ مقامِ عقل پر وجہُ اللہ کی نمائندگی کرتا ہے (۲۸:۸۸؛ ۵۵:۲۷) پس مذکورۂ بالا آیۂ مبارکہ میں بزبانِ حکمت یہ ارشاد ہوا ہے کہ دینِ حنیف، دینِ قائم، اور دینِ فطرت یہ ہے کہ رسولِ خداؐ اور امام زمانؑ کے چہرۂ روحانی کو صورتِ رحمان اور وجہُ اللہ مان لیا جائے، اور ایسے حقائق و معارف کی بہت بڑی اہمیّت کے پیشِ نظر سابقون کی شاندار تعریف کی گئی ہے، وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۳۶:۱۷)۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

بدھ ۲۷/ جمادی الاوّل ۱۴۱۰ھ

۲۷/ دسمبر ۱۹۸۹ء

چوٹی کے سوالات

قسط: ۳

س۱: آپ نے اپنی تحریروں میں بار بار یہ ذکر کیا ہے کہ آدم صفی اللہ علیہ السّلام سے قبل کے بہت سے ادوار میں بہت سے آدم ہو گزرے ہیں، اور آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس دورِ کبیر کا آدم سراندیب (SRI LANKA) میں پیدا ہوا تھا، اگر ایسا ہے، تو کیا آپ بتائیں گے کہ آدمِ سراندیبی کے والد کا کیا نام تھا؟

ج: آدم ایک اجتماعی لقب ہے، جس کا اطلاق ہر دورِ کبیر کے ابتدائی انسانِ کامل، ہر ناطق، اور ہر امام پر ہوتا ہے، عبداللہ آدمِ سراندیبی کا ذاتی لقب ہے، ان کا اصل نام تخوم ہے، اور ان کے والد کا نام بجلاح بن قوامہ بن ورقتہ الرّویادی ہے (بحوالۂ سرائر و اسرار النّطقاء، ص ۱۳۱، جعفر بن منصور الیمن)۔

س۲: سورۂ صافّات (۳۷:۷۷) میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ خداوندِ عالم نے صرف حضرتِ نوح علیہ السّلام ہی کی ذرّیّت کو دنیا میں باقی و برقرار رکھا (۳۷:۷۷) جبکہ سورۂ ھود (۱۱:۴۷) سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپؑ کے ساتھ کشتی میں مومنین کی جماعتیں (اُمم) بھی تھیں، آیا ایسے لوگوں کی ذرّیّت، جن سے سلامتی اور برکتوں کا وعدہ فرمایا گیا تھا، رفتہ رفتہ ہلاک ہو گئی؟

ج: ہرگز ایسا نہیں، کشتی میں جتنے لوگ اور جس قدر ذرّاتِ روحانی سوار ہوئے تھے، ان سب کو حضرتِ نوحؑ کی ذرّیّتِ روحانی ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور مذکورہ آیۂ مبارکہ میں اسی ذرّیّت کو باقی رکھنے کا ذکر ہے۔

س ۳: سورۂ سجدہ (۳۲: ۱۷) میں ہے: ان لوگوں کی کارگزاریوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی ہے، اس کو تو کوئی نفس (شخص) جانتا ہی نہیں (۳۲: ۱۷) آنکھوں کی ٹھنڈک سے کیا مراد ہے؟ اور اس میں نفس کا ذکر کیوں فرمایا گیا ہے؟

ج: آنکھوں کی ٹھنڈک امامِ اقدس واطہر صلوات اللہ علیہ کا وہ پاک دیدار ہے، جو نیکوکاروں کو مرتبۂ عقل پر حاصل ہو جاتا ہے، جس کے تحت بہشت کی تمام نعمتیں مہیّا ہیں، اور نفس کا ذکر یہاں اس وجہ سے ہے کہ یہ مقامِ عقل کا قصّہ ہے، منازلِ جان (نفس) کا نہیں، یعنی یہ معرفت عقل ہی کو حاصل ہو جاتی ہے۔

س ۴: ہر پیغمبر اپنے قرآنی قصّے میں دوسرے تمام انبیا اور جملہ أئمّہ کا ترجمان (INTERPRETER) ہوا کرتا ہے، اسی طرح ماضی کے قصّۂ مومنین میں بعد کے اہلِ ایمان کے لئے بہت سی مثالیں ہیں، جیسے زمانۂ آدم کے مومنین کہ وہ روحانیت میں فرشتے تھے، اور جسمانیت میں بشر، اب آپ اسرائیل (حضرتِ یعقوبؑ) اور بنی اسرائیل کی مناسبت سے یہ بتائیں کہ اس نام میں کیا اشارہ ہے؟

ج: اسرائیل عبرانی اسم ہے، چنانچہ اسرائیل کے معنی ہیں: عبداللہ، یعنی بندۂ خدا، جبکہ اِسرا بندہ ہے، اور اِیل خدا، یعنی اللہ کا خاص بندہ، پس بنی اسرائیل کے معنی ہوئے: خدا کے بندۂ خاص کی اولاد، جس سے ہادیٔ برحق کے فرزندانِ روحی مراد ہیں، تاکہ ہر مقام پر اور ہر مثال میں قرآنی علم وحکمت کا رخ مومنین ہی کی طرف ہو جائے، اور قرآنِ حکیم کو ایسا ہی ہونا تھا، پھر آپ اس بیان کی روشنی میں یوں سمجھ لیں کہ روحانیت میں وہی سارے معجزات، تمام نعمتیں، اور فضیلتیں اب بھی موجود ہیں، جن کا ذکر قصّۂ موسیٰؑ میں ملتا ہے (۲: ۴۷؛ ۵: ۲۰؛ ۱۷: ۱۰۱) بلکہ وہ جملہ نعمتیں بھی، جن

کا تذکرہ دیگر انبیاؑ کے قصّوں میں آیا ہے۔

س ۵: سورۂ یونس (۱۰:۸۷) میں ارشاد ہے: اور ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی (ہارونؑ) کے پاس وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لئے گھر بناؤ اور اپنے اپنے گھروں ہی کو قبلہ قرار دے کر پابندی اور درستی سے نماز پڑھا کرو اور مومنین کو خوشخبری دے دو (۱۰:۸۷) اگر چہ یہ شریعتِ موسیٰؑ کا ذکر ہے، تاہم سورۂ نور کی آیۂ مصباح (۲۴:۳۵) کے بعد والی دو آیتوں میں بھی غور سے دیکھ کر بتائیں کہ لفظِ قبلہ میں کیا حکمت ہے؟ اور فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ... (۲۴:۳۶-۳۷) کے کیا معنی ہیں؟

ج: قرآنِ کریم کی ہر آیۂ مبارکہ کی بے شمار خوبیاں ہیں، اور سب سے خاص خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی حکیمانہ ہدایت سے بندۂ مومن کو خدا سے واصل کر دینے کی بھر پور صلاحیت رکھتی ہے، چنانچہ خانۂ جسم اور خانۂ جان کو قبلہ بنانے کا یہ اشارہ ہے کہ مرتبۂ فنا فی اللہ حاصل کیا جائے، یہی سبب ہے کہ پروردگارِ عالم نے مومنین کو اجتماعی عبادت کے تاکیدی حکم کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے گھروں میں انفرادی ذکر و تسبیح کی اجازت بھی دے رکھی ہے، کیونکہ جب قرآن ذکرِ کثیر کرنے کے لئے فرماتا ہے (۳۳:۲۱؛ ۳۳:۴۱؛ ۶۲:۱۰) تو اس کا ایک بڑا حصّہ گھر ہی میں ہوسکتا ہے۔

س ۶: قانونِ فطرت کے مطابق سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں (۹:۳۶) بنی اسرائیل میں بارہ نقیبوں کا انبعاث ہوا (۵:۱۲) حجرِ مکرم سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (۲:۶۰) اور حضرتِ عیسیٰؑ کے بارہ حواری تھے (۳:۵۲) اس بارہ کے عدد میں کیا حکمت ہے؟

ج: اس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے اپنے وقت میں ناطق، اساس، اور امام کے

بارہ بارہ جنّت ہوتے ہیں۔

س ۷: یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ انسان نام ہے جسم، روح، اور عقل کا، اور آپ نے یہ مثال دی تھی کہ جسمِ انسانی ایسے قطعۂ زمین کی طرح ہے، جس کو دربارِ شاہی بنانے کے لئے پسند کر کے درست کیا جاتا ہے، روح وہ بہترین چبوترا ہے، جو دربارِ جسم میں بنایا گیا ہے، اور اس پر تختِ عقل بڑی شان سے سجایا جاتا ہے، تاکہ اس پر بادشاہ جلوہ افروز ہو، اس تشبیہ و تمثیل سے عقل کی فضیلت و برتری واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے، اب اگر کوئی بندۂ مومن قرآنِ حکیم کی ہر آیت میں عقل کی تجلّیوں کو دیکھنا چاہے، تو یہ امر کس طرح ممکن ہوگا؟

ج: یہ سوال قرآنِ پاک کی معرفت ہی کے بارے میں ہے، جو ربِّ کریم کی پہچان سے الگ نہیں، اس کا طریقہ خودشناسی ہی ہے، تاکہ خدا اور کلامِ خدا (قرآن) کی شناخت ہو، کیونکہ قرآنِ عظیم کے تین بڑے مرتبے ہیں:

مرتبۂ اوّل: ظاہر

مرتبۂ دوم: روحانیت

اور مرتبۂ سوم: عقلانیت

جو انتہائی بلندی پر ہے، اور حقیقی بہشت وہی ہے۔

س ۸: کیا آپ قرآنِ عزیز کے مذکورہ تین مراتب کے بارے میں کچھ وضاحت کریں گے؟ عَلَی الخصوص روحانیت اور عقلانیت کے باب میں ضروری باتیں بتائیں۔

ج: قرآنِ حکیم کا ظاہر آپ کے سامنے ہے، اس کے علاوہ قرآن کی ایک عظیم روح (۴۲:۵۲) اور ایک کامل عقل بھی ہے، عقل کا دوسرا نام نور ہے (۴۲:۵۲)

قرآنِ مجید آنحضرتؐ کے قلبِ مبارک پر زندہ روح اور نور (عقل) کی صورت میں نازل ہوا تھا، لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ زندہ اور حرکت والی چیزیں تحریر میں منتقل ہو جائیں، چنانچہ کتابِ سماوی کا ظاہری مرتبہ کاتبانِ وحی سے لکھایا گیا، مگر اس کی روحانیت و نورانیت حضورِ اکرمؐ کے جانشین میں منتقل کی گئی، اسی لئے ارشاد ہوا کہ نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہیں (مفہوم ۵:۱۵)۔

اب جو شخص بطریقِ خود شناسی خلیفۂ رسولؐ میں فنا ہو جائے، وہی مشاہدہ کر سکے گا کہ قرآنِ پاک کی روح و روحانیت اور عقل و عقلانیت کی کیسی کیسی کائناتیں ہیں! قرآن میں ارض و سما کے ذکر کو دیکھ کر اگرچہ مادّی زمین و آسمان کو ذہن میں لانا بجا ہے، لیکن یہ بات ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ یہی تذکرہ عالمِ روحانی اور عالمِ عقل کا بھی ہے، اسی طرح سراسر قرآن میں ایک ساتھ جسمانی، روحانی، اور عقلی چیزوں کا ذکر موجود ہے۔

س ۹: بیت المقدّس کے عابدوں میں اس بات پر باہم جھگڑا ہوا کہ ہر شخص حضرتِ مریمؑ کی پرورش کرنے کی تمنا رکھتا تھا، آخر یہ مشورہ قرار پایا کہ وہ سب اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیں، اور جس کا قلم تیرتا رہ جائے، وہی مریمؑ کی کفالت کرے گا، اس میں حضرت زکریاؑ کے قلم کو معجزہ ہوا، اور دوسرے تمام قلم ڈوب گئے، اس کی کیا تاویل ہے؟

ج: قلم نورِ عقل کا نام ہے، جو امامِ اقدس و اطہرؑ کی مبارک پیشانی میں تیرتا رہتا ہے، چنانچہ قلم کا پانی کی سطح پر ابھر جانا یا تیرنا نورِ امامؑ کے بحرِ علم پر محیط و حاوی ہو جانے کی دلیل ہے، حضرتِ زکریا علیہ السّلام منصبِ امامت پر فائز تھے، اس لئے ان کے علم و حکمت سے دوسروں کا کیا مقابلہ ہو سکتا تھا! پس حضرتِ مریمؑ کی علمی اور

روحانی پرورش نورِ امامت سے ہوئی۔

س۱۰: قرآنِ مجید میں اِھْبِطْ (تُو اُتر) اِھْبِطَا (تم دونوں اُترو) اِھْبِطُوْا (تم اُترو) کے الفاظ، جو ہبوط سے ہیں، بلندی سے اتر جانے کے لئے استعمال ہوئے ہیں، لیکن اس حکمِ خداوندی میں کیا حکمت ہے، جو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ: اِھْبِطُوْا مِصْراً (تم کسی شہر میں اتر پڑو ۲:۶۱) حالانکہ وہ کسی ظاہری بلندی پر نہ تھے؟

ج: عقل مقامِ وحدت ہے، اس لئے وہاں منّ وسلویٰ کا طعامِ واحد دیا جاتا ہے، (۲:۶۱) لیکن صفِ اوّل کے بنی اسرائیل ہمیشہ عقل کی بلندی پر کس طرح ٹھہر سکتے تھے، لہٰذا انھیں وہاں سے اتر جانا پڑا۔

س۱۱: کتابِ وجہِ دین، جو تاویلی حکمتوں کا خزانہ ہے، اس کے کلام نمبر ۳۲ کے آخر میں ہے: "قائم کو کوئی شخص پہچان نہ سکے گا، مگر پانچ حدود کے ذریعے سے، جیسے اساس، امام، باب، حجّت، اور داعی۔" یہ کیوں ایسا ہے؟ حضرتِ قائم علینا سلامہ کی معرفت جملہ مومنین کے لئے کیوں آسان اور عام نہیں؟

ج: پروردگارِ عالم نے حضرتِ قائمؑ، قیامت، اور اس کے علم کو اپنے اسمِ اعظم کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مخفی رکھا ہے، تاکہ قبل از وقت خدائی بھیدوں کا عوام النّاس کو پتا نہ چلے۔

س۱۲: اسلام کے اصل معنی کیا ہیں؟ دینِ حق کا نام "اسلام" کب سے مقرّر ہوا؟ اور کیوں؟

ج: اسلام کے اصل معنی ہیں: "اپنے آپ کو کسی کے حوالہ کر دینا۔" دینِ اسلام کو اسی لئے اسلام کہتے ہیں کہ اس کو قبول کرنے والا اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دیتا ہے، دینِ حق کا یہ نام شروع ہی سے ہے، اس لئے کہ اس کا ماننے والا خود کو اللہ

کے سپرد کردیتا ہے، (ملاحظہ ہو: قاموس القرآن، ص ۵۶) اس حوالگی اور سپردگی کے تحت اسلام کے اور بھی معنی درست ہو سکتے ہیں، مگر یہاں مختصراً یہ کہنا ہے کہ اپنے چہرۂ جان کو خدا کے حوالہ کردینا اسلام کی سب سے بڑی تعریف ہے، اور یہی فنافی اللہ و بقاباللہ کا مرتبہ ہے، جس کا ذکر چہرۂ خدا اور چہرۂ عارف سے متعلّق آیاتِ کریمہ میں ہے (۲۸:۸۸؛۵۵:۲۷؛۶:۷۹؛۳:۲۰؛۳۰:۳۰؛۳۰:۴۳؛۲:۱۱۲؛۴:۱۲۵؛۳۱:۲۲)۔

نصیرالدّین نصؔیر ہونزائی

کراچی

جمعہ ۷؍ جمادی الثّانی ۱۴۱۰ھ

۵؍ جنوری ۱۹۹۰ء

عالمِ عقل - عالمِ وحدت

۱- جب آپ قرآنِ پاک کے شروع میں تلاوت کرتے ہیں: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ تو طالبانِ حقیقت کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ عوالم کون کون سے ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ اس کا درست جواب یہی ہوگا کہ ہر فردِ بشر ایک عالمِ شخصی ہے، اور چونکہ افراد بے شمار ہیں، اس لئے عوالمِ شخصی بے حساب ہیں، تاہم اساسی طور پر ان عالموں کے تین درجے ہیں: عالمِ کثرت، عالمِ ذرّ، اور عالمِ وحدت، دوسرے لفظوں میں: عالمِ جسمانی، عالمِ روحانی اور عالمِ عقل، پس یہاں عالمِ عقل کے بارے میں کچھ حقائق و معارف بیان کرنا مقصود ہے، جو عالمِ وحدت اور یک حقیقت (MONOREALITY) ہے۔

۲- عالمِ ظاہر ہی کا نام عالمِ کثرت ہے، جس میں جتنے انسان ہیں، وہ سب متفاوت، مختلف اور منتشر ہیں، لوگوں کا یہ اختلاف و انتشار قیامت کے دن عالمِ ذرّ ہی میں کم سے کم اور عالمِ عقل میں ختم ہوسکتا ہے، تاہم واقعۂ قیامت بڑا عجیب و غریب ہے کہ جو لوگ نفسانی طور پر یا جسمانی طور پر مرچکے ہیں، وہ تو مراحلِ قیامت سے آگے گزر گئے ہیں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: ''مَنۡ مَاتَ فَقَدۡ قَامَتۡ قِیَامَتُہٗ'۔ جو نفساً یا جسماً مرجائے تو بے شک اس کی انفرادی قیامت برپا ہوجاتی ہے۔'' اور جو لوگ موت کے دروازے سے داخل نہیں ہوئے ہیں، اور علمِ قیامت کے کتابی پہلو سے بھی آگاہ نہیں ہیں، تو وہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں۔

۳- عالمِ وحدت کس طرح واحد ہے؟ اور اس کی مثال کیا ہوسکتی ہے؟

جواب: بحرِ عقول (عقلِ کُلّی) اور بحرِ نفوس (نفسِ کُلّی) کے سنگم ہی کا نام مجمع البحرین (۱۸:۶۰) ہے، جس کے بارے میں ارشاد ہوا: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ (۵۵:۱۹-۲۲) ''اسی نے دو دریا باہم ملا کر بہائے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، دونوں کے درمیان ایک حدِّ فاصل بھی ہے، جس سے تجاوز نہیں کر سکتے (تو اے جِنّ و اِنس) تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔'' مثلاً شخصِ کامل کی عقل اور روح (نفس) اس کی ہستی میں متّصل و متّحد بھی ہیں، اور الگ الگ بھی، جیسے شعلۂ چراغ اور روشنی، جس میں برزخ یعنی حدِّ فاصل تو ہے، مگر بیچ میں کوئی غیر چیز نہیں بس وصل ہی وصل ہے آپ مَرَجَ، يَلْتَقِيٰنِ ، اور مجمع کے الفاظ میں غور کریں۔

۴۔ بعض حضرات عقلِ کُلّ کے وجود سے انکار کرتے ہیں، لیکن یہ نکتہ خوب یاد رہے کہ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں نفسِ واحدہ (نفسِ کُلّ) کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، وہاں پوشیدہ طور پر عقلِ کُلّ کا ذکر بھی ہے، کیونکہ کوئی عظیم روح مکمل عقل کے بغیر نہیں ہوسکتی، اور نہ حضرتِ آدم خلیفۃ اللہ کا تصوّر عقلِ کامل اور روحِ اعظم کے سوا درست ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی ہے کہ جس عظیم فرشتے کا نام عرش ہے، وہ عقلِ عقول ہے، اور جس بڑے فرشتے کو کرسی کہا جاتا ہے، وہ نفسِ نفوس کہلاتا ہے، اور ان دونوں میں وحدت ہے۔

۵- آیۃ الکرسی کی عظمت و بزرگی اور اس کا ملکوتی نسخۂ کیمیا ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس میں علم و حکمت کے عجائب و غرائب اور اسرارِ بدائع و صنائع پوشیدہ ہیں، جیسے کہ ارشاد ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ (۲:۲۵۵) اس کی کرسی نے سب

آسمانوں اور زمین کو (اپنے اندر) گھیر لیا ہے۔ چنانچہ یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے کہ نفسِ کُلّ نے عالمِ عقل یعنی عقلِ کُلّ کو اپنی ہستی میں سما لیا ہے، اور اسی طرح نفسِ واحدہ عالمِ وحدت ہے، اور یہی دو دریاؤں کا سنگم (مجمع البحرین) ہے، جس سے علم و معرفت کے موتی اور مونگے نکلتے ہیں، پس یہی یک حقیقت (MONOREALITY) ہے۔

۶- آیاتِ نور جس طرح قرآنِ عظیم اور دینِ اسلام میں ہدایتِ حقّہ کی روشنی بکھیر رہی ہیں، وہ حقیقت مومنین سے مخفی نہیں، اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ قرآنِ کریم میں جو تذکرۂ نور ہے، وہ دراصل تذکرۂ انبیا وائمّہ علیہم السّلام ہی ہے، لیکن یہاں یہ پوچھنا ہے کہ آیا تمام پیغمبروں اور اماموں کے انوار الگ الگ ہیں؟ نہیں، ہرگز ایسا نہیں، بلکہ بفرمودۂ نورٌ علیٰ نور (نور بالائے نور ہے ۲۴:۳۵) جُملہ انوار کی وحدت ہے، جس کا مشاہدہ عالمِ عقل میں ہو جاتا ہے، جہاں ایک اکیلا نورِ کُلّ اور سب ہے۔

۷- ''چوٹی کے سوالات، قسط: ۲'' میں انسانی وحدت سے متعلّق نکات کو غور سے دیکھنا، کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کے لوگوں کو کس طرح نفسِ واحدہ/ آدم/ نفسِ کُلّ سے پیدا کیا! اور آخر کار کس طرح اسی مرتبہ میں ان سب کا شعوری یا غیر شعوری انبعاث ہوتا ہے! آپ یہ نکتۂ جانفزا ہمیشہ کے لئے دلنشین کر لیں کہ ہر پیغمبر اور ہر امام کے ساتھ عالمِ ذرّ موجود ہوتا ہے، اور لوگ بصورتِ ذرّات غیر شعوری طور پر اس میں حاضر ہو جاتے ہیں، دیکھئے قصّۂ آدمؑ (۷:۱۱) اور قصّۂ نوحؑ (۱۷:۳) کہ لوگ ہر کامل انسان کے عالمِ ذرّ میں رہتے آئے ہیں، اور عالمِ عقل سے بھی منسلک و متعلّق رہے ہیں، مگر غیر شعوری طور پر، چنانچہ لوگوں پر بہت سے روحانی واقعات گزر چکے ہیں، لیکن

انبیا و اولیا کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا، الغرض تمام انسان نفسِ واحدہ میں ایک ہیں، اسی لئے وہ سب کچھ ہے۔

۸- خداوندِ عالم کی فطرت و صنّاعیت کا بہترین نمونہ انسان ہی ہے، اسی لئے قرآنِ حکیم لوگوں کو اپنی ذات کی معرفت کی طرف پُرزور توجہ دلاتا ہے، ایسی توجہ یا حکم کی چند مثالیں یہ ہیں:

الف: فِطْرَتَ اللّٰهِ (۳۰:۳۰)۔

ب: اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (۲۳:۱۴)۔

ج: فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۹۵:۴)۔

د: وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ (۵۱:۲۱)۔

ھ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ (۱۷:۷۰)۔

و: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (۱۷:۸۵) اس کی وضاحت:

۹- اگر تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ خالقِ کائنات نے آدمِ اوّل اور ابتدائی لوگوں کو کس طرح پیدا کیا؟ تو اس کا جواب موجودہ انسانوں کی فطرت و تخلیق کی کیفیت میں تمہارے سامنے ہے (۳۰:۳۰) خدا احسن الخالقین ہے، کیونکہ اس نے خلقِ آخر (انسانِ لطیف/مبدع) کو پیدا کیا (۲۳:۱۴) اللہ نے انسان کو عروج و ارتقا کی شکل میں پیدا کیا، یہاں تک کہ وہ علّیّین میں پہنچ گیا، اب اس کا وہاں سے نیچے آنا، یا نہ آنا علم و عمل پر منحصر ہے (۹۵:۵-۶) تمہاری جانوں میں قدرت اور معرفت کی تمام نشانیاں موجود ہیں (۵۱:۲۱) جو حضرات حقیقی معنوں میں اولادِ آدم کہلاتے ہیں، ان کی کرامت و فضیلت عظیم فرشتوں سے بھی اوپر ہے (۱۷:۷۰) روح کلمۂ امر یعنی کُن (ہوجا) سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے اس کا رشتہ امر و فرمان سے

ہے، اور اس کی عرفانی رسائی بھی امرِ باری تک ہے (۸۵:۱۷) جہاں اسرارِ ازل کے خزانے ہی خزانے موجود ہیں، اور وحدتِ کُلّ انسان کی سب سے بڑی دولت ہے، جو بیمثال اور لازوال ہے۔

۱۰- انسان اپنی موجودہ ہستی میں ایک اکیلا فرد ہے، لہٰذا وہ عالمِ وحدت کی مثال ہے، لیکن کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ اس میں کتنے خلیات ہیں؟ بے شمار، کتنے روحِ نباتی کے ذرّات ہیں؟ بے حساب، کتنے روحِ حیوانی کے اجزاء ہیں؟ لاتعداد، کتنے روحِ انسانی کے نمائندے ہیں؟ حدّ وحساب سے باہر، اور اگر ہر نمائندہ ذرّہ بحدِ قوّت ایک کائنات ہو، تو ان کائناتوں یا عوالمِ شخصی کو صرف خدا ہی شمار کر سکتا ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ عالمِ عقل (عالمِ وحدت) میں سب کچھ موجود ہے، ہر چند کہ وہ نورِ واحد ہی ہے، لیکن اس کے ظہورات وتجلّیات کُلّ جہانوں کے خزائن ہیں، پس مومنین کے نور کا دوڑنا لاانتہا تجلّیوں کا سلسلہ ہے (۵۷:۱۲؛ ۵۷:۱۹؛ ۶۶:۸) یاد رہے کہ فنافی الامامؑ، فنافی الرّسولؐ، اور فنافی اللہ کے بغیر نورِ مومنین سے منسوب نہیں ہو سکتا۔

۱۱- قلبِ قرآن (سورۂ یاسین) میں یہ حکمت آگین ارشاد ہے (مفہوم): ہم ہی یقیناً نفسانی اور جسمانی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں، اور جو کچھ اعمال انھوں نے کئے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انھوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم درج کر رہے ہیں، اور (وہ عقلی تحریر اس طرح ہے کہ) ہم نے سب ہی چیزوں کو سمیٹ کر پیشوائے ناطق میں گوہرِ عقل بنا دیا ہے (۳۶:۱۲) چنانچہ اَحْصَیْنَا، ح۔ص۔ی کے مادّہ سے ہے، جس کا ایک لفظ اَلْحَصٰی (کنکری) ہے، اور دوسرا اَلْحَصَاۃ (عدد، عقل و رائے) ہے، اور مبین کے معنی ہیں بولنے والا، ناطق، جیسا کہ سورۂ زُخرف

(۱۸:۴۳) میں اس کے یہ معنی ہیں، پس امامِ مبینؑ (تأویل بیان کرنے والا امام) جو نورِ ہدایت اور کتابِ مکنون ہے، وہ نہ صرف عالمِ جسمانی ہی میں پیشوائے ظاہر و حاضر ہے، بلکہ عالمِ روحانی اور عالمِ عقل میں بھی امامِ مبینؑ، اور کتابِ ناطق (مُؤوِّل/ تأویل بیان کرنے والا) ہے، تاکہ اس سے انسانی وحدت کے اسرار معلوم ہو جائیں۔

۱۲- عرشِ الٰہی علم وحکمت کا سرچشمہ ہے، اس لئے حاملانِ عرش کا علمی مرتبہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہے، انھیں ہر چیز میں رحمت و علم کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، چنانچہ قرآنِ پاک نے ان کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً (۴۰:۷) اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے۔ اس قرآنی حکم و فیصلے سے یہ یقین حاصل ہوا کہ ہر چیز میں روح کے لئے رحمت بھی ہے، اور عقل کے لئے علم بھی، پس ہماری توجہ اور فکر سب سے پہلے قرآنی چیزوں میں مرکوز ہونی چاہئے کہ قرآن کی ہر مثال، ہر قصّہ، ہر اشارہ، ہر آیت، ہر جملہ، اور ہر بات میں کس طرح رحمت و علم کا تذکرہ موجود ہے، اب اس اصولی بیان کی روشنی میں ہمیں اپنے آپ سے پوچھ کر ایک معقول و پسندیدہ جواب مہیّا کر لینا ہوگا، وہ اس طرح کہ آیا اللہ تعالیٰ کائنات کو مادّی طور پر لپیٹتا ہے؟ یا روحانی اور عقلی کیفیت میں (۲۱:۱۰۴؛ ۳۹:۶۷)؟ اس کا درست جواب یقیناً یہی ہوگا کہ مادّیت کا پھیلاؤ اپنی جگہ پر موجود ہے، مگر اس کی تمام قدریں بصورتِ ذرّاتِ عالمِ شخصی میں سمیٹ لی جاتی ہیں، اور روحانیت کی اقدار مرتبۂ عقل پر لپیٹ لی جاتی ہیں، اسی لئے کہا گیا کہ عالمِ عقل عالمِ وحدت ہے، جس میں آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کا علمی جوہر (گوہر) اپنا جلوہ دکھاتا ہے، یہ عجوبہ انتہائی حیران کُن ہے کہ ایک طرف وحدت ہی وحدت ہے! اور دوسری جانب تجلّیاتِ بے شمار ہیں! سبحان اللہ! مجمع البحرین اور عالمِ وحدت کی شانِ عجائب وغرائب

کا کیا کہنا!

نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

ہفتہ ۱۵؍ جمادی الثّانی ۱۴۱۰ھ

۱۳؍ جنوری ۱۹۹۰ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

شبِ قدر کے معجزات

۱- عالمِ شخصی میں شبِ قدر (۹۷:۱-۵): یہ امر ہر مومن کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ سورۂ قدر کو نہ صرف ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پڑھے، بلکہ سعیٔ بلیغ کر کے اس کی حکمت کو بھی سمجھ لے، ظاہر ہے کہ شبِ قدر وہ بابرکت رات ہے، جس میں فرشتوں، روح القدس، اور دیگر ارواح کا نزول ہوتا ہے، ان سب میں حضرتِ اسرافیلؑ اور حضرتِ عزرائیلؑ بھی اپنا اپنا کام کرتے ہیں، چنانچہ جس وقت کسی عالمِ شخصی میں روحانیت کی انقلابی ترقّی شروع ہوجاتی ہے، اور انفرادی قیامت برپا ہونے لگتی ہے، تو وہ شبِ قدر (حجّتِ قائمؑ) کی وجہ سے ہے، جو خیر وبرکت کا سرچشمہ ہے (۹۷:۳؛ ۴۴:۳)۔

۲- فرشتوں کا خطاب (۴۱:۳۰): سورۂ فُصِّلَتْ (حٰمٓ السّجدة ۴۱:۳۰-۳۲) میں دقّتِ نظر سے دیکھ لیں کہ فرشتے کس طرح ان مومنین سے خطاب کرتے ہیں، جن کے عالمِ شخصی میں شبِ قدر واقع ہوئی ہے: تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (نازل ہوں گے۔ چونکہ یہ لفظ مضارع ہے) . . . ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی . . . (۴۱:۳۱) فرشتوں کی اہلِ ایمان سے دوستی میں بہت سے اشارے ہیں، مثلاً تائید، منازلِ روحانی اور مراحلِ عقلانی میں ترقّی، اور حصولِ کمالات، وغیرہ۔

۳- نزولِ ملائکہ وارواح کا مقصد؟: اگر یہاں یہ سوال ہو کہ

تمام فرشتوں اور جملہ ارواح کا نزول قدر کی رات میں کیوں ضروری ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالمِ شخصی میں عٰلی معرفت اور تجدّدِ امثال کی غرض سے جتنے امور ضروری ہیں، ان سب کی انجام دہی کے لئے فرشتوں اور روحوں کا حاضر ہونا لازمی ہے، جیسا کہ خود سورۂ قدر (۹۷:۴) میں ہے کہ: پروردگار کے حکم سے ملائکہ وارواح کا نزول شبِ قدر میں ہر کام کی غرض سے ہوتا ہے (مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۹۷:۴ ہر کام کی غرض سے) اگر آپ اس ''آئینۂ کُلّ'' میں غور سے دیکھیں، تو کسی شک کے بغیر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ قرآنِ پاک میں جتنے امور فرشتوں اور روحوں سے متعلّق ہیں، ان سب کا عالمِ شخصی میں تجدّدِ امثال ہو جاتا ہے، تاکہ مشاہدۂ روحانیت اور حصولِ معرفت کے سلسلے میں کوئی کمی نہ رہے، یاد رہے کہ تجدّدِ امثال سُنّتِ الٰہی کی تفسیر و توضیح ہے، پس حقائق و معارف کو تجدّد کے طریق پر سمجھانے کی ضرورت ہے۔

۴- ماضی اور مستقبل کا حال میں مرکوز ہو جانا: بہشت میں نہ تو ماضی ہے، اور نہ مستقبل، فقط حال ہی حال ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں گزر جانے والا وقت نہیں، بلکہ ٹھہرا ہوا زمانہ ہے، اور جب بہشت عالمِ شخصی کی روحانیت میں نزدیک لائی جاتی ہے، تو اس میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ ماضی اور مستقبل گویا حال میں مرکوز ہو جاتے ہیں، اور بس عارف ہر چیز کا مشاہدہ حال ہی میں کرتا ہے، اس قانون کی روشنی میں معلوم ہوا کہ شبِ قدر سے ایسی روحانیت کا دروازہ کھل جاتا ہے، جس میں تمام انبیا و ائمّہ علیہم السّلام کے معجزات بھی ہیں، آنے والی آخری قیامت کے زندہ واقعات بھی، اور ازل و ابد کے اسرارِ عظیم کی تجلّیات بھی، پس اسی معنیٰ میں شبِ قدر کی مبارک رات یعنی حجّتِ قائمؑ خیرِ کُلّ ہیں۔

۵- نزول کے پس منظر میں عروج: جس طرح ''چوٹی کے سوالات، قسط: ۲'' میں ربّ اور فرشتوں کے آنے کے بارے میں ذکر ہوا، اسی طرح ہم یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ لیلۃُ القدر میں اس عالمِ شخصی کا عروج ہو جاتا ہے، جس میں ملائک اور ارواح کا نزول ہوا ہو، بلکہ دوسرے اعتبار سے یہ کہنا بھی درست ہے کہ سورۂ معارج (۷۰:۴) کے مطابق شبِ قدر میں خود فرشتے اور ارواح بھی خدا کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں، کیونکہ روحانی اور قرآنی حقیقت ایک ہی ہے، مگر اس کی مثالیں طرح طرح سے بیان کی گئی ہیں (۱۷:۸۹؛ ۱۸:۵۴) تاکہ لوگوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۶- شبِ قدر اور حضرتِ آدمؑ: وہ وقت تاویلاً شبِ قدر ہی کا تھا، جبکہ تمام فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا، درحالیکہ بے شمار روحیں آپؑ کی برگزیدہ ہستی کا حصّہ تھیں، کیونکہ ہر فردِ بشر لاتعداد روحوں کا مجموعہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ آپ قرآنِ عظیم میں دیکھ سکتے ہیں کہ جہاں فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا، وہاں وہ تنہا نہ تھے (۷:۱۱) اور تنہا کیونکر ہوتے جبکہ ہر کامل انسان میں ایک عالمِ ذرّ ہوا کرتا ہے، اور انسانِ مکمل کی بہت سی کاپیاں بھی ہوتی ہیں، جن کا مشاہدہ نہ صرف منزلِ عزرائیلیہ ہی میں ہوتا ہے، بلکہ مرتبۂ عقل پر بھی یہ سرِّ عظیم موجود ہے، تصوّر کریں اور سوچ لیں کہ وہاں کس طرح ہر بار ایک نورانی جنم ہوتا ہے۔

۷- عہدِ اَلَسْتُ کی تجدید: قرآنِ مجید کے ہر واقعۂ روحانی اور ہر معجزۂ عقلی کا تعلق عالمِ شخصی ہی سے ہے، لہٰذا ہر عالمِ شخصی کے لئے یہ امر ضروری ہوا کہ اس میں تمام گزشتہ معجزات رونما ہو جائیں، چنانچہ شبِ قدر وہ موقع ہے، جس میں بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذرّیت کو لے کر انھیں اپنی روح کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اور

اس پرورشِ روحانی وعقلی کے پیشِ نظر خدا نے پوچھا: "آیا میں تمہارا ربّ (ہرگونہ پرورش کرنے والا) نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں۔" یہ عہدِ الست ہے، جو ہر ہر انسانِ کامل کی روحانیت میں تمام انسانوں کو حاضر کر کے لیا جاتا ہے۔

۸- نفسِ واحدہ (۳۱:۲۸): سورۂ لقمان میں ارشاد ہے: تم سب کا پیدا کرنا اور زندہ کرنا (یعنی ابداع وانبعاث) بس ایسا ہی ہے، جیسا ایک شخص (یعنی انسانِ کامل) کا (۳۱:۲۸) یہ ترجمہ اصل راز کی نقاب کشائی کے لئے کافی نہیں، آیئے نفسِ واحدہ کے دوسرے معنی کو دیکھتے ہیں: واحدہ فاعلہ کے وزن پر وہ چیز ہے، جو ایک کر لینے والی ہے، چنانچہ نفسِ واحدہ کے معنی ہوئے حضرتِ آدمؑ، ہر پیغمبر، اور ہر امام، یعنی انسانِ کامل، جو اپنی ابداع وانبعاث میں جملہ ارواح کو ایک کر لیتا ہے، کیونکہ ہر کُل اس وقت بحقیقت کُلّ ہو سکتا ہے، جبکہ اس کے تمام اجزا واصل ہوں، پس ہر شخص نہ صرف انسانِ کامل ہی کی ابداع وانبعاث سے وابستہ ہے، بلکہ اپنی ذات میں بھی انفرادی قیامت کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا، تو خداوندِ تعالیٰ سورۂ عصر (۱۰۳:۱-۲) میں قسمیہ ارشاد نہ فرماتا کہ انسان خسارے میں ہے، ظاہر ہے کہ آدمی کا خسارہ صرف روحانی ترقی ہی میں ہے۔

۹- شبِ قدر کی صبح (۹۷:۵)؟ یعنی اس آیۂ مبارکہ میں کیا حکمت پوشیدہ ہے: سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ۔ وہ (رات) سلامتی ہے طلوعِ فجر تک؟

جواب: سلام تائید ہے اور فجر سے صبحِ قیامت مراد ہے، جو طلوعِ نورِ عقل اور صبحِ ازل ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ عالمِ شخصی کا دورِ روحانی شب ہے، اور دورِ

عقلانی روز، پس شبِ قدر تمام روحانی منازل پر محیط ہے، اور اس کا کمال یہ ہے کہ یہ ظہورات وتجلّیاتِ ازل تک پہنچا دیتی ہے، کیونکہ انسان مرتبۂ ازل سے یہاں آیا ہے، اور اسے لوٹ کر وہاں جانا ہے۔

۱۰- شبِ قدر اور اجتماعی قیامت: شاید آپ نے پڑھا ہوگا کہ قیامت انفرادی بھی ہے، اور اجتماعی بھی، چنانچہ اس دور کی اجتماعی قیامت کی شبِ قدر ہیں: حجّتِ قائمؑ، اور ایسی لیلۃ القدر میں حضرتِ قائم القیامتؑ پوشیدہ پوشیدہ نازل ہوئے، اور قیامت مخفی مخفی برپا ہوگئی، اب اس کے دُوررس اثرات ونتائج کا سلسلہ جاری ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے (۲۲:۴۷) لہٰذا روزِ قیامت جو سنیچر ہے، وہ فیصلہ، پھر نتائج کے لحاظ سے ہزار برسوں پر محیط ہے، یہ ہفت ادوارِ کبیر میں سے آخری دور ہوگا، جس میں بڑے بڑے واقعات ومعجزات رونما ہونگے، بین الاقوامی اتحاد ویگانگت کا دور دورا ہوگا، سیّارۂ زمین نمونۂ بہشت بن جائے گا، دنیا بھر میں نورِ اسلام کی روشنی پھیل جائے گی، روحانی سائنس عام ہوجائے گی، لوگ اڑن طشتریوں کی مدد سے پرواز کرکے دوسرے سیّاروں کی سیاحت کریں گے، اور مومنینِ بایقین سے اولیاءاللہ کی طرح ظہورِ کرامات ہونے لگے گا۔

۱۱- فرشتوں اور روحوں کے نزول کا عالمی مقصد: ملائکہ وارواح کے نازل ہونے کا ایک مقصد عالمِ شخصی میں ہے جس کا مختصر ذکر ہوچکا، اور دوسرا مقصد آفاقی اور عالمی ہے، وہ یہ ہے کہ اب ان آسمانی طاقتوں کے باطنی عمل سے وہی انقلاب برپا ہوجائے گا، جس کا ذکر قیامت کے عنوان سے قرآنِ کریم میں موجود ہے، تاہم ان تمام پُرحکمت پیش گوئیوں کو حقیقی معنوں میں جاننے کی ضرورت ہے، جو

دورِ قیامت کی بڑی بڑی تبدیلیوں اور ترقّیوں سے متعلّق ہیں، آپ یہ بات بھول نہ جائیں کہ فرشتہ اور روح مرتبۂ روحانیت پر کچھ اور ہے، اور مقامِ مادّیت پر کچھ اور، چنانچہ ہر سائنسی دریافت وانکشاف (DISCOVERY) فکر سے ہوئی، اور ایسی فکر میں فرشتہ تھا، یا روح تھی، اسی طرح آج کی اس بے پناہ طوفانی ترقّی میں ''شبِ قدر'' کے فرشتوں اور روحوں کا ہاتھ ہے، تاکہ دنیا کی حالت یکسر تبدیل ہو کر خداوندِ عالم کا وعدہ پورا ہو جائے، وہ وعدہ، جو اس نے قرآنِ عزیز میں فرمایا ہے، مذہب، اخلاق، انسانیت، علم، اور سائنس (حکمت) کی روشنیوں سے سیّارۂ زمین منوّر ہو جانے سے متعلّق ہے (۳۹:۶۹)۔

۱۲- ایک ترتیبی حکمت: سورۂ حجر (۱۵:۸۵-۸۷) میں یہ ترتیبی حکمت موجود ہے کہ پہلی آیۂ کریمہ میں تخلیقِ کائنات کا ذکر ہے، پھر قیامت کے آنے کی یقین دہانی کے ساتھ آنحضرتؐ سے فرمایا گیا ہے کہ آپؐ لوگوں کی جہالت ونافرمانی پر دلگیر نہ ہو جائیں، بلکہ خوبی کے ساتھ درگزر کریں، دوسری آیت میں پروردگار کی صفتِ ''اَلْخَلَّاقُ الْعَلِیْم'' (بڑا پیدا کرنے والا بڑا دانا ہے) بیان ہوئی ہے، جس طرح لفظِ رازق سے رزّاق خاص ہے، اسی طرح اسمِ خالق سے خلّاق خاص ہے، پس اس حکم میں بزبانِ حکمت یہ بشارت دی گئی ہے کہ رسولِ اکرمؐ کی جانشینی کی مرتبت میں ظاہراً وباطناً کارِ دین کے لئے خداوندِ تعالیٰ خاندانِ نبوّت سے یکے بعدِ دیگرے اشخاصِ امامت کو پیدا کرتا رہے گا، اور تیسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا تذکرہ ہے کہ اس نے ازراہِ عنایت حضورِ انورؐ کو ایامِ ہفتہ کی طرح سات سات اماموں کا نورانی سلسلہ اور حضرتِ قائمؑ دیا ہے کہ آپ قرآنِ عظیم کی تاویل ہیں، کیونکہ

تأویل روحانیت اور قیامت کی صورت میں آنے والی تھی، جو شبِ قدر اور حضرتِ قائم علینا سلامہ کے نور سے وابستہ ہے (۷:۵۳) الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی
کراچی
ہفتہ ۲۲ / جمادی الثّانی ۱۴۱۰ھ
۲۰ / جنوری ۱۹۹۰ء

نوٹ: آپ کتابِ ''وجہِ دین'' کا بغور مطالعہ کریں، تاکہ شبِ قدر اور حضرتِ قائم علینا سلامہ سے متعلّق معلومات میں زبردست اضافہ ہو۔

روح اور مادّہ

قسط:۲

۱- ظاہری فرق: روح اور مادّہ ظاہراً ایک دوسرے کے برعکس ہیں، کہ روح لطیف، زندہ، اور غیر مرئی (نادیدنی) ہے، وہ تقسیم نہیں ہوتی، زمان ومکان سے بالاتر ہے، اس کی نہ تو مکانی مسافت ہے، اور نہ ہی زمانی، اس میں ابعادِ ثلاثہ (طول، عرض، عمق) نہیں، اور نہ ہی اسکی کوئی جہت (طرف) پائی جاتی ہے، وہ روکنے سے نہیں رکتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، تم ہوا جیسی چیزوں کو بھی قید کر سکتے ہو، مگر روح کو نہیں، لیکن جسم کی یہ خصوصیات نہیں، یہ کثیف، مُردہ (جبکہ روح نہ ہو) اور دیدنی ہے، تقسیم ہو سکتا ہے، زمان ومکان کے تحت ہے، وقت اور جگہ کی مسافت سے مجبور اور ابعادِ ثلاثہ کا حامل ہے، اس لئے اس کی اطراف ہیں، اور اس کے واسطے بہت سی رکاوٹیں موجود ہیں، پس روح اور مادّہ کے درمیان بڑا فرق ہے، جس کا یہاں مختصراً ذکر ہوا۔

۲- روح اور جسم کی شرکت: جو بات روح کے بارے میں کہی گئی، اور جو خاصیت جسم کی بیان ہوئی، وہ ان دونوں کے الگ الگ ہونے کی صورت میں ہے، مگر جب تک جسم وجان ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، تب تک اس شرکت سے کچھ اور بات بن جاتی ہے، مثلاً روح جو ذاتِ اصل میں تقسیم نہیں ہو سکتی تھی، اب یہاں بہت سے اجسام کے توسّط سے تقسیم ہوگئی، جیسے خورشیدِ جہان آرا کہ وہ فی نفسہٖ

قسمت پذیر نہیں، لیکن اس کے سامنے جتنے آئینے رکھے جائیں، ان میں اتنے سورج نظر آئیں گے، اور اس اشتراک میں جسم کی مثال یہ ہے کہ وہ ازخود مُردہ تھا، اور مُردہ ہوگا، لیکن جب تک روح کے ساتھ ہے، تب تک زندہ ہے، اس بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

الف: روحِ مجرد پر الگ غور کرنا ہوگا،

ب: بے روح جسم پر جداگانہ سوچنا پڑے گا،

ج: پھر جسم و جان کے وجودِ مربوط کو دیکھنے کی ضرورت ہوگی، تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان تین حالتوں میں سے ہر ایک حالت کی کیا حقیقت ہے، تاکہ اس تحقیق سے خود شناسی میں مدد مل سکے، جس میں حضرتِ ربّ العزّت کی معرفت پنہان ہے۔

۳- روح اور مادّہ کی وحدت: ہر چیز کی حقیقتِ حال کا علم تصوّرِ ازل ہی سے ہو سکتا ہے، چنانچہ آپ نے بارہا سنا ہے کہ عالمِ شخصی میں ازل کا تجدّد ہوتا ہے، آپ اسے مظاہرہ (DEMONSTRATION) بھی کہہ سکتے ہیں، جس میں وحدت و یک حقیقت کا نور طلوع ہو جاتا ہے، اس نور میں کن کن اشیاء کی وحدت ہے، اس کا پتا نہیں چلتا، مگر قرآنِ عزیز اور امامِ برحقؑ ہی کے وسیلے سے، چنانچہ وہ نورِ اقدس و اطہر ایک اکیلا ہونے کے باوصف کُلّ حقیقتوں اور معرفتوں کا جامع بھی ہے، اور نمائندہ بھی، کیونکہ یہ وہ لُؤلُوئے مکنون ہے، جس کو پھیلانے سے دونوں جہان کا وجود بنتا ہے، پھر دستِ قدرت کون و مکان کو اسی گوہرِ یک دانہ کی صورت میں لپیٹ لیتا ہے، پس یہی لُؤلُو جوہرِ جواہر، حقیقتِ حقائق، جامعِ جوامع، اصلِ اصول، عقلِ عقول، اور نورِ انوار ہے، پس یہ نورِ روح الارواح بھی ہے، اور حجرِ ابیض (سنگِ سفید) بھی، یعنی

یہاں روح اور مادّہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات و موجودات کی درجاتی سیڑھی بھی ہے، اور مساواتِ رحمانی کی چھت (عرش/تختِ شاہی) بھی، یہاں پر تمام معترضانہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔

۴- ہر اسم اور ہر مُسَمّٰی کی یکجائی و یک حقیقتی: ربِّ کریم نے حضرتِ آدم علیہ السّلام کو تین مرحلوں میں علمِ اسماء کی تعلیم دی، وہ مراحل یہ ہیں: ظاہر، روحانیت، اور عقلانیت، چنانچہ پہلے مرحلے میں ایک اسمِ اعظم سکھایا گیا، دوسرے مرحلے میں کئی اسمائے عظام عطا ہوئے، اور تیسرے میں کلماتِ تامّات سکھائے گئے (۲:۳۱؛ ۲:۳۷) جن کے آخر میں کلمۂ باری (کُن/ ہو جا) آکر سب سے اوّل قرار پایا، اب آدمِ صفی اللہ کو مقامِ ازل کا مشاہدہ ہوا، جہاں ہر اسم اور ہر مسمّٰی کی یکجائی اور یک حقیقتی کا منظر تھا، کیونکہ یہ کہنا بجا ہے کہ جس طرح عالمِ کثرت میں چیزیں منتشر اور کثیر ہیں، اسی طرح عالمِ وحدت میں یہی چیزیں مرکوز و منظّم اور ایک ہیں، یا یوں کہنا چاہئے کہ ایک ہے، اور وہ نورِ وحدت ہے، جس کے اسماء بے شمار ہیں، کیونکہ وہ ہر ہر مسمّٰی کا نمائندۂ حقیقی و عرفانی ہے، پس وہ نہ صرف روح اور مادّہ ہے، بلکہ کائنات و موجودات کی ہر شی بھی ہے، قرآنِ حکیم کی ہر مثال کا ممثول بھی وہی نور ہے، اور ہر ہر آیت کے اشارۂ حکمت کا مُشارٌ اِلَیه (وہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو) بھی بس یہی نور ہے۔

۵- آسمان اور اس کی چیزیں: جب قرآنِ حکیم کے ظاہر و باطن میں ہر علم اور ہر چیز کا بیان موجود ہے (۱۶:۸۹) تو یقیناً اس میں علمِ اسماء بھی محفوظ ہے، جس کے حصول سے حضرتِ آدمؑ سرفراز ہوئے تھے، چنانچہ قرآنِ پاک کا حکیمانہ اشارہ

یوں ہے کہ عالمِ وحدت (عالمِ عقل) میں نورِ ازل ہی بجائے خود سب کچھ ہے، لہٰذا حقیقت یہی ہے کہ اس نور کی نورانیت میں ہر مسمّیٰ اور ہر اسم موجود ہے، مثال کے طور پر نور ہی آسمان اور اس کی ہر چیز ہے، جیسے سورج، چاند، ستارے (خواہ واحد ہو یا جمع) بادل، بجلی، بارش، دن، رات، صبح، شام، مشرق، مغرب، ہفتہ، مہینہ، سال، کُسوف (سورج گرہن) خُسوف (چاند گرہن) بُروج، رُجوم، اس کے علاوہ عرش و کرسی، اور قلم و لوح سے متعلّق تمام اشارات بھی نورِ عقل کی حرکت میں موجود ہیں، الغرض علمِ اسماء (علمِ حقائقِ اشیاء) کی روشنی میں عالمِ امر اور نورِ ازل کا تصوّر ہوا، جس سے پتا چلا کہ اس میں یہ مادّی آسمان اور اس کی ہر چیز ایک زندہ نور کی صورت میں موجود ہے، پس ظاہر ہوا کہ مادّہ بھی دراصل ایک ازلی روح ہے، جو فی الوقت قدرت و حکمتِ خداوندی سے منجمد ہوگئی ہے، لیکن جب قیامت القیامات برپا ہوجائے گی، تو اس وقت یہ جمود ٹوٹ جائیگا، اور متعلقہ روح بیدار ہوجائے گی۔

۶- خزائنِ خداوندی: سورۂ حجر (۲۱:۱۵) میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، یہ خزانے کہاں ہیں؟ خدا کے پاس (عِندَنا) اور اس مادّی دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں، جو پروردگارِ عالم کے خزینوں سے نازل نہ ہوئی ہو، خواہ سنگِ سیاہ کیوں نہ ہو، آپ نورِ ازل کا خیال کریں کہ وہ ربِّ کریم کے پاس کتنا ہی بڑا خزانہ ہے، اور عقل و روح کے دوسرے خزانے بھی ہیں، جملہ خزائن سے ہر گونہ برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، اور ان میں سے بعض روحانی برکتیں خدا کے حکم سے مادّی صورت میں بدل جاتی ہیں، یہ ہوا مادّیّت کا ایک بہت بڑا راز، جس کا علم بیحد ضروری تھا، تاکہ مذہب اور سائنس کی ہم آہنگی معلوم ہوسکے۔

۷- مادّہ روح سے ہے، اور روح امر سے: عوالم تین ہیں، جن میں سب سے اوپر عالمِ امر ہے، جو عالمِ عقل اور عالمِ وحدت ہے، اس کے نیچے عالمِ روحانی ہے، اور سب سے نیچے عالمِ جسمانی ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ نہ صرف یہ مادّی کائنات، بلکہ عالمِ روحانی بھی امرِ کُنۡ (ہوجا) کے تحت ہے، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ روح اور جسم دراصل سرچشمۂ ابداع ہی سے ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم کا بابرکت ارشاد ہے: بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (۲:۱۱۷) خدا موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب کوئی امر (کام) مقرر کرتا ہے تو بس اسے فرما دیتا ہے کہ "ہوجا" پس وہ ہوجاتا ہے (۲:۱۱۷) اس حکم میں تین بنیادی حکمتیں ہیں:

الف: کائنات (آسمان وزمین) کی روحانی اور مادّی دوحیثیتیں ہیں، روحانی حیثیت میں یہ امرِ کُنۡ سے پیدا ہوئی ہے، پھر رفتہ رفتہ اس میں مادّیت مکمل ہوئی ہے۔

ب: اسی طرح ہر ستارہ اور سیارہ وجود میں آتا ہے۔

ج: شب وروز کی مثال پر فنا و بقا یا عدم و وجود کے بڑے بڑے ادوار ہیں، اور یہ کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے (۲:۱۱۷؛ ۲۸:۸۸) تصوّرِ ازل کا یہی اشارہ ہے، کہ اس میں آفتابِ نور اپنے مسلسل طلوع وغروب سے دائرۂ بقا وفنا پر چیزوں کی گردش کو ظاہر کرتا ہے۔

۸- جزو سے کُلّ کی دلیل: کائنات وموجودات یعنی آسمان، عناصر، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، جنّ، اور فرشتہ ایک ہی اصل سے ہیں، اور وہ خزینۂ خزائن ہے (۱۵:۲۱) اور ان کا ایک دوسرے سے بہت مختلف اور الگ الگ ہونا

درجات کی وجہ سے ہے، تو درجات میں عروج بھی ممکن ہے، اور نزول بھی، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَۃً اَوْ حَدِیْدًا (۱۷:۵۰) کہو کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔ یہ مفروضۂ محال نہیں، بلکہ یہ خدائے قادرِ مطلق کا وہ غالب قانون اور زبردست حکم ہے، جو آگ کو گلشن (۲۱:۶۹) اور آدمی کو بندر بنا سکتا ہے (۲:۶۵) پس ان لوگوں کی روح، جن کے بارے میں یہ حکم ہوا ہے، یقیناً مرجانے کے بعد پتھر یا لوہے کی شکل میں منجمد ہوگئی، اس قرآنی دلیل سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ مادّہ کا وجود روح سے بنا ہے، اس لئے اس کا سائنسی رجحان و میلان روح ہی کی طرف ہے، اور اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جیسے مادّہ کا کسی بھی پاور میں تبدیل ہو جانا۔

۹- سیّارۂ زمین کی ابتدائی آبادی؟: قانونِ خزائن کی حکمت کا کہنا ہے کہ ہر چیز خدا کے کسی ایک خزانے سے نہیں آتی، بلکہ اوپر سے نیچے کی طرف تمام خزانوں سے ہو کر خزینۂ آخر سے نازل ہو جاتی ہے (۱۵:۲۱) تاکہ سارے خزانوں کی برکتوں کے لئے سبیل بنے، پس سیّارۂ زمین کی صورتِ باطن (روح) اسی طرح نازل ہوئی، وہ روحِ منجمد کی مادّیت کے لباس میں ملبوس ہوا، اسی میں عناصر کا ذکر بھی ہے، اور پہاڑوں کا تذکرہ بھی، زمین پر نباتات اور درختوں کو اگانے کے لئے ابداعی قسم کے بیج بکھیر دئے گئے، کیڑے مکوڑے جیسے چھوٹے جانور بھی البتّہ ابداعی انڈوں سے پیدا ہوئے، بڑے بڑے جانور، جیسے حیوان اور انسان، پہلے پہل اجسامِ لطیف میں پیدا ہوئے، پھر رفتہ رفتہ ان میں موجودہ جسمانیت پیدا ہوگئی، جیسا کہ سیارۂ زمین کے آدمِ اوّل کے ہُبُوط (نیچے اترنا) کا قصّہ ہے (۲:۳۸) کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی لطیف جسموں میں آئے تھے، انسان ہمیشہ سے سیارہ بہ سیارہ منتقل

ہوتا رہا اور رہے گا (۱۹:۸۴)۔

۱۰-لطیف زندگی: کائناتِ ظاہر نفسِ کُلّی کے بحرِ محیط میں مستغرق ہے، روحِ اعظم کا یہی نورانی سمندر امامِ مبینؑ اور لوحِ محفوظ ہے، جس میں کسی استثناء کے بغیر تمام چیزوں کی لطیف، زندہ، اور بولتی تصویریں مچھلیوں کی طرح تیر رہی ہیں، اور ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں، یہی لوحِ محفوظ کا سب سے وسیع اور قابلِ فہم تصوّر ہے، روح الارواح کا یہ بے پایان سمندر کلمۂ باری اور قلمِ الٰہی کے بعد تیسرا خزانۂ غیب ہے، جس سے مذکورۂ بالا قانونِ خزائن کے مطابق چیزیں سیارۂ زمین پر نازل ہوتی رہتی ہیں، بغیر اس کے کہ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔ آخر میں عاجزانہ دعا ہے کہ ربِّ کریم اپنے خزانۂ نور کے علم سے سیارۂ زمین کو منوّر کر دے (۶۹:۳۹)!

نوٹ: مقالۂ ہٰذا کی قسطِ اوّل کو کتابِ "حقائقِ عالیہ" میں پڑھ لیں، حکمتِ انجماد کے لئے حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام کے ارشادِ مبارک کو "علمی علاج (کتاب العلاج)" ص ۲۰۴ پر دیکھ لیں۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

اتوار ۳۰ر جمادی الثّانی ۱۴۱۰ھ

۲۸ر جنوری ۱۹۹۰ء

آیت کی تفسیر آیت سے

۱- **اطاعتِ رسولؐ**: قرآنِ حکیم کی لاتعداد خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے یا آیات سے ہوا کرتی ہے، مثال کے طور پر سورۂ نساء کے اس ارشادِ مبارک کو دیکھ لیں، جو اطاعت جیسے دین کے سب سے بڑے موضوع کے بارے میں ہے، اور وہ یہ ہے: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (ترجمہ:) جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا (۴:۸۰) اس ربّانی تعلیم سے پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت و فرمانبرداری کی بہت بڑی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے، تاہم یہاں اہلِ دانش کے لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ حضورِ انورؐ کی یہ اطاعت براہِ راست ہو سکتی ہے؟ یا بالواسطہ؟ پس وہ تفسیری آیت، جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے، یہ ہے:

۲- (ترجمہ:) اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں صاحبانِ امر ہیں (۴:۵۹) اب اس روشن ہدایت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ پیغمبرِ خداؐ کی اطاعت ائمّۂ طاہرینؑ کے توسّط سے ہو سکتی ہے کہ امامانِ حق ہی اولوا الامر ہیں، ان کے سوا کوئی ایسا سلسلہ ہے ہی نہیں، جو رہتی دنیا تک جاری و باقی ہو، جس کے دلائل قرآن و حدیث میں موجود ہوں، جس کو خدا نے اپنا نور قرار دیا ہو، جیسے اس علیم و حکیم نے سلسلۂ امامت کو اپنا نور ٹھہرایا ہے (۵:۱۵؛ ۷:۱۵۷؛ ۲۴:۳۵؛ ۴:۱۷۴؛ ۵۷:۲۸؛ ۹:۳۲؛ ۶۱:۸)۔

۳- **آیۂ بیعت**: سورۂ توبہ (۹:۱۱۱) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: بیشک

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں کو اور انکے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنّت ملے گی (۹:۱۱۱) چنانچہ پروردگارِ عالم اور اہلِ ایمان کی اسی بیع وشرا (خرید وفروخت) اور عہد و پیمان کی تجدید و وضاحت کی خاطر عملِ بیعت کا حکم ہوا، اور وہ یہ ہے: جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ... (۴۸:۱۰) خوب یاد رہے کہ لفظِ ''بیعت'' باعَ سے ہے، جس کے معنی ہیں: بیچنا، خریدنا، اور یہ عہد و پیمان بھی ہے، پھر آپ یہ حکمت بھی سمجھ لیں کہ عرفانی بیعت کا مظاہرہ عالمِ عقل میں ہوتا ہے، جس کے بارے میں حکیم پیر ناصرِ خسروؒ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں:-

دستم بکفِ دستِ نبی داد ببیعت
زیرِ شجرِ عالی پُر سایه و مُثمر

(میرے عظیم معلّمِ روحانی نے) بیعت کے لئے میرے ہاتھ کو پیغمبرِ اکرمؐ کے دستِ مبارک کی ہتھیلی میں دے دیا، اس عالی شان سایہ دار اور پُرثمر درخت کے نیچے (جس کا ذکر قرآنِ مجید (۴۸:۱۸) میں موجود ہے) جس کو تاریخ وتفسیر میں ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۴- رسولؐ کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے: جس طرح فرمایا گیا کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اسی طرح ارشاد ہوا کہ پیغمبرؐ کی بیعت اللہ ہی کی بیعت ہے، تو کیا اس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ آنحضرت صلعم کا دستِ مبارک یدُاللہ کا درجہ رکھتا تھا؟ پس کیا عجب ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ کے بعد بھی یہ انتہائی عظیم نعمت برقرار رہے، اور حضورِ اکرمؐ کی برحق جانشینی کی بدولت امامِ عالیمقامؑ کا بابرکت ہاتھ دستِ خدا

کے مرتبے پر ہو، کیونکہ دینِ اسلام دو گرانقدر چیزوں کی بنیاد پر مکمل ہوا ہے: قرآن، اور اس کا معلّم، یا نور، اور کتاب (۵:۱۵) ورنہ نور کے نہ ہونے سے دین میں بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: سورۂ توبہ (۹:۱۰۴) میں ہے کہ: ''خدا ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے۔'' اس ہدایتِ سماوی میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے، جو ذیل کی طرح ہے:

۵- اگر خدا چاہتا تو ایک ساتھ توبہ اور صدقہ دونوں کے لئے لفظِ ''قبول'' کو استعمال فرماتا، مگر ایسا نہیں کیا، بلکہ صدقات کے بارے میں ارشاد ہوا: یَاْخُذُ (وہ لیتا ہے) اور یہ ہاتھ کا فعل ہے، جس کو زمانۂ نبوّت میں رسول اللہؐ نے انجام دینا تھا، بعد ازاں یہ کام امامِ زمانؑ کا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کا امرِ دوامی (خُذ) برقرار و باقی رہے، اور وہ ارشاد یہ ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ (۹:۱۰۳، اے رسولؐ) تم ان کے مال کی زکوٰۃ لو (اور اس کی بدولت ان کو (روح اور عقل کی آلودگیوں سے) پاک صاف کرو اور ان کے واسطے دعائے خیر کرو کیونکہ تمہاری دعا ان لوگوں کے حق میں اطمینان (کا باعث) ہے (۹:۱۰۳) اور یہ رازِ سربستہ دل نشین کر لینا کہ عارفانہ زکات عالمِ عقل میں لی جاتی ہے۔

۶- قرآنِ حکیم کے دروازے بند نہیں ہوئے: اگرچہ حضرتِ خاتمِ انبیا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت کے ساتھ ساتھ نزولِ وحی کے دروازے بند ہو گئے، لیکن قرآن کے علم و حکمت اور اس کے نورِ مجسّم (۵:۱۵) کی معلّمی کے بابرکت ابواب (دروازے) ہمیشہ کے لئے اسی شان سے مفتوح ہیں، کیونکہ یہ

بات رحمتِ خداوندی سے بہت ہی دور ہے کہ شروع شروع کے مسلمین ومومنین کے لئے قرآن اور اسلام کا خوانِ نعمت عام ہو، اور بعد میں آنے والے محض تاخیرِ زمانی کی بناء پر ان عالی قدر نعمتوں سے محروم رہ جائیں، پس یہ حقیقت ہے کہ جس شان سے نورِ علیؑ یعنی نورِ امامت پیغمبرِ خداؐ کے علم وحکمت کا دروازہ ہے، اسی شان سے اور اسی معنیٰ میں یہ قرآن کا بھی دروازہ ہے، کیونکہ رحمتِ عالمؐ کا علم وحکمت دراصل قرآن ہی ہے۔

۷- قرآن کا مُخاطِب اور مُخاطَب: قرآنِ کریم کا مُخاطِب (خطاب کرنے والا) ایک ہی ہے، اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، اور مُخاطَب (جس سے خطاب ہو) آنحضرتؐ اور زمانۂ نبوّت کے مومنین ہیں، اور اس کے بعد قرآنی خطاب کا تعلّق ہر زمانے کے امام اور اہلِ ایمان سے ہے، تاہم قرآن کے تاریخی واقعات کا ظاہری پہلو اپنی جگہ پر ہے، اگرچہ ان میں بھی تاویل ہے، جس کا تعلّق تمام زمانوں سے ہے، جس طرح بیعتِ رضوان اگرچہ ایک تاریخی واقعہ ہے، لیکن آپ نے یہاں سن لیا کہ حضرتِ پیر ناصرِ خسروؒ نے کس طرح مقامِ عقل پر وہی بیعت کی۔

۸- آیۂ مصباح (۲۴:۳۵) کی تفسیر: سورۂ نور کا یہ عالیشان ارشاد بڑا بابرکت ہے: خدا آسمانوں اور زمین کا نور (یعنی ہدایت کی روشنی) ہے . . . (۲۴:۳۵) اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر آیۂ سراج (۳۳:۴۶) ہے، جس کے علم وحکمت کا دروازہ سورۂ حدید کی اس آیۂ کریمہ میں ہے: اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان لاؤ (جیسا کہ حق ہے) تو خدا تم کو اپنی رحمت کے (ظاہری و باطنی) دو حصّے اجر عطا فرمائے گا اور تم کو ایسا نور مقرّر کرے گا (یعنی نورِ امامت کی معرفت عنایت ہوگی) جس کی روشنی میں تم چلوگے . . . (۵۷:۲۸) مانا کہ اس آخری

نور (یعنی چراغِ امامت) کی روشنی میں چلنا تو ہے، لیکن کہاں؟ کس طرف؟ آیا راہِ مستقیم پر؟ کیا روح اور عقل کی منزلوں میں؟ نورِ نبیؐ کی طرف؟ اسرارِ قرآن وحدیث کی جانب؟ فنافی الرّسولؐ اور فنافی اللہ کی سمت؟ ان سب سوالات کا واحد جواب ہے: ''جی ہاں۔''

۹- چلنے کی مثالیں: قرآنِ حکیم میں اس قسم کے بہت سے الفاظ ہیں، جن میں چلنے کے معنی موجود ہیں، جیسے لفظِ ہدایت، صراط، سبیل، شرعۃ، منہاج، طریق، طریقۃ، سبب، سیر، سلوک، زاہب (مذہب) مناکب (راستے) اتبّاع (پیروی کرنا) سعی، سارِعوا، سابقوا، مَساق (چلنا) اور ایسے بہت سے الفاظ ہیں، جو چلنے کے معانی رکھتے ہیں، جس کا مقصد روحانی ارتقا اور عقلانی سعی (۸:۶۶) ہے، تاکہ گنجِ ازل کی دولتِ لازوال حاصل ہو، یاد رہے کہ ''نور'' صرف آنکھوں ہی کے لئے نہیں، بلکہ آدمی کے جملہ حواسِ ظاہر وباطن اور اس کے عالمِ شخصی کے ذرّہ ذرّہ کو جگمگانے کے واسطے اس کی سخت ضرورت ہے، آپ کتابِ ''قرآنی علاج (کتاب العلاج)'' کے صفحہ ۱۸۵ پر ملاحظہ کریں کہ حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام نے کس حکیمانہ انداز سے ضرورتِ نور کی ترجمانی فرمائی ہے، اس سے یہ حقیقت بدرجۂ انتہا نکھر کر سامنے آگئی کہ اللہ تعالیٰ عالمِ شخصی کے آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اسی لئے عالمِ عقل کا ذرّہ ذرّہ پُرنور و پُرضیاء ہوگیا ہے، اور عالمِ دین، جس پر ہمیشہ نورانی بارش برستی رہتی ہے، باطناً عالمِ شخصی ہی میں ہے۔

۱۰- جامعِ جوامع۔ کُلِّ کُلّیّات: اللہ تبارک وتعالیٰ نے امامِ مبینؑ کے نورِ اقدس کو مجموعات کا مجموعہ اور کُلّیّات کا کُلّ بنا کر تمام چیزوں پر محیط کردیا

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ہے، جیسا کہ سورۂ یاسین (۳۶: ۱۲) میں ہے، وہ جوامع اس طرح ہیں: امرِ کلّ (کلمۂ باری، کلمۂ کُنْ) عقلِ کُلّ (سماواتِ عقلی ۲۱: ۳۰؛ ۵۵: ۷) نفسِ کُلّ (سات زمین ۳۹: ۱۰، مِثْلَھُنَّ ۶۵: ۱۲) روحِ کُلّ (روحِ اعظم، روحُ الارواح ۱۷: ۸۵) نفسِ واحدہ، کتابِ کُلّ (اُمّ الکتاب ۷۸: ۲۹؛ ۴۳: ۴) الکتاب والمیزان (۵۷: ۲۵) کتابِ مکنون، کتابِ مرقوم (عِلّیین) کتابِ ناطق، کتابِ صامت، دَھر، ازل (حِین ۷۶: ۱) آزال، کنزِ ازل، نورِ ازل (گوہرِ عقل) نورالانوار، خزائنِ اشیاء، قلمِ قدرت، لوحِ محفوظ، عرشِ عظیم، کرسی، مُلکِ قدیم، اسرارِ ابد (کلماتِ تامّات) آباد (ابدین) بیت اللہ، بیت العتیق، بیت العزّۃ، بیت المعمور، بہشت، رضوان، عالمِ شخصی، عالمِ صغیر، عالمِ کبیر، عالمِ لطیف، عالمِ علوی، عالمِ دین، ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، عالمِ ذرّ، عالمِ روحانی، عالمِ عقل (عالمِ وحدت) اسمِ اعظم، نقشِ مکرم، نگینۂ حکمت، اسماءُ الحسنٰی، معجزاتِ انبیا، واقعاتِ عالم، حقائقِ اشیاء، معارفِ بقاوفنا، وغیرہ، پس امامِ زمان صلوات اللہ علیہ مجموعۂ مجموعات اور کُلِّ کُلّیّات ہیں، اور کائنات کو لپیٹنے کا اشارہ اسی حقیقت کی طرف ہے۔

۱۱- مُفسّر و مُؤوّلِ قرآن: ایک حدیثِ شریف (مَنْ مَاتَ ....)

کے مفہوم کے مطابق امامِ زمان علیہ السّلام اس نورِ مجسّم کا نام ہے، جو نور کی حقیقی شناخت حاصل کرنے والوں کے لئے دن رات قرآن کی تفسیر و تاویل کی ضوفشانی کرتا رہتا ہے، سچ بات تو یہ ہے کہ امامِ عالیمقامؑ کے علمی اور روحانی کمالات و معجزات سب کے سب اسی میدان سے متعلّق ہیں، چونکہ یہ عقلی معجزات ہیں، اور قرآنی علم و حکمت کی روشنی پھیلانے کی خاطر، لہٰذا ہر طرف اس کے جیسے دینی فوائد ہیں، ان کا نہ کوئی شمار ہوسکتا ہے، اور نہ کوئی اندازہ۔

۱۲- آخری تفسیر و تأویل: جس طرح خدا کی اطاعت سب سے پہلے ہے، اس کے بعد رسولؐ کی اطاعت ہے، اور آخر میں اولوا الامر (یعنی أئمّۂ ھُدا) کی اطاعت ہے، اسی طرح قرآنِ حکیم کی آخری تفسیر و تأویل ان آیاتِ کریمہ میں ہے، جو نورِ امامت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تاکہ بمقتضائے حکمت قرآنِ عزیز کی تدریجی ہدایت سلسلۂ امامت کے توسّط سے ظاہر ہوتی رہے، کیونکہ قرآنی تأویل بہت سے ارتقائی درجات پر مبنی ہے، اس لئے وہ شروع سے لے کر قیامت تک پورے دور پر محیط ہے، الحمد للہ ربّ العالمین۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

بدھ ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

۷/ فروری ۱۹۹۰ء

عزیزانِ امریکا کے سوالات

چیئرمین نورالدّین راجپاری صاحب اور ایڈوائزر شمس الدّین جمعہ صاحب خدا کے فضل وکرم سے صفِ اوّل کے مومنینِ بایقین میں سے ہیں، ہمارے یہ دونوں خاص شاگرد اور ایمانی دوست امریکا جیسے انتہائی دور ملک سے (جو سیّارۂ زمین کے دوسرے حصّے پر ہے) یہاں ملاقات وعلمی سوالات کی خاطر آئے ہوئے ہیں، اس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ سبحان اللہ! یہ نیک بخت عزیزان اور ان کے ہمدرس مومنین، جو امریکا اور دوسرے ممالک میں رہتے ہیں، کس شدّت سے علمِ امامت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، اور کس حد تک معرفت کے دلدادہ ہیں، کیا یہ ان عالی ہمّت دانشمندوں کے جذبۂ دینداری کا کمال نہیں ہے، کہ امریکا میں حُسن وخوبی سے علمی خدمت انجام دے رہے ہیں، جہاں ہر گونہ مادّی ترقّی کا زبردست طوفان جاری ہے؟ آیا ان کے سامنے دنیوی مشکلات اور رکاوٹیں نہیں ہیں؟ بہت زیادہ ہیں، لیکن جہاں کوئی مومن سعادتِ ازلی سے راہِ مستقیم پر گامزن ہو رہا ہو، وہاں وہ نورانی ہدایت کی روشنی میں دنیا کی ہر ہر تکلیف کو عارضی قرار دے کر بھول جاتا ہے، آپ سب دعا کریں کہ ہر دینی اور علمی خادم کی مشکلات رفتہ رفتہ آسان اور ختم ہو جائیں! آمین!

وہ سوالات یہ ہیں:

سوال نمبر۱: کتابِ "روح کیا ہے؟" سوال (۵۷) کے جواب میں آپ نے کسی راز کا اشارہ کرتے ہوئے ن۔س۔ل کا ذکر کیا ہے، کیا آپ اس کے بارے میں کچھ وضاحت کریں گے؟

جواب: یہ راز جیسے پہلے تھا، ویسے اب بھی راز ہی ہے، جو سورۂ یاسین (۵۱:۳۶) میں ہے، مگر ہاں، میں زبانی بصیغۂ راز یہ بھید بتاؤں گا، اور اس کی شرط یہ ہوگی کہ آپ تھوڑی دیر کیلئے قلم اور کاغذ کو چھوڑ دیں، اور کلاس کے ٹیپ ریکارڈر کے سٹاپ بٹن کو بھی دبائیں۔

سوال نمبر۲: بحوالۂ سورۂ اعراف (۱۱:۷) "اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو" اس آیۂ مبارکہ کی ترتیب میں کیوں پہلے جسمانی تخلیق کا ذکر ہے؟ اور جہاں سجدۂ آدم کا مقام ہے، وہاں دوسرے بہت سے لوگ کیوں موجود ہیں؟ نیز یہ بتائیں کہ جب کوئی عارف منازلِ معرفت کے سلسلے میں واقعۂ آدمؑ سے گزرتا ہے، تب شیطان کیوں سامنے ہوتا ہے؟ کیا ایسا ہونا ضروری ہے؟ کیوں؟

جواب: ہر ہر علمی وعرفانی چیز اور ہر حکیمانہ مثال امامِ مبینؑ کی ذاتِ عالی صفات میں محدود ہے (۱۲:۳۶) پس یقیناً امامِ زمانؑ نمونۂ آدمؑ بھی ہیں، چنانچہ ہادئ برحقؑ کے وجودِ مبارک کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تخلیقِ آدم جسمانیت سے شروع ہو کر روحانیت وعقلانیت میں مکمل ہوگئی تھی، جواب کا دوسرا حصّہ: ہر آدم کے عالمِ شخصی میں از سرِ نو لوگوں کی تخلیق ہوتی ہے، لِذا (لہٰذا) جہاں فرشتے آدم کے لئے سجدہ کرتے ہیں، وہاں لوگ غیر شعوری طور پر موجود ہوتے ہیں، تیسرا حصّہ: واقعۂ آدمؑ سے اگر شیطان کو الگ کر دیا جائے، تو پھر ایسا واقعہ اور اس کی معرفت کیسے درست اور کامل ہو سکتی ہے، جبکہ دراصل اس میں شیطان بھی موجود ہے۔

سوال نمبر۳: بحوالۂ (۱۳:۷): پس شیطان سے فرمایا جاتا ہے کہ: "تو اس مقام سے اتر جا تجھ کو حق حاصل نہیں کہ تو اس میں تکبر کرے سو نکل جا۔" یہ کونسی جگہ

ہے، جہاں سے شیطان کو اترنے اور نکل جانے کا حکم ملا؟

جواب: یہ عالمِ شخصی کی بہشتِ برین (مقامِ عقل) ہے، جہاں سے شیطان زمینِ روح پر گر گیا، پھر وہاں سے خارج ہوا کیونکہ پہلا حکم ہے: فَاهْبِطْ مِنها، اور دوسرا حکم ہے: فَاخْرُجْ (۷:۱۳) یاد رہے کہ یہ دو مختلف حکم ہیں، ایک ہے بلندی سے اترنے کے لئے اور دوسرا پاکیزہ جگہ سے نکلنے کے لئے۔

سوال نمبر۴: انسان کی جسمانی پیدائش کے لئے ۹ ماہ کا عرصہ مقرّر ہے، آیا روحانی جنم کے لئے بھی کوئی ایسا وقت مقرّر ہے؟ اگر ہے تو وہ کیسا اور کتنا وقت ہے؟

جواب: جسمانی پیدائش آدمی کے اختیار سے بالاتر ہے، لِذا اس کے لئے وقت معیّن ہوا، مگر روحانی جنم چونکہ انسان کے اختیار میں ہے، اس لئے وہ جلدی بھی ہوسکتا ہے، اور بڑی دیر سے بھی، تاہم اختیار کی مہلت ختم ہوجانے کے بعد اس کا ایک وقتِ مقرّر بھی ہے، اور وہ ہے نو لاکھ برس کا زمانہ (۹۰۰،۰۰۰) جس میں آدمی کا روحانی جنم ہوتا ہے اور دودھ چھڑایا جاتا ہے، اور اس کو معلوم کرنے کا قرآنی قاعدہ یہ ہے:

اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس ۳۰ مہینے میں پورا ہوتا ہے، (۴۶:۱۵) اوسط مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے، اس لئے ۳۰ دن × ۳۰ ماہ = ۹۰۰ دن ہوئے، چونکہ خدا کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے (۲۲:۴۷) لِذا ۹۰۰ × ۱۰۰۰ = ۹۰۰،۰۰۰ (نو لاکھ) برس کا زمانہ ہوا، جیسا کہ قول ہے: نُہ صد ہزاران سال شُد تا قالبم را ساختنند۔ نو سو ہزار (۹۰۰،۰۰۰) سال ہوئے، تب میرا جسم بنایا گیا۔

سوال نمبر۵: ”اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا (۵:۵۱)“ براہِ مہربانی اس حکمِ الٰہی کی وضاحت کریں؟

جواب: یہود و نصاریٰ جیسے لوگوں کے ساتھ ظاہری دوستی جائز ہے، مگر قلبی

دوستی منع ہے، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران (۳:۱۱۸) کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو دلی دوست مت بناؤ۔'' چنانچہ اس حکم میں گہری دوستی کی ممانعت کی گئی ہے (۵:۵۱) جس کی تفسیر یہ آیت ہے (یعنی ۳:۱۱۸)۔

سوال نمبر ۶: ''میزان الحقائق'' کے صفحہ ۸۰ پر ہے'': اس سیارے کے انسانوں کے علاوہ انسانوں کے آٹھ قسم کے گروہ اور بھی ہیں۔'' گویا کُلّ نو قسم کے گروہ ہیں، کیا ہم ان نو گروہ کو، جو جواہرِ مختلفہ سے بنے ہوئے ہیں، ترتیب اور فرقِ اجسام کے لحاظ سے الگ الگ نام دے سکتے ہیں؟ اگر دے سکتے ہیں، تو وہ جدا جدا اسماء کونسے ہیں؟ اور وہ لطیف اجسام کائنات میں کہاں کہاں ہیں؟

جواب: ظاہری انسان ایک گروہ ہے لطیف انسان کے گروہی درجات بعنوانِ بہشت آٹھ ہیں، جو مختلف سیّاروں سے متعلّق ہیں، کیونکہ ہر بہشت ایک لطیف انسانی گروہ ہے، پس ان روحانیوں کے مراتب وہی ہیں، جو جنّتوں کے لئے مقرّر ہیں، نام بھی وہی ہیں، جیسے: خُلد، دارالسّلام، دارالقرار، جنّتِ عدن، جنّت الماویٰ، جنّت النّعیم، عِلّیّین، فردوس۔

سوال نمبر ۷: مذکورہ کتاب کے صفحہ ۸۱ پر درج ہے: ''ان آٹھ قسم کے روحانیوں کے اجسام گرمی، سردی، تری، اور خشکی سے بالاتر مختلف جوہروں سے ہو سکتے ہیں۔'' آپ نے نویں جسم کو روحانیین میں شامل نہیں کیا ہے، اس کے بارے میں کچھ وضاحت کریں؟

جواب: اس بیان میں ایک تو جسمِ عنصری ہے، اور آٹھ قسم کے کوکبی اجسام ہیں، پھر جسمِ خاکی کو ابدانِ لطیف میں کیسے شامل کیا جائے، یعنی موجودہ جسم کو بہشتی لباس نہیں کہہ سکتے۔

سوال نمبر ۸: انسان اور جنّات کے بعد جو سات گروہ ہیں، ان میں سے پہلے کونسے گروہ نے اپنی ذات کی معرفت میں اپنے ربّ اور اس کی پیدا کردہ کائنات کی شناخت حاصل کر لی ہے؟

جواب: چونکہ یہ سوال میزان الحقائق سے پیدا ہوا ہے، اس لئے اسی کتاب (صفحہ ۸۱) سے پڑھ لیں: ان سب کی حقیقت ایک ہی ہے، ابتداء میں یہ انسان تھے، اور اب بھی شکل و شباہت میں انسان ہی ہیں، صرف فرق اِن میں اور اُن میں اتنا ہے کہ وہ تسخیرِ کائنات کے اعلیٰ ترین مدارج پر پہنچ چکے ہیں . . . اس سے معلوم ہوا کہ معرفت اگر چہ کاملین کو دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہے، لیکن بحیثیتِ مجموعی یہ اوپر سے اوپر جا کر مکمل ہو جاتی ہے، اور ہاں، جن کو دوزخِ جہالت کی سزا کے بعد بہشتِ اوّل میں داخل کیا جاتا ہے، ان کی معرفت وہاں سے شروع ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر ۹: حضرتِ نوح علیہ السّلام ۹۰۰ (نوسو) سال تک زندہ رہے، اور ایک روایت کے مطابق ان کا قد بھی آٹھ گز کا تھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آج لوگ مقابلتاً چھوٹے چھوٹے کیوں ہیں؟ اور ان کی عمریں اتنی مختصر کیوں ہیں؟ آیا کسی دور میں پھر انسان کی عمر اور قد کے بڑھ جانے کا امکان ہے؟

جواب: جی ہاں، تاریخِ انبیا علیہم السّلام میں سب سے طویل عمر حضرتِ نوحؑ کی ہے، اور وہ ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے: آپؑ کو چالیس برس میں نبوّت ملی، اور ساڑھے نوسو برس وعظ فرمایا، پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے، اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی، اس میں چند حکمتیں ہیں:

الف: عمرِ نوحؑ قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی (معجزہ) ہے۔

ب: ہمیشہ کے لئے دنیا والوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ جو لوگ دعوتِ حق سے

منکر ہو جاتے ہیں، وہ بار بار کی نصیحت اور طولِ زمانہ سے ایسے دشمن ہو جاتے ہیں کہ ان پر عذاب نازل ہو جاتا ہے۔

ج: لوگوں کے مسلسل گناہوں کی وجہ سے آج جتنی بیماریاں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، اتنی اس زمانے میں نہ تھیں (۳۰:۴۱)۔

د: اگر کوئی شخص عمرِ نوحؑ کی طرح درازئ زندگانی چاہتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو جسمِ لطیف کے لئے تیار کریں، جس کی حیات کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس کے شکمِ مادر میں رہنے اور دودھ چھڑانے کی مدّت نو لاکھ برس کی ہے، لیکن سب سے بڑی بات اس حدیثِ قدسی میں ہے: اے ابنِ آدم تو میری اطاعت کرتا کہ میں تجھ کو اپنی مانند بناؤں گا، ایسا زندہ کہ تو کبھی نہ مرے . . . ۔

سوال نمبر۱۰: بحوالۂ مقالہ: شبِ قدر کے معجزات، نکتہ (۱۰)، محوّلہ آیت: (۲۲:۴۷)، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”روزِ قیامت، جو سنیچر ہے، وہ فیصلہ پھر نتائج کے لحاظ سے ہزار برسوں پر محیط ہے، یہ ہفت ادوارِ کبیر میں سے آخری دور ہوگا۔“ ــــــ کیا آپ ان ہزار برسوں کی کوئی خاص مدّت بیان کر سکتے ہیں؟ اس کے بعد کیا ہوگا؟ بعد کے دور کی مدّت کیا ہوگی؟

جواب: ایک قیامت حضورِ پاکؐ کے عالمِ شخصی میں پوشیدہ تھی، ایک قیامت آپؐ کے ساتھ تھی (اساس=علیؑ) ہر امام ایک قیامت، ہر ساتواں امام ایک بڑی قیامت، حضور سے تین سو سال بعد ایک بڑی قیامت، ۷×۷=۴۹ پر ایک بہت بڑی قیامت، جو قبلاً برپا ہو چکی، اور اب ہم سب دورِ قیامت میں داخل ہو گئے، اب انقلابات ہی انقلابات آئیں گے، سب سے پہلے روحانی انقلاب، علمی انقلاب، سائنسی انقلاب، فنی انقلاب، سیاسی انقلاب، وغیرہ، تفصیل کے لئے یہاں گنجائش

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نہیں۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

جمعہ ۱۹؍رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

۱۶؍فروری ۱۹۹۰ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حضرتِ طالوتؑ

ضروری مشورہ: قصّۂ طالوتؑ قرآنِ کریم کے صرف ایک ہی مقام پر موجود ہے، لہٰذا آپ پارۂ سیقول کی آخری سات آیات کا ترجمہ خوب غور سے دیکھ لیں۔

۱- آپؑ کا مرتبہ؟: حضرتِ طالوت علیہ السّلام امام تھے، جس کی کئی روشن دلیلیں قرآنِ حکیم میں موجود ہیں، آپ قرآنِ پاک میں قصّۂ طالوتؑ کو خوب غور و فکر سے پڑھ لیں، تاکہ ایسے قرآنی خزائن سے واقفیت وآگہی ہو، جو اسرارِ امامت کے انمول جواہر سے مملو ہیں، جن میں سے ہر گوہرِ دُرِّ یتیم اس معنیٰ میں ہے کہ وہ سرمایۂ دو جہان ہے۔

۲- بنی اسرائیل کے سردار: حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے نبی (شموئیل) سے کہا کہ ہمارے واسطے ایک بادشاہ (یعنی امام) مقرر کیجئے تاکہ ہم راہِ خدا میں (ظاہری اور باطنی) جہاد کریں . . . (۲۴۶:۲) ظاہر ہے کہ یہ سردار دنیاوی نہیں بلکہ دینی تھے، لہٰذا ان کا حدودِ دین ہونا ثابت ہے، چنانچہ انھوں نے دینی بادشاہ (امام) کے تقرر کے لئے درخواست کی، کیونکہ امام ہی روحانیت اور علم وحکمت کا سرچشمہ ہوا کرتا ہے، جس کے بغیر جہادِ باطن ممکن ہی نہیں۔

۳- مَلِک (بادشاہ، یعنی امام): دراصل قرآنِ حکیم نے کسی ظاہری اور دنیوی بادشاہ کو کبھی بادشاہ ہی نہ کہا، بلکہ یہ بات انتہائی اہم ہے کہ بادشاہ (مَلِک) کا لفظ امامِ عالیمقامؑ کے لئے استعمال ہوا ہے، جبکہ دنیا کی مثال میں بادشاہ اپنی حد تک بااختیار اور قانون ساز ہوا کرتا ہے، تو امام جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ولیِّ امر اور صاحبِ اختیار ہے، وہ مَلِک (بادشاہ) کیوں نہ کہلائے، پس امام علیہ السّلام کے روحانی بادشاہ ہونے میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔

۴- اِنبعاث کا راز: حضرت امام طالوت علیہ السّلام کے قصّۂ قرآن میں لفظِ "بَعَثَ" آیا ہے، جس کے معنی ہیں: اس نے بھیجا، زندہ کیا، اٹھایا، مُردے کو جلا اٹھایا، اس میں ابداع وانبعاث کا راز پوشیدہ ہے، سو اس سے ظاہر ہوا کہ طالوتؑ یوں ہی مرتبۂ امامت پر فائز نہیں ہوئے تھے بلکہ تمام روحانی مراحل کی شدید آزمائشوں سے گزر جانے کے بعد ان کو یہ مقام عطا ہوا تھا۔

۵- امامؑ خدا کی طرف سے ہوتا ہے: ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بیشک خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا (بَعَثَ، یعنی ابداع وانبعاث کے بعد بھیجا)... خدا نے اسے تم پر فضیلت دی ہے اور (مال میں نہ سہی مگر) علمِ روحانی اور جسمِ کوکبی کا پھیلاؤ تو اسی کا زیادہ فرمایا ہے اور اللہ اپنی بادشاہی جسے چاہے عطا کرتا ہے... (۲:۲۴۷)۔

۶- علم و جسمِ بسیط: امامِ اقدس واطہرؑ کے مرتبۂ علمی کے قائل تو بہت سے لوگ ہیں، لیکن ان کے معجزاتی بدن کے بارے میں جاننا ہر شخص کے بس کی بات

نہیں، چنانچہ متعلقہ آیۂ کریمہ کا یہ حصّہ انتہائی عجیب و غریب ہے: وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۔ . . (۲:۲۴۷) عام حالت میں جسم کا ذکر پہلے آتا ہے اور علم کا تذکرہ بعد میں ہوتا ہے، لیکن یہاں چونکہ قالبِ عنصری کی بات ہی نہیں، جسمِ بسیط کا بیان ہے، جو علم و معرفت کے ایک خاص حصّے کے بعد حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا آیت کی الفاظی ترتیب میں علم پہلے ہے اور جسم بعد میں، تا کہ اہلِ عقل یہ رمز سمجھ سکیں۔

۷- عالمِ ذرّ، یا ذرّاتی جسم: ذَرٌّ کے اصل معنی ہیں: چھوٹی چیونٹیاں، کِرمک، ہوا میں منتشر غبار، ذرّات (واحد: ذرّہ) نسل، اسی سے "عالمِ ذرّ" کی اصطلاح بنی ہے، یعنی ایک ایسی لطیف دنیا، جس کی تمام چیزیں انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرّات کی شکل میں ہیں، عالمِ ذرّ میں کائناتِ ظاہر کی ہر ہر چیز کی نمائندگی ہے، اور یہی عالم امامِ مبینؑ کا ذرّاتی جسم بھی ہے، جس طرح ہر آدمی کا بدن بے شمار خلیات (CELLS) کا مجموعہ ہوا کرتا ہے، درحالے کہ ہر خلیہ میں ایک کائنات سوئی ہوئی ہے، اسی طرح انسانِ کامل کا ذرّاتی بدن ہے، جو ذاتی قیامت اور صورِ اسرافیل کی وجہ سے حقیقی معنوں میں بیدار و زندہ ہو چکا ہے، اور اسی لئے وہ بحرِ علمِ لدنّی کے ساتھ ساتھ بسیط و محیط ہو گیا ہے۔

۸- جسمِ لطیف کے ظہورات: قصّۂ طالوتؑ میں اس اصول کا ذکر ہوا ہے کہ امامِ برحقؑ کی فضیلت و برگزیدگی دو چیزوں کی وجہ سے ہے: علمِ روحانی، اور جسمِ لطیف، یہ دونوں چیزیں اگر سب کے سامنے ظاہر اور عام ہو جاتیں، تو معرفت کا سارا امتحان اور کامیابی کے تمام درجات بالکل ختم ہو جاتے، مگر یہ بات خدائے علیم و حکیم کو منظور ہی نہ تھی، پس امامِ عالیمقام علیہ السّلام کے یہ دونوں ہمہ رس اور عالمگیر

معجزے محبّت وتابعداری سے مشروط ہوئے چنانچہ اہلِ معرفت پر یہ آفاقی حقیقت منکشف ہوگئی کہ ہر چیز ایک جہت سے امامِ مبینؑ کی ذاتِ بابرکات میں محدود ہوکر نورِ امامت کے رنگ سے رنگین اور عشق ومعرفت کے عطر سے خوشبودار ہوچکی ہے (۱۲:۳۶) اس لئے ہر شی میں امام شناسی کا کوئی بھید پوشیدہ رہتا ہے، اور کوئی چیز اس قانونِ معرفت سے باہر نہیں، چنانچہ جِنّات (پریوں) کے لطیف جسم میں، اُڑن طشتریوں کی مثال میں، اور روح القدس کی تمثیل (۱۷:۱۹) میں امامِ مبینؑ کے معجزاتی ظہورات کے اشارے موجود ہیں، سبحان اللہ! امامِ برحقؑ کی شان!

۹- پیغمبرِ اکرمؐ کے دو معجزے: یقیناً ازل ہی سے سُنّتِ الٰہی ایسی چلی آئی کہ ہادیٔ زمانؑ کے بنیادی معجزے آدم وحوّا کی طرح دو ہی ہوں، تاکہ یہ بتدریج بے شمار معجزات کو جنم دیں، چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دو دائمی اور عقلی معجزے چھوڑ گئے ہیں: کتاب اللہ (یعنی قرآن) اور عترت (امام) جس میں وہی آسمانی علم اور پاک شخصیت ہے، اور اس کے پس منظر میں جسمِ لطیف، جیسا کہ تذکرۂ طالوتؑ میں ہے۔

۱۰- امام کی روحانی سلطنت کی علامت: ان کے نبی نے ان سے یہ بھی کہا: طالوت کے (مِن جانبِ اللہ) بادشاہ یعنی امام ہونے کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا، جس میں تمہارے ربّ کی طرف سے تسکین ہے، اور وہ چیزیں ہیں جو موسیٰ و ہارون کی اولاد نے چھوڑی ہیں اور اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوں گے ... (۲:۲۴۸) روحانیت کی گوناگون مثالیں ہیں، اور ان میں سے ایک مثال ایسے صندوقِ مقفل کی طرح ہے، جو انتہائی قیمتی اشیاء سے بھرا ہو،

پس امام اور روحانی سلطنت کا مالک وہی ہوسکتا ہے، جس کے حجتوں اور داعیوں کے پاس صندوقِ سکینہ آجائے، جس میں ہر قسم کا اطمینان ہے، خصوصاً امامِ برحقؑ کے معجزاتِ علمی سے تسکین، اور فرمایا کہ اس صندوق کو فرشتے ہی اٹھاتے ہیں، یعنی یہ صندوق مادّی نہیں، بلکہ روحانی ہے، جس میں تجدّدِ امثال کے طریق پر نبوّت و امامت کے کُلّ معجزات محفوظ ہیں (بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ۲:۲۴۸)۔

۱۱- أساس التّأويل: قاضی نعمان نے ''أساس التّأویل'' صفحہ ۲۴۷ پر تحریر فرمایا ہے: وكانت الامامة فی دَورِ موسٰی قد انتهت الٰی طالوت ....۔ اور ص ۲۴۸ پر درج ہے: وكان طالوت امام الزّمان ....۔

۱۲- سرائر و اسرار النّطقاء: اس کتاب (ص ۱۸۳) کے حوالے سے طالوتؑ بنیامین کی نسل سے تھا، بنیامین حضرتِ یعقوبؑ کا بیٹا اور حضرتِ یوسفؑ کا حجّت تھا، جب حضرتِ موسیٰؑ کی زندگی ہی میں حضرتِ ہارونؑ کا انتقال ہوا تو ان کے چھوٹے فرزند پر حضرتِ یوشع بن النونؑ کو کفیل اور امام بنایا گیا ''واجعله كفيلاً علٰى ولدكَ الاصغر۔ ص ۱۷۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ہارونؑ پر وحی نازل فرمائی کہ تم یوشعؑ کو اپنے چھوٹے بیٹے پر کفیل بناؤ۔'' پس یہ واقعہ بھی اسرارِ امامت میں سے ہے۔

۱۳- دعائم الاسلام: حضرتِ امام باقر علیہ السّلام کا فرمان ہے: ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو خداوندِ عالم نے امامت کے مرتبۂ اعلیٰ سے نوازا ہے، اس لئے لوگ ہم سے حسد کرتے ہیں، اور اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (۴:۵۴) سو ہم نے

خاندانِ ابراہیمؑ کو کتاب بھی دی ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے۔ یعنی ہم نے آلِ ابراہیمؑ میں سے انبیا و مرسلین اور ائمّہ پیدا کئے ہیں۔ الغرض مُلکِ عظیم سے مرتبۂ امامت مراد ہے، اور قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی ہو، لفظِ "مَلِک" (بادشاہ) امامِ عالیمقامؑ ہی کے لئے آیا ہے، کسی ظاہری حکمران کے لئے نہیں۔

۱۴- قصّۂ بلقیس میں "مُلوک": بلقیس کہنے لگی بادشاہانِ مملکت جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں (یعنی بصورتِ جنگ) اور اس کے رہنے والوں میں جو عزّت دار ہیں ان کو ذلیل کیا کرتے ہیں (۲۷:۳۴) اس کی تاویلی حکمت یہ ہے کہ: حضراتِ ائمّہؑ جو روحانی مُلوک ہیں، اپنے اپنے زمانے میں اعلیٰ درجے کے عوالمِ شخصی کو فتح کر لیتے ہیں، جنگ اور تعمیرِ نو کی مثال میں فساد ہوتا ہے، اور سرکش و نافرمان قوتوں کو ذلیل کیا جاتا ہے، اور سخت صلاحیتوں کو نرم بنایا جاتا ہے۔

۱۵- حدودِ دین یا کامیاب مومنین: خداوندِ تعالیٰ نے ہر زمانے کے امام کو بادشاہ بنایا ہے تاکہ لوگ اس کی اطاعت و پیروی کے نتیجے میں بادشاہ ہو جائیں، جیسا کہ سورۂ مائدہ (۵:۲۰) میں ہے: وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا (اور تم کو بادشاہ بنایا ۵:۲۰) اس کی مثال یہ ہے کہ عالمِ شخصی ایک عظیم مُلک و مملکت ہے، یعنی بہت بڑی بادشاہی، جس پر کسی کافر دشمن نے قبضہ کیا ہے، اس کافر کو آپ کچھ بھی نام دیں، مثلاً شیطان، یا دیو، یا نفسِ امّارہ، بہر حال یہ بادشاہی دشمن کے تصرّف میں ہے، اب جہاد کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور جہاد امامِ وقتؑ کے بغیر ممکن ہی نہیں، کیونکہ یہ کوئی

بازیچۂ اطفال ہے نہیں، پس حدودِ دین یا کامیاب مومنین امامِ عالی نسبؑ کی تائید سے اپنے عالمِ شخصی میں جنگ کرتے ہیں، جو بڑی سخت ہوا کرتی ہے، تاہم آخر کار بفضلِ خدا انھیں فتح حاصل ہو جاتی ہے، اور لازوال سلطنت کے مالک ہو جاتے ہیں، یہ ملکۂ سبا کے قصّے میں سے قاعدۂ ملوک (۲۷:۳۴) کی وضاحت ہے۔ اور سارے بیان کا مرکز بھی یہی ہے، کیونکہ اس میں شروع سے لے کر آخر تک تمام أئمّہ (ملوک) کی عادت کا تذکرہ ہے کہ وہ ہمیشہ کس طرح اپنے لشکر سے کام لے کر عوالمِ شخصی کو لیا کرتے ہیں۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

اتوار ۲۱ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

۱۸ فروری ۱۹۹۰ء

چند پیچیدہ مسائل

۱- جِنّ کس اصل سے پیدا ہوتا ہے؟: جواب: جِنّ پوشیدہ، نادیدہ، اورلطیف ہے، جو کثیف سے پیدا ہوجاتا ہے، یعنی انسان سے، انسان اچھے بھی ہیں اور بُرے بھی، چنانچہ نکوکار انسانوں سے نکوکار جِنّات بنتے ہیں، آپ انھیں فرشتے بھی کہہ سکتے ہیں، اور بداعمال آدمیوں سے بداعمال جنّوں کا وجود بنتا ہے ایسے جِنّات شیاطین کہلاتے ہیں۔

۲- کیا اب بھی وہی شیطان موجود ہے، جو زمانۂ آدمؑ میں تھا؟: جواب: نہیں، یہ قانون نہیں، بلکہ نمائندگی کا قانون چلتا ہے، وہ یہ کہ جس طرح ہر زمانے میں حضرتِ آدمؑ کا ایک جانشین ہوا کرتا ہے، اسی طرح ابلیس اور شیطان کے نمائندے ہوا کرتے ہیں، کیونکہ نہ صرف ھادی ہی کی شخصیت بدلتی ہے، بلکہ مُضِلّ (گمراہ کرنے والا، یعنی شیطان) بھی دوسرا مقرّر ہوتا ہے۔

۳- آیا زمانۂ آدمؑ میں صرف ایک ہی شیطان تھا؟:

جواب: جی نہیں، یہ بھی ایک بڑا عجیب راز ہے کہ حضرتِ آدم علیہ السّلام کے چند اِنسی اور جِنّی شیاطین تھے، جیسا کہ سورۂ انعام (۶:۱۱۲) میں ہے: اور اسی طرح ہم نے اِنسی اور جِنّی شیاطین ہر نبی کے دشمن بنائے ... (۶:۱۱۲) لِکُلِّ نَبِیٍّ (ہر نبی کے لئے) سو یہ کُلّیّہ ہے ہر پیغمبر کے واسطے، اور پھر پیغمبرؐ کے جانشین کے لئے بھی، تاکہ آزمائش کا

سلسلہ کسی فرق وتفاوت کے بغیر جاری رہے، کیونکہ دین کے بنیادی قوانین ہمیشہ ایک جیسے رہتے ہیں۔

۴- شیطان کی بنیادی علامت کیا ہے؟: جواب: کوئی شک نہیں کہ شیطان میں بے شمار بُرائیاں ہیں، لیکن تمام بُرائیوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ ھادیٔ برحق کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا، وہ اپنے آپ کو آدمِ زمانؑ سے بہتر اور برتر سمجھتے ہوئے تکبر کرتا ہے، اسی عمل سے وہ درحقیقت مشرک قرار پاتا ہے، کیونکہ خلیفۂ خدا کو نہ ماننا ہی سب سے بڑا شرک ہے۔

۵- اِنسی شیاطین اور جِنّی شیاطین کس طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں؟: جواب: وہ ایک دوسرے کے جی میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتے ہیں، تاکہ ان سے لوگوں کو فریب دے کر گمراہ کرسکیں، کیونکہ عوام النّاس مُلمّع کی ہوئی باتوں سے بہت متاثر ہوجاتے ہیں، اور وہ بیچارے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان میں مغزِ حقیقت ہے؟ یا نہیں؟ (۶:۱۱۲)۔

۶- گورخیز کسے کہتے ہیں؟: جواب: گورخیز (قبر سے اٹھنے والا) وہ شخص ہوتا ہے، جو مرجانے اور سپردِ خاک ہونے کے فوراً بعد البتّہ جسمِ لطیف میں نمودار ہو کر لوگوں میں خوف وہراس پھیلاتا ہے، اور اصل واقعہ یوں ہے کہ کبھی کبھار جنّ مُردۂ آسیب زدہ کے روپ میں یہ کام کرتا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ (۲:۲۷۵) میں ارشاد ہے: جو لوگ سود کھاتے ہیں (مرجانے کے بعد) نہیں کھڑے ہوں گے، مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان (جِنّ) دیوانہ بنادے لپٹ کر (۲:۲۷۵) سود

کی تأویل ہے، جس کا ذکر جداگانہ ہونا چاہئے، غرض جس پر جِنّ سوار ہو، وہ ایک اعتبار سے جِنّ ہے، اور دوسرے اعتبار سے خود ہے۔

۷- گورخیز کو کس نے دیکھا؟: جواب: مرحوم حمید علی شاہ ہمارے گاؤں (حیدرآباد) کے اکابر اور معتبر حضرات میں سے تھے، انھوں نے یہ ذکر کیا کہ بزرگوار شاہ نواز شاہ (بلبل پیر) صاحب اور ان کے والدِ محترم پیر شاہ عبدالحمید صاحب بوقتِ شام اپنے گھوڑوں پر گھر کی جانب تشریف لے جا رہے تھے کہ بڑونامی گورخیز (یعنی جِنّ) ایک گھوڑے پر سوار ہو کر نمودار ہوا، وہ دائیں بائیں آگے پیچھے سے آکر ان باکرامت ہستیوں کو ڈرانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، اتنے میں بزرگ پیر شاہ عبدالحمید صاحب نے چند پتھروں پر دم کیا، اور جِنّ پر سنگ باری کی، یہاں تک کہ وہ حضرات گھر پہنچ گئے، اب گورخیز غائب ہو چکا تھا، ایک ایسا واقعہ سریقول (چین) میں بھی ہمارے وہاں جانے سے پہلے پیش آیا تھا، جس کا تذکرہ فتح علی خان صاحب اور دوسرے صاحبان کرتے تھے، یہ واقعہ تحقیق (ریسرچ) کے لئے بڑا اہم ہے اس لئے مسگار کے عزیزان پوچھ کر تحقیق کریں۔

۸- کیا آپ اس پر مزید قرآنی روشنی ڈال سکتے ہیں؟:

جواب: ان شاء اللہ، سورۂ مریم (۱۹:۱۷) میں معنوی گہرائی سے دیکھ لیں کہ جب حضرتِ مریم علیہا السّلام کے سامنے حضرتِ جبرائیلؑ کا مثالی ظہور ہوا، تو وہ کسی عام انسان کی شکل میں نہیں بلکہ شخصِ کامل کی صورت میں تھا (بَشَراً سَوِیّاً ۱۹:۱۷) چنانچہ اگر فرشتہ مظہرِ اعلیٰ میں ظاہر ہو سکتا ہے، تو پھر اس میں کیا شک ہے کہ شیطان مظہرِ ادنیٰ میں آشکار ہو، یعنی کسی ایسے آدمی میں جو غافل، جاہل اور گمراہ ہے، کیونکہ ہر مخلوق کی

فطری پسند جداگانہ ہوا کرتی ہے، مثال کے طور پر تتلیوں اور بھونروں کو پھول پسند ہیں، مگر مکھیوں کو ایسی چیزیں نہیں بھاتیں، وہ تو غلاظتوں کو چاہتی ہیں، پس انسان کو اختیار حاصل ہے، اگر وہ چاہے تو فرشتے کی منزل (اترنے کی جگہ) ہو سکتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شیطان کا آلۂ کار بنے (۴۳:۳۶)۔

۹- آیا شیاطین حاضر ہو سکتے ہیں؟: جواب: جی ہاں،

شیاطین نہ صرف آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں، بلکہ کسی جانور یا کسی انسی شیطان کی صورت میں حاضر بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ سورۂ مومنون کی ان دو آیتوں کا ارشاد ہے: اور دعا کرو کہ اے میرے ربّ! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں (۲۳:۹۷) اور اے میرے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس حاضر ہو جائیں (۲۳:۹۸) کسی کا حاضر ہونا یہ ہے کہ وہ ہماری ظاہری نگاہ کے سامنے آجائے، یہ شیاطینِ اِنسی بھی ہو سکتے ہیں، اور شیاطینِ جِنّی بھی، کیونکہ دونوں قسم کے شیطانوں کا ایک ہی مقصد ہے۔

۱۰- نادیدہ مخلوق سے پتھراؤ کیوں ہوتا ہے؟: جواب:

بعض دفعہ کسی خاص مقام پر شیاطین علامت کے طور پر چھوٹے چھوٹے پتھر پھینکتے ہیں، اس میں خوف وخطر کی کوئی بات نہیں، یہ صرف قانونِ فطرت کا ایک تجرباتی اور علمی منظر ہے، اس اشارے کے ساتھ کہ شیطان کی عادت ہے پتھراؤ (سنگ باری) کرنا، کیونکہ وہ رجیم (سنگسار کیا گیا، اور سنگسار کرنے والا) ہے، اس لئے دوسروں کو بھی رجیم بنانا چاہتا ہے، اس کی تاویل یہ ہے: دینی دشمن کا ہر سوال، ہر مسئلہ، ہر طعنہ ایک ایسا خطرناک پتھر ہے، جس کی زد سے کمزور مومن یا تو مر ہی جاتا ہے، یا زخمی ہو جاتا ہے، جس کے

معنی ہیں دل میں شکوک وشبہات کا جنم لینا، اور روح الایمان کا ختم ہو جانا، جو جیتے جی جہالت کی موت ہے، اور یہ بدترین مرگ ہے۔

۱۱- لطیف شیطان کس طرح سنگباری کر سکتا ہے؟:

جواب: یہ مسئلہ بیحد ضروری ہے، کیونکہ اس کا تعلّق ہر لطیف مخلوق کے فعل سے ہے جیسے فرشتہ، روح، جِنّ، وغیرہ اس کا جواب ظاہری مثالوں سے یہ ہے کہ درخت کثیف ہے، اور اس کے مقابلے میں ہوا لطیف، لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ آندھی اپنی ایک ہی ٹھوکر سے کتنے بڑے اور مضبوط درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے، ہاتھی کو کیا چیز اٹھا رہی ہے؟ روح، گھوڑے کو اس سختی سے کیا شی دوڑا رہی ہے؟ روح، پرندے کس شی کے زور سے محوِ پرواز ہیں؟ روح کی طاقت سے، مملکتِ سلیمانی میں جنّات کا کیا کردار تھا؟ ہر کام وہی کرتے تھے، آیا قرآنِ پاک میں یہ تذکرہ نہیں کہ فرشتوں نے جہاد میں حصّہ لیا؟ کیوں نہیں، الغرض طاقت کا اصل سرچشمہ روحِ لطیف ہے، اور جسمانی طاقت ہمیشہ اسی کی بدولت مہیّا ہوتی رہتی ہے۔

۱۲- کیا عصرِ حاضر میں جنّات کا کوئی مشہور واقعہ ہے؟:

جواب: ذاتی واقعات سے قطعِ نظر، شمالی علاقہ جات کے ایک معزّز خاندان کا مشہور قصّہ ہے، کہ جنّات یا اجسامِ لطیف یا افرادِ روحانی یا مردانِ پری ظاہر ہوئے بغیر آگئے، وہ اپنی گوناگون حرکتوں سے سب کو پریشان کر رہے تھے، مثلاً سنگباری کرنا، بسترہ اور تکیہ کو پھینکنا، چارپائی کو الٹنا، وغیرہ یہ سارے واقعات اکثر رات کے وقت پیش آتے تھے، اسی طرح یہ سلسلہ چند سال تک جاری رہا، مگر پھر بھی شکر ہے کہ وہ حضرات وہاں سال کے ایک ہی موسم میں رہتے تھے، بہ ہر حال سوائے خوف وہراس کے شاید ان کا

کچھ نقصان نہیں ہوا، تاہم اس واقعہ میں بہت سے اشارے پوشیدہ ہو سکتے ہیں، جن میں جسمِ لطیف کے بارے میں اچھی خاصی معلومات ہوں، جس پر بہشت کا قیام ہے۔

۱۳- آیا جِنّ جانور کا روپ دھار سکتا ہے؟: جواب: بہت سے لوگوں کو یہ ایک بہت بڑی غلطی ہوئی ہے کہ وہ جِنّ و پری کو الگ الگ دو قسم کی مخلوق سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ ایک ہی ہے، جس کو عربی میں جِنّ اور فارسی میں پری کہتے ہیں، پس پری قوم میں سے کوئی مرد یا عورت جانور کا روپ دھار سکتی ہے، یہاں ایک واقعہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں، قصّہ ہے بہت پہلے کا، کہ میرے دادا جان خلیفہ محمد رفیع ابنِ فولاد بیگ بوقتِ شب کسی روحانی مریض پر عملِ حاضراتِ ارواح کر کے گھر کی طرف آ رہے تھے کہ دیوان شاہ کے باغیچہ میں ایک بچھڑا نظر آیا، انھوں نے خیال کیا کہ یہ دیوان شاہ کا بچھڑا ہی ہے جسے وہ یہاں سے لیجانا بھول گئے ہوں گے، لیکن بڑا عجیب واقعہ پیش آیا، کہ وہ بچھڑا اونچی اونچی دیواروں کو پھلانگتا ہوا اس طرف چلنے لگا، جس طرف میرے دادا صاحب جا رہے تھے، پھر وہ چوکنّا ہو گئے اور دم دعا شروع کی، تا آنکہ گھر کے قریب آتے ہی یہ مخلوق بلّی کی صورت میں بدل گئی، جو غضبناک ہو کر میاؤں میاؤں کرتی رہتی تھی، پس وہ سمجھ گئے کہ حاضرات میں کوئی کسر رہ گئی ہے، چنانچہ انھوں نے بلّی کو گوشتِ خام کا ایک حصّہ دیا، اور وہ اسے غرّاتے ہوئے لے گئی، یہ جِنّات یعنی پریوں کا ایک قصّہ ہے، جو علمِ تحقیق کی روشنی میں بیان ہوا۔

۱۴- اگر کسی گھر میں جِنّ (پری) ہو، تو اس کا کیا علاج ہے؟: جواب: اس کا علاج یہ ہے کہ وہاں بوقتِ شب کثرت سے خدا کو یاد کیا

جائے، بار بار ذکرِ جلی ہو، عملِ چراغ روشن کے ذریعے گھر کو ہر قسم کے شر سے اللہ کی پناہ میں رکھا جائے، ہر روز اس میں قرآنِ مجید کی آواز بلند ہو، اور سویرے سویرے گریہ و زاری پر مبنی مناجات کی جائے، اور اگر وہ آفت پھر بھی نہیں ٹلتی، تو سمجھ لینا چاہئے کہ اسی میں حکمت و مصلحت ہے، پس ایسی جگہ عبادت، ذکر، ریاضت، چلّہ، وغیرہ کے لئے انتہائی مفید ہے (۹:۵۲) اور یہ روحانی ترقّی کی ضمانت ہے (۲:۱۵۵) کیونکہ یہ آزمائش خوف کا مقام ہے۔

نصیر الدّین نصیؔر ہونزائی

کراچی

پیر ۲۹ ؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

۲۶ ؍ فروری ۱۹۹۰ء

پُرتگال سے دو سوال

شعر: منّت منه که خدمتِ سلطان همی کنم
منّت شناس ازو که بخدمت بداشت است

احسان مت رکھ یہ کہتے ہوئے کہ میں بادشاہ کی خدمت کر رہا ہوں، تو خود اسی کا احسان مان لے کہ اس نے تجھ کو اپنی خدمت میں رکھ لیا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے دینی پادشاہ نے ہمیں اور ہمارے عزیزوں کو شرق و غربِ عالم میں خدمت کا زرّین موقع عنایت کر دیا ہے، الحمد لِلّٰہِ علیٰ منّہٖ و اِحسانہٖ۔

پُرتگال سے بتوسّطِ عزیزان دو سوال آئے ہیں، اور پہلا سوال یہ ہے: اسلام میں روحانی لحاظ سے مُخنّث کی کیا حیثیت ہے؟ یہ سوال بیحد مشکل ہے، اس لئے کہ اس کا حل کسی بھی ظاہری کتاب میں موجود نہیں، مگر امامِ زمان علیہ السّلام کو خدائے بزرگ و برتر نے ہر چیز کا علم عطا کر دیا ہے (۱۲:۳۶) لہٰذا ہم اسی پاک و پاکیزہ ہستی سے رجوع کرتے ہیں تاکہ تائید حاصل ہو، آمین!

مُخَنّث (ہیجڑا = EUNUCH) کا نام سنتے ہی عوام النّاس نفرت کرنے لگتے ہیں، مگر حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں، جب ہم مسئلۂ مُخَنّث کو فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب دعائم الاسلام، جلدِ ثانی، کتاب الفرائض، فصل ۷ میں دیکھتے ہیں، تو حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ ہیجڑا مقامِ پیشاب کے پیشِ نظر بظاہر ایسا فردِ بشر لگتا ہے جو مرد اور عورت کے درمیان ہے، لیکن مذکورہ کتاب کے حوالے سے اَئمّۂ ہُدا علیہم السّلام نے اس مسئلے کو جس طرح حل کیا ہے، اس کی روشنی میں عمل کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ

ایسا شخص درحقیقت یا تو مردوں کی میراث لینے والا ہے، یا عورتوں کی طرح، اور درمیان میں بھی ہوسکتا ہے، اس حال میں نصف میراث مردانہ اور نصف میراث زنانہ ملے گی، آپ مذکورۂ بالا کتاب میں دیکھیں۔

اب آتے ہیں اصل سوال کی طرف کہ: اسلام میں روحانی لحاظ سے مُخَنّث کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: الف: روحِ انسانی اس مادّی دنیا میں آکر کس نوعیت کے بشری لباس میں ملبوس ہوگئی، یہ بات ہنگامی قسم کی ہے، اس لئے اس کی کوئی خاص اہمیّت نہیں، کیونکہ دراصل دیکھنا یہ ہے کہ روح کا مرتبۂ ازل کیا ہے، اور اس کو دوبارہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ب: قرآنِ حکیم کبھی پیدائشی معیوب انسانوں کی مذمت نہیں کرتا، جیسے جسمانی اندھے، بہرے، گونگے، وغیرہ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی بھی فطری عیب انسان کے اختیار میں نہیں، اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی خدائی مصلحت ہے، پس کسی کے مُخَنّث ہونے میں ضرور اللہ کا کوئی راز ہے، اور ہم بندوں سے امتحان۔

ج: روحانی اور علمی اعتبار سے روحِ انسانی مرتبۂ رُجولت (رُجولیّت) پر بھی ہے، مرتبۂ نسوانیت پر بھی، اور درمیان میں بھی ہے، لیکن ان تمام مراتب سے بالاتر جا کر فنافی اللہ ہوجانے کی جو سیڑھی ہے، وہ کبھی بند نہیں ہوسکتی۔

د: آجکل دورِ قیامت اور سائنس کی روشنی میں یہ ایک بڑا عجیب واقعہ بھی مشہور ہورہا ہے کہ قدرتی طور پر جنس تبدیل ہوجانے کی مثال سامنے آئی ہے، یعنی کبھی کبھار کوئی لڑکا بدل کر لڑکی ہوجاتا ہے، اسی طرح کوئی لڑکی لڑکا ہوجاتی ہے، اس واقعہ سے یہ درست نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ روح کے لئے نر و مادہ وغیرہ جیسی صفات عارضی

ہیں، جبکہ انائے علوی میں اس کا حقیقی اور دائمی مرتبہ اصل سے واصل رہنا، اور فنا فی اللہ و بقا باللہ ہے۔

ھ: جب یہ حقیقت تسلیم کی گئی کہ آدمی ایک کائنات ہے، یعنی عالمِ شخصی، اور اس میں بیشمار خلیات و لاتعداد ارواح کا نظام قائم ہے، بلکہ اس میں عالمِ کبیر کی تمام چیزیں بصورتِ لطیف مجموع ہیں، تو پھر ایسے میں انسانی حقیقت کو صرف ایک جسمانی مرد، یا عورت، یا متوسط کی حد تک محدود ماننا زیادتی ہوگی۔

و: ہر شخص، خواہ کوئی ہیجڑا ہی کیوں نہ ہو، اپنے ذرّاتِ روح کی پُرحکمت کثرت کی بدولت دنیا بھر کے مردوں اور خواتین میں پوشیدہ ہے (۶:۱۲۲) بیشک یہ بات آج بحدِّ قوّت ہے، تاکہ کل بہشت میں وہ بحدِّ فعل روحِ کُلّ (نفسِ واحدہ) میں زندہ ہو کر پسندیدہ افراد کے روپ میں متجلّی ہو سکے۔

حُدودِ دین

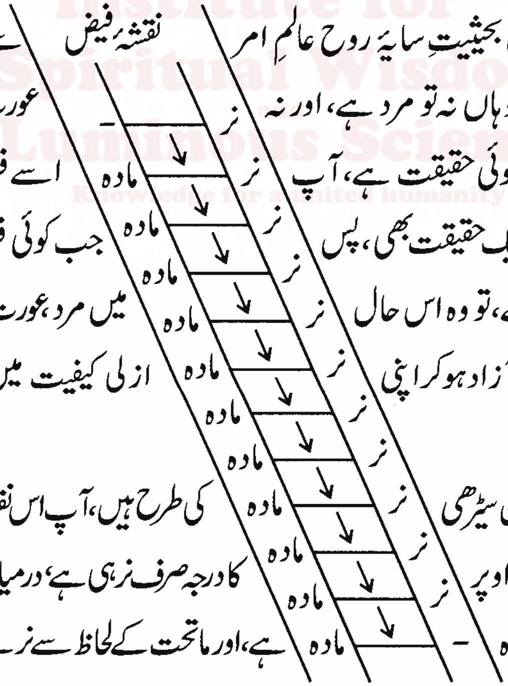

ز: انسان بحیثیتِ سایۂ روحِ عالمِ امر سے یہاں آیا ہے (۸۵:۱۷) یہ وہاں نہ تو مرد ہے، اور نہ عورت، بلکہ ان دونوں سے بالاتر کوئی حقیقت ہے، آپ اسے فرشتہ یا نور کہہ سکتے ہیں، اور یک حقیقت بھی، پس جب کوئی فرد خدا کے حضور لوٹ جاتا ہے، تو وہ اس حال میں مرد، عورت وغیرہ کے اوصاف سے مجرّد و آزاد ہو کر اپنی ازلی کیفیت میں جاتا ہے (۶:۹۴)۔

ح: حدودِ دین سیڑھی کی طرح ہیں، آپ اس نقشہ میں دیکھ سکتے ہیں کہ سب سے اوپر کا درجہ صرف نر ہی ہے، درمیان کا ہر درجہ مافوق کے پیشِ نظر مادہ ہے، اور ماتحت کے لحاظ سے نر ہے، اور سب

سے نچلا درجہ صرف مادہ ہے، یعنی مستجیب، جو فیضِ علم حاصل کر سکتا ہے، مگر کسی کو فیض نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ وہ ہنوز مستجیب ہے، اور ماذون نہیں ہوا۔

ط: اس تاویلی سیڑھی سے تین باتوں کا پتا چلتا ہے: ایک وہ ہے، جو صرف مرد ہی کی طرح فیض دیتا ہے، دوسرے وہ ہیں جو عورت کی طرح فیض لیتے بھی ہیں اور پھر مرد کی طرح فیض دیتے بھی ہیں، اور آخری درجہ ایسا ہے کہ وہ فی الوقت عورت کے مقام پر ہے، تاہم وہ علم وعمل سے مرد بھی ہو سکتا ہے، جیسے اس کے اوپر والے ہیں، اور ان سے بھی اوپر جا سکتا ہے۔

ی: اس بیان میں صراحت سے بھی اور اشارت سے بھی مطلوبہ جواب مہیّا کیا گیا ہے، ہماری کتنی کمزوری ہے کہ معاشرے کی مخالفت کے ڈر سے بعض مسائل پر کھل کر روشنی نہیں ڈال سکتے ہیں، الغرض مُخَنّث بھی انسان ہی ہے، خواہ وہ ایک کمزور مرد کی حیثیت میں ہو، یا ایک عاجز عورت کی کیفیت میں، یا درمیانی حالت میں، جس کا قبلاً ذکر ہو چکا، بہر حال یہ اس کی جسمانیت ہی کی بات ہے، مگر اس کا تعلّق روحانیت سے ہر گز نہیں، کیونکہ مُخَنّث کی روح دوسروں سے مختلف نہیں۔

دوسرا سوال ایک دیندار بہن کا ہے، جس کا پیشہ نرسنگ ہے، ... ان کی خواتین کے لئے نصیحت بالکل درست اور حق ہے، اور جیسا مشورہ دیتی ہیں، وہ جائز ہے۔

نوٹ: پہلے سوال کے جواب میں، جو دس اجزاء پر مشتمل ہے، بہت سی گرانقدر معلومات درج ہوئی ہیں، جو بھی اس تحریر کو پڑھیں، ان سے گزارش ہے کہ اس میں خوب غور سے کام لیں، مثال کے طور پر یہ کہنا کوئی عام بات نہیں کہ ہر شخص بحدِ قوّت دنیا بھر کے لوگوں میں رہتا ہے، اور کل بہشت میں یہ معجزہ فعلاً ظاہر ہو جائے

گا، تا کہ روحِ نجات یافتہ کے بہت سے حقیقی ظہورات ہوں۔

بعض دفعہ کوئی ایسا سوال بھی پوچھا جاتا ہے کہ آیا خواتین جنّت میں بھی خواتین ہی رہ کر رجال کے مقابلے میں کمتر اور حقوق میں محدود و محبوس ہوں گی؟ یا ان کے لئے بھی بڑے بڑے درجات ہوں گے؟

یاد رہے کہ رجولت و نسوانیت کا تعلّق صرف جسمِ خاکی ہی سے ہے، جو موت کے بعد ضائع ہو جاتا ہے، رہا جسمِ ابداعی کا سوال، وہ تو معجزاتی ہے، اس لئے اس میں فرشتہ، جِنّ (پری) حور، غلمان، مرد و زن سب کے ظہورات ہیں، آپ قرآنِ مجید میں دیکھیں کہ بہشت میں کون کون سی نعمتیں حاصل ہوں گی، اور کیا کیا چیزیں ناممکن ہیں (۱۴:۳۴؛ ۱۵:۲۱؛ ۳۱:۲۰؛ ۵۰:۳۵)۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

اتوار ۶ / شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

۴ / مارچ ۱۹۹۰ء

سرورِ دوستان، فخرِ محبّان، عزیزِ عزیزان، میرے
محسن ومہربان جناب ڈاکٹر فقیر محمد ہونزائی صاحب
دامت برکاتہٗ !

صد گونہ شوقِ ملاقات و آرزوئے دستبوسی کے ساتھ گلشنِ دل سے گلدستۂ "یاعلی مدد" پیش کرتا ہوں، دنیائے ظاہر کے پھول مرجھا مرجھا کر زبانِ حال سے گلہائے باطن کی سدابہار خوبیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں، جی ہاں، ہر زوال پذیر شئی کسی لازوال حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور ہر چیز کی شناخت اس کی ضد سے ہوتی ہے، پس ان پھولوں میں یہ جاذبیت وکشش اس لئے رکھی گئی ہے کہ، ہم ان غیر فانی گلوں کو یاد کریں، جو باطن، روحانیت، اور جنّت میں ہیں۔

آپ کا ہر ترجمہ لفظی اور معنوی جمال وکمال کی بہشتِ برین ہے، آپ کے قلمِ مقتدر نے بیاض کو ریاضِ جنّت بنادیا، آج اگر یہ خوبصورت اور کامیاب تراجم نہ ہوتے، تو شرق وغربِ عالم میں ہمیں ایسے عالی مرتبت دوست کیسے ملتے، ایک بڑے وسیع حلقے سے جس طرح آج دعا حاصل ہو رہی ہے، اس کی سعادت ہمیں ممکن نہ ہوتی، اور سب سے بڑھ کر امامِ زمان صلوات اللہ علیہ کے وہ مبارک الفاظ ہم کہاں سے اور کیسے پیدا کرسکتے، جو ان ترجموں کی بدولت آج ارشاد ہوئے ہیں، جیسا کہ مولائے پاک نے ارشاد فرمایا: "میرے پاس پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے تازہ لٹریچر آرہا ہے۔" کسی اور میٹنگ میں مولا نے ارشاد فرمایا: "علّامہ نصیرالدّین بہت ایمانی شخص ہیں۔" گزشتہ سال امامِ زمانؑ جب یہاں تشریف لائے تھے، اس دوران ایک شخصیت نے فون پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ مولائے پاک آپ سے بہت

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

خوش ہیں۔

کسی بڑے عملدار نے کہا کہ مولا آپ سے بیحد راضی ہیں، اگر آپ کو حاضر امامؑ کی خصوصی ملاقات کرائی جائے، تو آپ دیکھ سکیں گے کہ مولا آپ سے کس حد تک خوش ہیں، ایک وزیر نے کہا کہ مولانا حاضر امام علیہ السّلام علاّمہ نصیر الدین کی کتابوں سے نہایت شادمان ہیں، یہ انتہائی عظیم سعادت کس طرح حاصل ہوئی؟ مجھے جذباتی انداز میں کہنا چاہئے: میں ان سے فدا ہو جاؤں، جنھوں نے ترجموں کا مشکل کام انجام دیا، اور ان سے بھی میری جان قربان ہو، جنھوں نے گوناگون خدمات انجام دیں۔ جب ڈاکٹر فقیر محمد صاحب ہونزائی آستین چڑھا کر ترجمے کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں، تو گمان ہوتا ہے کہ بہت سی اعلیٰ روحیں رشک کر رہی ہیں، اور آسمان کے فرشتے دعائیں دے رہے ہیں۔

آپ کا احسانمند و ممنون

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

۵/ مارچ ۱۹۹۰ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سب سے عالیقدر خدمت

یہ ایک روشن حقیقت ہے، اور اس میں ذرّہ بھر شک وشبہہ کی گنجائش نہیں کہ دنیا میں سب سے عظیم، سب سے افضل، اور سب سے عالیقدر کام علم ہی کا کام ہے، اس بات کی نہ کوئی شخص تردید کر سکتا ہے، اور نہ کوئی مخالفت ممکن ہے، کیونکہ علم کائنات و موجودات کی جملہ اشیاء پر محیط ہے، یعنی ہر چیز پر علم ہی کا تسلّط ہے، چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم ہر چیز پر بادشاہ ہے، لہٰذا علمی کام یا علمی خدمت تمام خدمات پر بادشاہ ہے، اور یہ بات کئی معنوں میں درست ہے، مثال کے طور پر سارے لوگ مختلف قسم کی خدمتوں میں لگے ہوئے ہیں، اور کوئی فردِ بشر خدمت سے خالی نہیں، یعنی بعض افراد اپنے بچوں اور خاندان کی خدمت کر رہے ہیں، بعض اپنے محلے کی خدمت انجام دے رہے ہیں، بعض لوگ گاؤں کے لئے مفید کام کرتے ہیں، کچھ حضرات کو ملک وقوم کی خدمات کی سعادت حاصل ہے، اور بعض صاحبان کا دائرۂ خدمت بہت ہی وسیع بھی ہو سکتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جب خدمات بے شمار ہیں، تو ان سب میں وہ انتہائی ضروری اور سب سے عالیقدر خدمت کونسی ہے، جو بحقیقت سردار یا بادشاہ کہلائے؟ اس کا جواب عقل کی طرف سے یہ ملتا ہے کہ دنیائے خدمات کی بادشاہ علمی خدمت ہی ہے، یعنی قرآنی اور دینی علم کی خدمت، کہ وہ ہر خدمت سے بالاتر ہے۔

آپ یقین کریں کہ ہم بہت سے ساتھی ظاہراً و باطناً مل کر علمی خدمت کر رہے ہیں، کیونکہ ظاہر میں ہم سب ایک ہی ادارے میں کام کر رہے ہیں، اور باطن میں ہر ساتھی کے دل و دماغ میں سب کی نمائندگی ہے، اور اس میں کوئی تعجب نہیں،

کیونکہ ملائک سیرت احباب کی اجتماعی روح تائیدی خیال بن کر آتی ہے، توجہ دی جائے تو پتا بھی چل سکتا ہے کہ کس کی صورت میں ہے، ورنہ وہ روح خاموشی سے اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

خانۂ حکمت کے سرپرست صدر فتح علی حبیب اور ان کی فرخندہ بخت بیگم گُل شکر ایڈوائزر کی علمی خدمات گوناگون ہیں، ان کی علم دوستی اور زرّین کارنامے قابلِ ستائش ہیں، اس دفعہ جب میں ۶ ر اکتوبر ۱۹۸۹ء میں کراچی آیا، تو انھوں نے اپنے دولتخانہ میں مجھے بطورِ مہمان رکھا، تا آنکہ میں ۱۴ ر مارچ ۱۹۹۰ء کو رحیم کورٹ میں رہنے کیلئے گیا، اس طویل عرصے میں جس خلوص سے مہمان نوازی کی گئی، اور جیسی گوناگون خدمات ہوئیں، ان کی کوئی مثال نہیں ملتی، اور اس پر مزید آخراً معصومانہ آنسوؤں کی بارش کے ساتھ یہ درخواست بھی کرنا کہ سر پلیز! آپ خالی گھر میں نہ جائیں، کیونکہ اس عمر میں آپ تکالیف برداشت نہیں کر سکتے، ہمیں مزید خدمت کے لئے موقع عنایت کریں، یہ ان کی کتنی بڑی مہربانی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اپنے جانی دوست فتح علی حبیب، گُل شکر آسمانی بیٹی (خداداد دُختر) اور ان کے بہت ہی پیارے بچوں نزار، رحیم، اور فاطمہ کو اپنی عاجزانہ دعاؤں میں یاد رکھیں گے، آمین!

میں مومنین کی ''خاکِ پا'' کیا حیثیت رکھتا ہوں، اور کیا چیز ہوتا ہوں کہ تنِ تنہا کسی عظیم کارنامۂ علمی کا دعویٰ کروں؟ جبکہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی مدد کرنے والوں (انصار ۳:۵۲) کے بغیر دین کا کام نہیں کر سکتے تھے، جیسا کہ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے: قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ۚ (۳:۵۲) تو عیسیٰ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے؟ حواریین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے۔ پس آپ کو یہاں

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حقیقی علم کی روشنی میں سوچنا ہوگا۔

فرعون کی بیوی آسیہ بڑی سعادت مند، پاک فطرت، اور مخفی دیندار خاتون تھیں، انھوں نے حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام کے لئے جو بے مثال خدمات انجام دیں، ان کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام یہ بھی ہے کہ خدا نے ان کو ایمان کا نمونہ بنایا (۶۶: ۱۱) اور ان کی دعا کو پاک کرکے اور پُرحکمت بنا کر قرآنِ حکیم میں جگہ دی، وہ دعا یہ ہے: . . . رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۶۶: ۱۱) اے میرے پروردگار میرے واسطے جنّت میں اپنے قرب میں مکان بنایئے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل سے چھٹکارا دیجئے اور ظالم لوگوں سے نجات دیجئے۔

سوال و جواب میں غور کریں: کیا بہشت مکانی ہے یا لامکانی؟ (لامکانی) آیا جنّت میں پہلے ہی سے بنے بنائے محلات موجود نہیں ہیں؟ (ہیں، مگر مومن کے اعمال کی بنیاد پر از سرِ نو تعمیر کئے جاتے ہیں) عالمِ شخصی میں قربِ الٰہی کا مقام کونسا ہے؟ (پیشانی اور اس کے معجزات) جب یہ دعا ایک انسان کی ہے تو یہ کلامِ الٰہی کے معیار پر کس طرح پُراز حکمت ہو سکتی ہے؟ (یہ پُرحکمت ہے، کیونکہ خدا نے اس کو زمین سے آسمان پر اٹھا کر اپنے کلام میں فنا کر دیا) جب بہشت لامکانی ہے، تو اس صورت میں اللہ کے نزدیک گھر بنانے کے کیا معنی ہوئے؟ (اس کے معنی ہیں سب سے اعلیٰ مرتبہ، یعنی فنا فی اللہ و بقا باللہ) کیا بقا باللہ کو قرب کہہ سکتے ہیں یا وحدت؟ (قرب) ہر چند کہ اللہ مکان سے بے نیاز ہے، لیکن پھر بھی مثال کی خاطر دنیا میں اس کا ایک گھر ہے، تو کیا بہشت میں بھی ربّ العزّت کا کوئی گھر ہے؟ (جی ہاں، وہاں عقل و جان کا محل ہے، یعنی بیت المعمور)۔

سورۂ تحریم (۶۶) کی آخری تین آیات (۶۶:۱۰-۱۲) میں کفر اور ایمان کی بڑی حیرت انگیز مثالیں بیان ہوئی ہیں، اس میں سب سے پہلے عجیب بات تو یہ ہے کہ حضرتِ نوحؑ کی بیوی اور حضرتِ لوطؑ کی بیوی دونوں عورتیں کس وجہ سے دائرۂ ایمان میں داخل نہ ہوسکیں! حالانکہ وہ مرکزِ دعوت اور سرچشمۂ ایمان کے قربِ ظاہر میں رہتی تھیں، شاید یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ انبیا و ائمہ علیہم السّلام کی بشریت ہی گنجِ معرفت کی راہ میں وہ طلسماتی آزمائش ہے، جس سے کامیابی کے ساتھ آگے گزر جانا انتہائی مشکل کام ہے۔

دوسری تعجب خیز مثال بی بی آسیہ کی ہے، جن کا قبلاً ذکر ہوچکا، فرعون انتہائی ظالم اور بیحد مغرور کافر پادشاہ ہونے کی وجہ سے دین وایمان کا سب سے بڑا دشمن تھا، جس نے ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل کے نومولود (نوزائیدہ) معصوم بچوں کو قتل کردیا، ایسے زبردست خطرناک طوفانِ کفر وظلم کے عالم میں آسیہ وہ نیک بخت اور عالی ہمت خاتون تھیں، جو خفیہ خفیہ حضرتِ موسیٰؑ پر ایمان لے آئیں، لیکن کمالِ ایمانی سے نوازنے کی خاطر خدا کے دوستوں پر آخری امتحان بھی آہی جاتا ہے، چنانچہ کسی طرح سے فرعون کو یہ پتا چلا کہ اس کی بی بی نے حضرتِ موسیٰؑ کے دین کو قبول کرلیا ہے، تو وہ بدبخت غیض وغضب سے آگ بگولا ہوگیا، اوّل تو اس نے یہ کوشش کی کہ آسیہ اس دین کو ترک کردیں، جب انھوں نے نہیں مانا، تو ان کو دھوپ میں لِٹادیا، اور ان کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا، اور اسی حال میں وہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگئیں۔

آخری مثال حضرتِ مریمؑ کی ہے، جن کا ظاہری قصّہ مشہور ہے، تاہم باطنی حکمتیں خزائنِ امامت میں محفوظ ہیں، مثلاً:

الف: آپ خواتین کے لئے روحانی ترقّی کا نمونہ ہیں۔

ب: جنّت کی مثال ہیں۔

ج: انھوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا، یعنی کان سے غیر مذہب کی کوئی بات قبول ہی نہیں کی۔

د: پس ان کے ایسے پاک و پاکیزہ کان سے خدائی روح پھونک دی گئی، یعنی خصوصی علم، اسمِ اعظم، اور اس کے نتائج کے ذریعے سے۔

خزائنِ کیسیٹ لائبریری

یہ بڑا عجیب وغریب نام آپ نے کبھی سنا ہی نہ ہوگا، جی ہاں، یہ ایک نہایت پُرمغز و پُرحکمت جدید کیسیٹ لائبریری کا نام ہے، جسے ہمارے کریم آباد (کراچی) کے عزیزان نے مورخہ ۲رفروری ۱۹۹۰ء میں قائم کیا ہے، اس لائبریری میں ایک ہزار سے زیادہ کیسیٹ جمع ہیں، ایک گھنٹہ اور ڈیڑھ گھنٹے کے ان کیسیٹوں میں مختلف موضوعات پر دئے گئے لیکچرز کے ذخائر موجود ہیں، مثلاً قرآنی حکمت، تاویل، توحید، نبوّت، امامت، روحانیت، روح، ذکر، عبادت، اسمِ اعظم، تصوّف، ریاضت، علم، اسلام، حقیقت، فنا، عشق، گریہ وزاری، مناجات، دعا، معجزہ، عقل، نفس، شیطان، فرشتہ، جِنّ، جسمِ لطیف، آخرت، بہشت، ابداع وانبعاث، ازل وابد، تجدّدِ امثال، سوال وجواب، روحانی تجربات، قرآنی اور علمی علاج، نیز روحانی علاج، اور بہت سے دوسرے موضوعات سے بحث کی گئی ہے، جن کی فہرست بڑی طویل ہوسکتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مذکورہ کیسیٹوں کے ذخائر علم وحکمت کے خزائن ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے کریم آباد کے ساتھیوں نے اپنے محلے کی اس لائبریری کا نام "خزائنِ کیسیٹ لائبریری" رکھا ہے، اور یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اگر ادارۂ عارف

کے صدر محمد عبدالعزیز کیسیٹ ریکارڈنگ کی سکیم نہ بناتے، اتنی قیمتی مشینیں نہ خریدتے، شب وروز شدید محنت سے کام نہ کرتے، اوران کی نیک بخت بیگم یاسمین سکریٹری ان کی بھرپور مدد نہ کرتیں، تو یہ سارے خزائن ہوا میں بکھر جاتے (برباد ہوتے) خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حقیقی علم کی یہ بہت بڑی دولت اور روحانیت کی بہت بڑی نعمت ضائع ہونے سے بچ گئی۔

ہمارے کریم آباد کے بہت ہی عزیز دوستوں نے ذاتی اخراجات ہی سے یہ لائبریری بنالی ہے، جس سے وہ علمی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور دوسروں کو بھی فائدہ دلانے کے خواہشمند ہیں، یہ عزیزان بڑے عالی ہمّت اور علم وحکمت کے عاشق ہیں، ان کی کوششوں کو دیکھ کر یہ یقین آتا ہے کہ ان شاء اللہ یہ نوجوان مستقبلِ قریب میں بڑے بڑے دانشمند بنیں گے، آمین!

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

اتوار ۲۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

۱۸ر مارچ ۱۹۹۰ء

کیا جِنّات مسخّر ہو سکتے ہیں؟

۱- اس حقیقت کی شہادت کائنات سے مل رہی ہے، اور روشن دلیل قرآنِ پاک میں موجود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی آدم کو اپنی بہت سی مخلوقات و موجودات پر کرامت وفضیلت عنایت کردی ہے (۱۷:۷۰) اور اسی تفوّق و برتری کے نہج پر اس کریمِ کارساز اور رحیمِ بندہ نواز نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں میں سے ایک ایک زندہ عکس کو اپنے بندوں کے لئے مسخّر بنادیا ہے (۴۵:۱۳) پس اس سلسلے میں عقل و دانش سے خوب سوچنے کی ضرورت ہے کہ عکسِ کائنات (جَمِیعاً مِّنۡهُ ۴۵:۱۳) کس طرح مسخّر ہو سکتا ہے؟ آیا کائناتی بہشت کی روح و روحانیت ہر کامیاب عالمِ شخصی میں ظہور پذیر ہو جاتی ہے؟ کیونکہ انفرادی قیامت میں جنّت نزدیک لائی جاتی ہے (۵۰:۳۱)۔

۲- قرآنِ حکیم کی متعدد آیاتِ کریمہ سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی ایسا مشکل کام نہیں، جو خدا کی مدد سے آسان نہ ہو جاتا ہو، اور کوئی بھی ہنگامی ناممکن امر ایسا نہیں، جو اپنے وقت اور خاص مقام پر ممکن نہ ہوتا ہو (۹۴:۶؛ ۱۴:۳۴؛ ۱۵:۲۱) جیسا کہ ارشادِ قرآنی کا مفہوم ہے کہ جنّت میں کوئی نعمت اور کوئی شے غیر ممکن نہیں (۵۰:۳۵) اور اس آیۂ کریمہ میں زبردست جوابی علم پوشیدہ ہے۔

۳- اس موضوع پر خامہ فرسائی کی خاص وجہ یہ ہے کہ جب سے دوستوں اور عزیزوں نے زبانی اور قلمی طور پر اس بندۂ ناچیز کا وسیع تر اور دُور رس تعارف کرایا، تب سے بڑے پیمانے پر طرح طرح کے سوالات ہونے لگے، مثال کے طور پر کسی نے پوچھا کہ بتایئے تسخیرِ جنّ کا آسان طریقہ کونسا ہے؟ ایک صاحب نے سوال کیا: ہمزاد

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کو کس طرح مسخّر کیا جاتا ہے؟ ایک جگہ سے فون آیا: رات کے وقت گھر میں کوئی خوفناک آفت آتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اس گھر کو چھوڑ دو، آپ کا کیا مشورہ ہے؟ ایک شخص نے پوچھا: جناب مجھے چلّہ کاٹنے کا بڑا شوق ہے، آپ بتایئے چلّہ بیٹھنے کے لئے کونسی جگہ بہتر ہوگی؟ کوئی زیارت؟ یا قبرستان؟ یا زاویہ؟ یا کوئی جنگل؟ یا پہاڑ اور غار؟ اور ویسے تو سوالات کا سلسلہ بہت ہی طویل ہے، تاہم جِنّ سے متعلّق سوالات و جوابات بڑے دلچسپ اور بیحد مفید ہیں مثال کے طور پر جِنّ اور پری کو الگ الگ سمجھنا بھی ایک حجاب ہے، حالانکہ یہ ایک ہی مخلوق ہے، اور لفظِ پری فارسی ہے، اس لئے یہ دراصل مؤنث نہیں، بلکہ اس میں اڑنے کے معنی موجود ہیں، کیونکہ یہ پریدن (اڑنا) سے ہے۔

۴- حدیثِ شریف میں ہے: مَنْ کَان لِلّٰہِ کَان اللّٰہ لَہ (جو حقیقی معنوں میں خدا کا ہو جائے تو خدا بھی دراصل اسی کا ہو جاتا ہے) اور جس سب سے بڑے سعادتمند انسان کو قربِ الٰہی کا یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو، اس کے لئے آسمان و زمین کی تمام چیزیں کیوں مسخّر نہ ہوں، جِنّ اور ہمزاد کیا، بلکہ جملہ کائنات و موجودات ایسے دوستِ خدا کے عالمِ شخصی میں ذاتی قوّتوں کی حیثیت سے کام کر رہی ہوں گی، کوئی شک ہی نہیں کہ معرفت کی جس انتہائی بلندی پر خداوندِ عالم کا نورِ اقدسِ ازل کا گنجِ مخفی ہے، اس کے ساتھ اور اس کے تحت نہ صرف ہر گوہرِ گرانمایہ موجود ہے، بلکہ ہر چیز کی تسخیر اور کنٹرول کا راز بھی اسی کنز الکُنوز میں محفوظ ہے۔

۵- اگر آپ کو اس پر یقین ہے، اور اسرارِ معرفت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، تو یہاں خدائے بزرگ و برتر کی توفیق سے ایک بہت بڑے راز کی وضاحت کی جاتی ہے، وہ یہ کہ آپ کی اپنی ہی ذات میں سب کچھ ہے، آپ کے عالمِ شخصی ہی میں

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بحدِ قوّت ایک سلطنتِ سلیمانی پوشیدہ ہے، جس میں جنّوں، انسانوں، اور پرندوں کے الگ الگ لشکر سوئے ہوئے ہیں، ان سب کو بیدار کردینے اور اپنی روحانی بادشاہی کو حدِ قوّت سے حدّ فعل میں لانے کیلئے کوئی بھی چلّہ نہیں چاہئے، بلکہ عام و خاص ذکر و عبادت کی ضرورت ہے، اور مناجات، یا گریہ وزاری بیحد ضروری ہے، لیکن کوئی چیز علم کے بغیر نہ ہو، کیونکہ علم وحکمت کے بغیر ہر محنت ضائع اور ہر کوشش ناکام ہوجاتی ہے۔

٦- آپ اس حقیقت سے خوب باخبر ہیں کہ علم وحکمت کی جملہ نعمتیں طاق نہیں جفت جفت پائی جاتی ہیں، یعنی دو دو ہیں، چنانچہ خدا کے دو آفاقی گھر ہیں:

اوّل: خانۂ کعبہ جو صامت ہے،

دوم: امامِ زمانؑ جو ناطق ہے، نیز اللہ کے دو ذیلی گھر ہیں: ایک وہ جو گاؤں یا محلے میں ہے، اور دوسرا دل یا دماغ میں ہے، پس معبودِ برحق کی عبادت کے لئے یہی مقامات کافی، پسندیدۂ خدا اور باکرامت ہیں۔

٧- سوال: اگر عبادت اور اعتکاف کے لئے پہاڑ کی کچھ خصوصیات نہیں ہیں، تو بعض حضراتِ انبیا علیہم السّلام معتکف ہونے کے لئے پہاڑوں پر کیوں تشریف لے گئے؟ اور اگر غار میں ذکر وعبادت کرنے کی کوئی خاص اہمیت نہیں، تو پھر قرآنِ مجید غار والوں کی تعریف وتوصیف کیوں کرتا ہے؟

جواب: الف: دین کے بعض امور ایسے بھی ہوا کرتے ہیں، جو صرف پیغمبروں ہی کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔

ب: آنحضرتؐ کے بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قبل از وقت حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنی نمایاں عبادت کے اشارے سے دعوتِ اسلام نہیں کرسکتے تھے، لہٰذا پوشیدہ عبادت کی غرض سے غارِ حرا میں تشریف لے گئے۔

ج: ہر وہ مثال جس میں تاویلی حکمت ہو، صرف صاحبانِ شریعت ہی قائم کر سکتے ہیں، چنانچہ پہاڑ اور غار کے استعمال سے یہ فرمایا گیا کہ سر جبل (پہاڑ) ہے اور پیشانی غار، اس میں اعتکاف کر کے نورِ ازل کی معرفت کو حاصل کرو۔

د: پہاڑ کی اور بھی تاویلات ہیں، مگر اس کی آخری تاویل طُورِ عقل ہے، جو پیشانی میں ہے، حضرتِ موسیٰؑ طُورِ سَینا پر ضرور جاتے تھے، لیکن خدائی معجزات اپنی پیشانی ہی میں دیکھتے تھے۔

ھ: غار والوں کو اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

۸- آپ کسی جِنّ یا ھمزاد کو کس مقصد کے پیشِ نظر مسخّر کر لینا چاہتے ہیں؟ کیا اس سے دنیوی کاموں میں مدد لینا مقصود ہے؟ یہ تو بالکل جائز ہی نہیں، آیا اس سے دینی کام لیا جائے گا؟ مگر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کب فرمایا کہ تم اپنے اسلامی فرائض کو جِنّات پر ڈال دو؟ اور یہ بات الگ ہے کہ جنگِ بدر میں خدا کے حکم سے فرشتوں نے لشکرِ اسلام کی مدد کی تھی، اور اچھے جِنّات ہی فرشتے کہلاتے ہیں۔

۹- حضرتِ سلیمان علیہ السّلام کے بارے میں یہ جو قصّہ مشہور ہے کہ ان کے لئے جنّوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر کام کرتے تھے، وہ امرِ واقعی ہے، مگر اس کا تعلّق ذاتی عالمِ ذرّ سے ہے، اور یہ عالم وہ ہے، جس کے متعلّق حضرتِ امیر المومنین علی صلوات اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: وَتحسبُ اَنَّكَ جِرمٌ صغیرٌ ؛ وَفیكَ انطَوَی العالمُ الاَکبر = اور تو خیال کرتا ہے کہ تو عالمِ اصغر ہے، حالانکہ تجھ میں عالمِ اکبر لپٹا ہوا ہے (از دیوانِ حضرتِ علیؑ) شاہِ ولایت کا یہ بابرکت شعر قرآنِ کریم کی ان دونوں پُرحکمت آیتوں کی تفسیر ہے، جن میں یہ ذکر ہوا ہے کہ (ہر شخصِ کامل کی ذاتی) قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کائنات کو لپیٹتا ہے (یعنی آسمان و زمین کی تمام ارواح وعقول

اور ہر مخلوق کو عالمِ شخصی میں حاضر کر دیتا ہے، (۲۱:۱۰۴؛ ۳۹:۶۷) یہی ہے انسانیت کا وہ ارفع و اعلیٰ مقام، جس میں نہ صرف جِنّات ہی مسخّر ہو جاتے ہیں، بلکہ کائنات کی ہر ہر مخلوق رام ہو جاتی ہے۔

۱۰- بہشت آسمانوں اور زمین کی وسعتوں پر مبنی ہے (۳:۱۳۳؛ ۵۷:۲۱) اس کا اشارہ یہ ہوا کہ جنّت کا قیام و بقا آسمان اور زمین پر ہے، کیونکہ وہ کائناتی عقل، کائناتی روح، اور کائناتی جسمِ لطیف ہے، لہٰذا جب تک بہشت ہے، تب تک کائنات برقرار رہے گی (۱۱:۱۰۸) چنانچہ بہشت کے چار عناصر یہ ہیں: عالمِ جسمِ کثیف، عالمِ جسمِ لطیف، عالمِ روحانی، اور عالمِ عقلانی، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اہلِ جنّت کو جو بہت بڑی سلطنت حاصل ہے (۷۶:۲۰) اس سے وہ ستاروں کی لطیف مخلوقات پر بھی خلافت و بادشاہی کریں گے، اور جِنّات یعنی پری مرد اور عورتیں لطیف مخلوقات میں سے ہیں، اور اُڑن طشتریاں بھی، پس ان سب پر بہشت کے بادشاہوں کی بادشاہت ہوگی (۷۶:۲۰) جس کی ایک مثال مملکتِ سلیمانی ہے۔

۱۱- جب خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق حقیقی فرمانبرداری سے آپ امامِ زمانؑ کے ہو جائیں، تو امامِ مبینؑ (۳۶:۱۲، جن میں سب کچھ ہے) آپ ہی کے ہو جائیں گے، اس وقت اپنی اس حقیقتِ حال سے متعلّق تمام عجائب و غرائب اور معجزات کو ایک ایک کر کے شروع سے آخر تک دیکھیں گے، خیر و شر کے جنّوں میں سے ہر ایک اپنے عجیب و غریب نمونۂ عمل آپ کے سامنے پیش کرے گا، تا کہ اس بات کا پختہ یقین ہو کہ سلیمانِ زمانؑ کی روحانی سلطنت آپ کی سلطنت ہے، یاد رہے کہ لفظِ جِنّ قرآنِ حکیم کا ایک خاص خفیہ لُغت یعنی کوڈ ورڈ (CODE WORD) ہے، اسلئے جِنّ کے بہت سے معنی ہیں، جیسے: فرشتہ، شیطان، نیک روح، بد روح، جسمِ مثالی، ہمزاد،

اُڑن طشتری، اہلِ باطن، وغیرہ۔

۱۲- اگرچہ حضرتِ سلیمان علیہ السّلام کے زیرِ نگین ہر قسم کے جِنّات کام کرتے تھے، اوران میں روحانی عمل کے اعتبار سے بڑے زبردست جنّوں کی کوئی کمی نہ تھی، تاہم وہ شخص قوّت کی چوٹی پر تھا، جس کے پاس کتابِ روحانیت کا علم تھا (۲۷:۴۰) یعنی آصف بن برخیا، یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ بعض جِنّات صرف جِنّات ہی ہیں، اسی طرح بعض انسان صرف انسان ہیں، لیکن انسانانِ کامل جسمِ کثیف سے بشر اور جسمِ لطیف سے جِنّ (یعنی فرشتہ) ہوجاتے ہیں، اور آصف وزیرِ سلیمانؑ ایسا ہی تھا۔

نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

۲۷/شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

۲۵/مارچ ۱۹۹۰ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اے دل! جواب دے

مسئلہ نمبرا: اے دل! ہادیٔ برحق صلوات اللہ علیہ کی ظاہری و باطنی ہدایت کی روشنی میں تو ہمیں یہ بتادے کہ جب پونا (۱۹۴۶ء) میں اس بندۂ حقیر کو حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دیدارِ مقدّس پہلی بار حاصل ہوا، تو اس وقت اس غریب کے لئے ذاتی بھونچال (زلزلہ) کا معجزہ کیوں ہوا؟

جواب: اے ناشکرا انسان! شکر گزاری میں خوب آنسو بہادے، کہ اس میں تیرے امامؑ کے صاحبِ قیامت ہونے اور تجھ پر انفرادی قیامت واقع ہونے کی بشارت تھی۔

مسئلہ نمبر۲: سریقول (چین) میں جو بڑا عجیب خواب دیکھا، جس میں نہ معلوم کس نے مجھے ذبح کیا تھا؟ میرا سر شمالاً جنوباً ایک دیوار پر آویزاں تھا، جسم بھی شمالاً جنوباً زمین پر پڑا تھا، میں زمین سے کچھ بلندی پر ایک چمکتی ہوئی نرالی فضا میں قریب ہی سے مشرق کی جانب یہ منظر دیکھتا ہوں، اور مجھے اس واقعہ سے ذرا بھی غم اور افسوس نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک نامعلوم خوشی کا احساس ہونے لگتا ہے، اے دل! بتادے کہ اس کی تعبیر (تاویل) کیا ہے؟

جواب: اے خفتۂ خوابِ غفلت! بیدار ہو جا، اور دعا و مناجات کیا کر، کہ تجھ پر خدا کا فضل و احسان ہوا ہے . . . (۳:۱۶۹؛ ۲:۱۷) دیوار کے نیچے ایک خزانہ مخفی تھا (۱۸:۸۲) نیز یہ دیوار سدِّ ذوالقرنین کی مثال تھی (۱۸:۹۴) اور وہ نورانی فضا تھی آخرت

اور عالمِ علوی۔

مسئلہ نمبر۳: عالمِ خواب میں ایک صاف شفاف سمندر کا مشاہدہ ہوا، جس کا کوئی کنارا نظر نہیں آتا تھا، معلوم نہیں میں کیسے اس میں گر کر ڈوب گیا، اور خیال آیا کہ اب میں دم گُھٹ جانے سے فوراً ہی مر جاؤں گا، مگر ایسا نہیں ہوا، میں غیر معمولی طور پر شادمان تھا، اس میں کیا حکمت تھی؟

جواب: اے چوپان! فخر مت کرنا، ورنہ تو ہلاک ہوجائیگا، کہ وہ سمندر امامِ مبینؑ کا روحانی علم تھا، جو پاک و صاف ہے۔

مسئلہ نمبر۴: بیداری، خیال، خواب، اور روحانیت میں بےشمار عجائب و غرائب کا نظارہ ہوا، ان میں سے صرف چند کا یہاں تذکرہ ہو رہا ہے، منجملہ یہ کہ ایک دفعہ میں قید خانے کی دیوار سے ٹیک لگا کر عبادت کر رہا تھا، جیسے ہی سر سے دیوار کو چھوا، تو محسوس ہوا کہ میرے اندر سے کوئی چیز ٹھوس دیوار سے پار گزر رہی ہے، وہ کیا شی تھی؟

جواب: اے خاکِ پائے مومنان! اگر یہ سوالات روحانی علم پھیلانے کی غرض سے ہیں، تو بہتر ورنہ مت پوچھ، اور یاد رکھ کہ دیوار سے گزر جانے کا وہ بڑا عجیب کام جسمِ لطیف کا کرشمہ تھا کہ اس کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے۔

مسئلہ نمبر۵: جب میں پہلی بار قید ہوا، اور رات کے وقت تنہا ایک تاریک مکان میں سو رہا تھا، کوئی نصف شب کے قریب ایک چھوٹا سا پتھر پھینکا گیا، جو غلیل کا غلّہ جتنا ہوسکتا ہے، اسی کے ساتھ ایک قسم کی بدبُو پھیل گئی، یہ کیا واقعہ تھا؟

جواب: گریہ وزاری کی عادت بنالے تاکہ تجھ کو خودنمائی کی بیماری نہ ہو،

کہ سلیمانِ زمانؑ کی جانب سے دعوت نامہ لے کر تیرے پاس ہُدہُد (کُھٹ بڑھئی) آیا تھا، اور وہ بد بُو اسی کی علامت تھی، اور یہ بات جان رکھ کہ خوشبو کے آنے سے قبل بد بُو کا تجربہ ہوتا ہے، تاکہ تو باور کر سکے کہ روحانیت میں بُری چیزیں بھی ہیں، اور اچھی چیزیں بھی۔

مسئلہ نمبر ۶: ظاہر ہے کہ شیطان کا کوئی ایک روپ نہیں، بلکہ وہ طرح طرح کی شکلوں میں حملہ آور ہوتا ہے، چنانچہ روحانی انقلاب کے دوران ایک بار وہ مکڑی بن کر آیا، اور مجھے کسی ٹائٹل سے بلانے لگا، اتنے میں روحانی نے فرمایا: خبردار! تم بالکل خاموش ہی رہنا، اور کوئی جواب نہ دینا، یہاں سوال یہ ہے کہ شیطان کیوں مکڑی کی صورت میں سامنے آیا؟

جواب: ارے کم فہم انسان! تو سجدۂ شکر بجالا، کہ امامِ عالیمقامؑ کی دستگیری ہوئی، اور شیطان کمزور ترین بھیس میں تیرے مقابلے میں آیا، جیسا کہ سورۂ عنکبوت (۲۹:۴۱) میں اس کا اشارہ موجود ہے، ورنہ تو سخت مشکل میں مبتلا ہو جاتا۔

مسئلہ نمبر ۷: یارقند (چین) کے جس گاؤں میں اس خاکسار کا قیام تھا، اس کا نام قرانگغو توغراق ہے، قریب ہی سے کوئی مرغِ سحر (مرغا) بڑی پُراسرار بُروشسکی بولی میں اذان دیتا تھا، اگرچہ اس کے بہت سے معنی ہیں، تاہم اس کا ایک مقصد تمام گاؤں والوں کو عبادت کے لئے جگانا تھا، لیکن تعجب ہے کہ اوّل مرغ کی بولی، اور پھر اس پر مزید بُروشسکی بولی میں ایسے لوگوں کو دعوت دینا، جو صرف ترکی جانتے ہوں، اس میں کیا راز ہے؟

جواب: اے بندۂ کمترین! یہ راز ایسا نہیں جس کو کھول کھول کر بیان کیا

جائے، تاہم یہاں یہ حکمت ضرور جان لے کہ اس اذان کا زیادہ سے زیادہ تعلّق خود تمہارے عالمِ شخصی سے ہے، کیونکہ اس میں جتنے ترکستان کے لوگ ہیں، وہ سب تمہاری وجہ سے بُروشسکی بولتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۸: جب یہ ناچار شخص آخری دفعہ قیدِ تنہائی میں تھا، تو اس حال میں شاید میری درویشی کو آزمانے کے لئے قُوتِ لایموت (اس قدر خوراک جس سے زندگی قائم رہے) یعنی نہ ہونے کے برابر غذا دینے لگے، لیکن خدا کے فضل و کرم سے سلیمانِ زمانؑ کو میری حالتِ زار پر شاید رحم آیا، اور انھوں نے البتّہ جِنّات کو حکم دیا کہ اس غریب کو لطیف خوراک دیا کرو، چنانچہ کچھ جنّوں نے نظر آئے بغیر صرف گفتگو سے رابطہ قائم کیا، اور طرح طرح کی خوشبوؤں کی صورت میں غذا ہائے لطیف سنگھاتے رہے، وہ حضرات انتہائی صاف و صریح بُروشسکی میں بات کرتے تھے، وہ پوچھتے: تم کس خوشبو میں غذا لوگے؟ میں کہتا: گلاب، زرد گلاب، گُلِ سنجد، بنفشہ، گُلِ داؤد، وغیرہ، یا کسی پھل کا نام لیتا، یا کسی جڑی بوٹی کو یاد کرتا، تو فوراً اس چیز کی خوشبو آنے لگتی تھی، اس میں کیا راز ہے؟

جواب: اے طفلِ مکتب! یہ بہت بڑی سعادت ہے، تو ہمیشہ عاجزی سے ربّ العزّت کو یاد کیا کر، اور ان خوشبوؤں کا راز یہ ہے کہ ان کا تعلّق سرچشمۂ امر سے ہے، یعنی یہ خزینۂ کُنْ (ہو جا) سے آتی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۹: بندے کو آخری قید سے نکال کر وطن کی طرف روانہ کر دیا گیا، یہ ناچیز گھوڑے پر سوار جا رہا تھا، اس نے دل ہی دل میں ایک بزرگ اسم کا ورد شروع کیا، تو فوراً ہی محسوس ہوا کہ گھوڑا زمین سے کچھ بلندی پر مستانہ رقص کے ساتھ

چل رہا ہے، آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی، جب اسمِ پاک کو اسی انداز میں دوبارہ پڑھا، تو وہی حال ہوا، یہ اسمِ اکبر کا کیا معجزہ تھا؟

جواب: تیری نہ سابقہ کوئی بندگی ہے، نہ انعام کے بعد کوئی شکر گزاری، پھر بھی عجب ہے کہ یہ روح اور جسمِ لطیف کا معجزہ ہوا۔

مسئلہ نمبر ۱۰: سورج زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ روحِ انسانی قدیم ہے، اور چاند یہ ظاہر کرتا ہے کہ روح کی قدامت کے ساتھ ساتھ جدت بھی ہے، شاید اسی وجہ سے ہمیں اپنی زبان میں رویتِ ہلال کی یہ دعا سکھائی گئی تھی: تھوسؔ گٹو جوؔ، میؔن شُرو جوؔ (اے خدا!) مجھے نیا لباس دے (اور) پُرانا رزق دے۔" جب واپسی سفر کے دوران ہم ایک منزل میں ٹھہر گئے، تو شام کے وقت زمین کی سطح سے کوئی آواز آنے لگی، جس میں کوئی روح ترنّم سے یہ دعا پڑھ رہی تھی، اور اسی کی ہم آہنگی میں کوئی ساز بھی بج رہا تھا، اسی کے ساتھ میری روح کے اکثر ذرّات نکال کر لیے جا رہے تھے، اور یہ سب کچھ کسی چیز پر رفتہ رفتہ بلند ہو رہا تھا، یہ کیا واقعہ تھا؟

جواب: اے بے فکر انسان! تو نے ابھی تک ان اشارات میں غور ہی نہیں کیا ہے، تو اب خوب غور کر کہ مذکورہ دعا میں واضح اشارہ موجود ہے، اور مجموعاً اس واقعہ کے کئی معنی ہیں، مثلاً: قول و عمل کا بلند ہو جانا (۱۰:۳۵) مر کر زندہ ہو جانا (۵۵:۲۰) وغیرہ۔

مسئلہ نمبر ۱۱: ایک دفعہ کچھ ایسے عجیب قسم کے لطیف و پاکیزہ لوگوں کو دیکھا، کہ جن کے ریشمی لباس کی علامت سے اہلِ بہشت ہونے کا گمان ہوتا تھا (۲۳:۲۲) وہ اپنے چہروں کو نقابوں میں چھپائے ہوئے رقص کناں ذکر کر رہے تھے،

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

یہ کونسے لوگ تھے؟

جواب: اے فراموشی کا پتلا! یہ جِنّات تھے، یعنی پریوں کا طائفہ، یہ بات بھول نہ جا کہ جِنّ بڑے سے بڑے بھی ہیں اور چھوٹے سے چھوٹے بھی، چنانچہ عالمِ ذرّ کے جِنّات ذرّات ہی کی شکل میں ہوا کرتے ہیں، پس اگر قرآنی اور سلیمانی اصطلاح میں سائنس کی بات کرنی ہے، تو یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ذرّاتی جنّوں کی بدولت انسانی جسم کے تمام تر مفید کام انجام پاتے ہیں، تم خود حضرتِ سلیمان علیہ السّلام کے قصّۂ قرآن کو روحانیت اور حکمت کی روشنی میں پڑھ کر دیکھو، تو اس حقیقت کا مکمل یقین ہو جائے گا کہ واقعی ہمارے قریۂ ہستی میں خلیاتی جِنّ مسخّر اور مصروفِ عمل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۲: یہ واقعہ بالاکوٹ کا ہے، حقیر ایک کمیشن ایجنٹ کے وہاں ٹھہرا ہوا تھا، کمرے میں صرف احقر اور ایجنٹ صاحب کے منشی سوتے تھے، منشی نے کہا: ''سچ بات تو یہ ہے کہ آج دوسری رات بھی میں شدید خوف سے لرزہ براندام ہو گیا، کیونکہ تقریباً نصف شب کے وقت کوئی ہیبت ناک شخص آ کر آپ کے سرہانے کے پاس کھڑا رہتا ہے، میں تو اس کمرے میں اب نہیں سو سکتا۔'' یہ مہیب شخص کون تھا؟

جواب: اے حقیر آدمی! تم بجائے خوش ہو جانے کے بار بار گریہ وزاری کرو کہ وہ تمہارا دوست جِنّ یعنی جسمِ لطیف تھا، جس کو تم نے بارہا دیکھا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳: کسی آدمی کی ذاتی دنیا (عالمِ شخصی) اگرچہ فی الوقت سلطنتِ سلیمانی تو نہیں، لیکن اسی کی مثال پر ایک چھوٹی سی ریاست ضرور ہے، جس میں جنّوں، انسانوں، اور پرندوں کے بے شمار لشکر الگ الگ منظّم طور پر کام کر رہے ہیں، یہ سب خلیات (CELLS) ذرّاتِ روحانی، اور مفید جراثیم کی حیثیت میں ہیں،

اور ذکر و روحانیت کی روشنی میں اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے، آیا یہ درست ہے؟

جواب: کیوں نہیں، لیکن تم اس علمِ امامت کی تعظیم میں فنا ہو کر خاک و خاکستر ہو جاؤ، یعنی بیحد عاجزی سے خدمت کرو۔

مسئلہ نمبر ۱۴: میری برادری کی ایک خدمت گزار اور نیک نام بہن بی بی رہنما (مرحومہ) زوجۂ منشی غلام محمد خان صاحب (مرحوم) اپنے گاؤں مسگر میں محفلِ ذکر سے فیض حاصل کرتی رہتی تھیں، انھوں نے ایک بار اپنے معمول سے زیادہ گریہ و زاری کی، تو میں نے گمان کیا کہ شاید انھوں نے کسی چیز کا مشاہدہ کیا، بعد میں دریافت کرنے پر آپ نے بتایا کہ ایک مومن شخص (...شاہ) الٹے پوستین میں ملبوس ہو کر عجیب طرح سے رقص و ذکر کر رہا تھا، وہ کون تھا؟

جواب: وہ ایک مومن جِنّ تھا، پس اہلِ ایمان کو راہِ ہدایت اور منازلِ معرفت مبارک ہوں!

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

ہفتہ ۴ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

۳۱ مارچ ۱۹۹۰ء

قرآن اور اِنس وجانّ

۱- یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ قرآنِ حکیم وہ مکمل ترین ہدایت نامۂ سماوی ہے، جس کو پروردگارِ عالمین نے حضرتِ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل فرمایا، تاکہ بنی نوع انسان کی رہبری ہو، سو لازمی طور پر قرآنِ پاک کے تمام تر مضامین ایسی ہدایات وتعلیمات پر مبنی ہیں، جو انسانوں کے لئے ضروری ہیں، تاہم یہاں اگر میں یہ کہوں کہ ہدایت کی اس ضرورت میں آدمی کے ساتھ ساتھ جِنّ بھی ہے، تو شاید آپ تعجب سے یہ کہیں گے کہ جنّ کا تذکرہ تو قرآنِ عزیز میں صرف چالیس بار آیا ہے، لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن کے ان کثیر مقامات پر مذکور وموجود ہو، جہاں انسان کا ہرگونہ ذکر فرمایا گیا ہے؟ ان شاءاللہ، میں ذیل میں اس حقیقت کا ثبوت اور اس سوال کا جواب پیش کروں گا:-

۲- خدائے بزرگ وبرتر کا پاک ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۱:۵۶) اور میں نے جِنّ اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں (اور مجھ کو پہچانیں) سورۂ ذاریات کے اس حکمِ عالی کے مطابق جب آفرینشِ جنّ وانس کا مقصدِ اعلیٰ عبادت اور معرفت ہے، تو پھر یہ امر لازمی ہے کہ یہی سب سے بڑا مقصد تمام ذیلی وضمنی مقاصد پر محیط وحاوی ہو، یعنی قرآنی ہدایات و تعلیمات کی کوئی بات ایسی نہیں، جس کا آخری مطلب مذکورۂ بالا عبادت ومعرفت نہ ہو، جیسے ثمردار درخت میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سب کی سب پھل اور مغز کو پیدا کرنے کی غرض سے ہوا کرتی ہیں، اسی طرح درختِ اسلام کا میوہ عبادت، اور مغز علم ومعرفت

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ہے، جس کے تقاضوں کو قولاً و فعلاً پورا کرنا اِنس و جِنّ دونوں کا فریضہ ہے۔

۳- سورۂ رحمان کو حسن و جمالِ معنوی کی وجہ سے عروس القرآن (قرآن کی دلہن) کا نام دیا گیا ہے، ایسی انتہائی پُرحکمت اور روحانی جواہر سے مملو سورہ میں اہلِ دانش کے لئے خزائنِ اسرار کی کلیدیں کیوں نہ ہوں، چنانچہ ایک بہت بڑا عجیب راز یہاں یہ کھل جاتا ہے کہ اِنس و جان (جِنّ) دراصل ایک ہی مخلوق ہے، کیونکہ جِنّ یا پری (پوشیدہ مخلوق) آدمی کے جسمِ لطیف یا آسٹرل باڈی کو کہتے ہیں، جیسے مذکورۂ بالا سورہ میں پہلے انسان کے جسمِ کثیف کی تخلیق کا تذکرہ ہے (۵۵:۱۴) اور اس کے بعد جسمِ لطیف کا (۵۵:۱۵) کیونکہ یہ ایک ظاہری کُرتہ ہے، اور وہ ایک باطنی کُرتہ، اور آپ کو علم ہے کہ خدا کے ہاں انسانی روح کے واسطے زندہ کُرتے موجود ہیں (۸۱:۱۶) پس اگر آپ بعنایتِ الٰہی ایسے کثیر کُرتے پہن لیں گے، تو وہ سب کے سب آپ کی ذات میں ایک ہو جائیں گے، کیونکہ ان کی خاصیت ہے ایک ہو جانا، اس لئے کہ وہ زندہ کُرتے ہیں۔

۴- سورۂ رحمان میں اگر چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے، اور عقل و دانش سے سوچا جائے، تو بلاشک و شبہ یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ دنیا و آخرت کی جملہ ربّانی نعمتوں اور احسانات میں اِنس و جان ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، اسی وجہ سے ہر بار کچھ بڑی بڑی نعمتوں کے احسان کا ذکر فرماتے ہوئے دونوں گروہ سے پوچھا جاتا ہے: ''سو اے جِنّ و اِنس تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟'' اسی طرح پروردگارِ عالم اپنی خاص خاص نعمتیں اور عظیم احسانات آدمی اور جِنّ کو یاد دلاتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ان دونوں کے ایک ہونے کا حکیمانہ اشارہ بھی فرماتا ہے، تاکہ صاحبانِ عقل اِنس و جِنّ کی وحدت کے رازہائے سربستہ کو سمجھ سکیں۔

۵- ایک مثال اور سوال: رحمان نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا (اور) اس کو بولنا سکھایا ... تا آیت نمبر ۱۲، یہاں تک ظاہری ترجمہ وتفسیر کے مطابق نہ تو جِنّ کا کوئی ذکر موجود ہے، اور نہ ہی ان نعمتوں کا کوئی بیان ہے، جو اس کے لئے عطا ہوئی ہیں، پھر اس میں کیا راز پوشیدہ ہے کہ آیت نمبر ۱۳ میں یکایک جِنّ واِنس دونوں سے ربّانی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے؟

جواب ملاحظہ ہو: خدائے رحمان نے (ہر انسانِ کامل کو) قرآن یعنی آسمانی کتاب کے علم وحکمت کی تعلیم دی، اس نے (اپنی خاص قدرت سے جسمِ لطیف میں کامل) انسان کو پیدا کیا، اور اسے علمِ بیان (علمِ تاویل) سکھایا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ جب آدمی کا روحانی جنم ہوتا ہے، تو اسی کے ساتھ اس کے عالمِ شخصی کے تمام جِنّات بھی پیدا ہو جاتے ہیں، یعنی خَلَقَ الْاِنْسَانَ (اس نے انسان کو پیدا کیا ۵۵:۳) سے پرسنل ورلڈ کی تخلیق مراد ہے، جس میں جِنّات وغیرہ، سب کچھ موجود ہے۔

۶- یہ درست ہے کہ عَلَّمَ الْقُرْاٰن کا اوّلین تعلّق عقلِ کُلّ سے ہے، کیونکہ خدا نے اسی کو سب سے پہلے قرآن سکھایا، اور خَلَقَ الْاِنْسَان میں نفسِ کُلّ کی آفرینش کا تذکرہ ہے، لیکن اس فعلِ خداوندی کا تجدّد انسانِ کامل میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا اطلاق انسانِ کامل پر بھی ہوتا ہے، پس حضرتِ رحمان نے مرتبۂ روح وعقل پر انسانِ کامل کو قرآنی خزائن سے مالا مال فرمایا، اسی وجہ سے وہ درجۂ کمال پر خلقِ آخر کہلایا، یعنی اس کو کوکبی بدن حاصل ہوا جس کو جِنّ یا پری کہا جاتا ہے، اب اس انقلابی تصوّر سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں انسانی تخلیق کے درجۂ کمال کی بات ہے، وہاں اس میں لازماً تخلیقِ جِنّ (جسمِ لطیف) کا بیان پوشیدہ ہے، کیونکہ جو شخص روحانی ترقّی کے عمل میں کامیاب ہو جائے، اس کو بادشاہِ حقیقی خلعتِ بہشتی سے

نوازتا ہے، وہ خلعت زندہ وگوئندہ ہے، یعنی جِنّ، پری، یاقُرطۂ ابداعی، یا کوئی اور ہستی، تاہم یہ بات الگ ہے کہ تجزیہ وتشریح کے طور پر قرآنِ حکیم نے اِنس و جِنّ کی آفرینش کا جدا جدا ذکر بھی فرمایا ہے، کیونکہ انسان جب اور جہاں عالمِ صغیر ہے، تب وہاں وہ اِنس و جِنّ اور سب کچھ ہے۔

۷- جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا کہ سورۂ رحمان کے آغاز (خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۳:۵۵) میں آدمی کی انتہائی اور کُلّی پیدائش کا تذکرہ ہے، جس میں جِنّات کی تخلیق بھی شامل ہے، اور آگے چل کر آیت ۱۴ اور ۱۵ میں انسان اور جِنّ کی جزوی اور ذیلی آفرینش کا بیان فرمایا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۱۴:۵۵) اسی نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا۔ مٹی سے مومن مراد ہے، انسان سے شخصِ کامل، ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی وہ مومن ہے، جس کی روحانی ترقّی صورِ اسرافیل تک پہنچ گئی ہو، یعنی یہ قصّہ حقیقت میں کاملین وعارفین ہی کا ہے، کیونکہ ہر عالمِ شخصی میں ایک تو ہوتا ہے انسانِ کامل کا ظہور اور تجدّدِ امثال اور دوسرا ہوتا ہے عروجِ عارف، اور یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم ہیں۔

۸- منزلِ عزرائیلی واسرافیلی ہی میں نہ صرف آدمی کا روحانی وجود بنتا ہے، بلکہ جِنّات بھی وہیں پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے قرآنِ پاک میں ہے: وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۱۵:۵۵) اور جِنّات کو خالص آگ سے پیدا کیا۔ جب مومنِ سالک کی ذاتی قیامت برپا ہو جاتی ہے، تو اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ کے عمل سے روح بار بار سر سے شعلۂ چراغ کی طرح بلند ہو جاتی ہے، اور یہ سلسلہ تقریباً ایک ہفتہ تک جاری رہتا ہے، پس اسی خارج شدہ روح (جس کی تشبیہہ شعلۂ آتش سے دی گئی ہے) سے بہت سے فرشتے بنائے جاتے ہیں، جن کو حجاب میں رکھنے کیلئے جِنّات کہنا مناسب ہے،

جیسے حضرتِ عیسیٰؑ نے ان فرشتوں کو پرندوں کا نام دے کر پوشیدہ رکھا تھا (۴۹:۳) شعلۂ آتش کا نچلا حصّہ نظر آتا ہے، مگر اوپر کا حصّہ دکھائی نہیں دیتا، اسی طرح جِنّ جب چاہے ظاہر ہو جاتا ہے، اور جب چاہے غائب ہو جاتا ہے، اور یہ جِنّ کے کمالات میں سے ہے، اگر آپ کو جِنّات/پری لوگوں کے عجائب و غرائب کو جاننا ہے، تو قرآن میں اسی مضمون کو غور سے پڑھیں، اور وضاحت کے لئے اس نوعیت کے مقالوں کو۔

۹- یہاں آپ کو یہ بھید بھی معلوم ہوا کہ جِنّات جو فرشتے ہیں، وہ ہرگز ایسی کسی آگ سے نہیں ہیں، مثلاً: آتشِ ظاہر، آتشِ حسد و دشمنی، آتشِ دوزخ (جہالت و نادانی) وغیرہ، بلکہ وہ اس قسم کی آگ سے ہیں: شعلۂ چراغِ روح، آتشِ عشق، اور آتشِ نور، کیونکہ جب حجاب کی خاطر فرشتے کا نام جِنّ ہوا، تو لازمی طور پر نور کو نار کہا گیا، جیسے آتشِ طور مشہور ہے، جس کا ذکر قرآنِ مجید میں موجود ہے (۲۰:۱۰؛ ۲۷:۸؛ ۲۸:۲۹) یہ آگ نور ہے، اور آگ (یعنی شعلۂ چراغ) ہی سے نورِ خدا (۲۴:۳۵) اور نورِ رسولؐ (۳۳:۴۶) کی تشبیہ و تمثیل دی گئی ہے، چنانچہ فرشتوں (جنّوں) کے نور کی مثال بھی شعلۂ چراغ سے دی گئی ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی، تو تخلیقِ جِنّ سورۂ رحمان کی خاص نعمتوں میں شمار نہ ہوتی، یاد رہے کہ اِنس و جِنّ کی روحانی پیدائش ایک ہی منزل میں ہوئی، جو بڑی بابرکت ہے، یعنی منزلِ محو و فنا، جو حضرتِ اسرافیلؑ اور حضرتِ عزرائیلؑ کے عجائب و غرائب اور اسرارِ معرفت سے معمور ہے، آپ سورۂ رحمان میں بغور دیکھیں کہ ۳۱ مرتبہ خاص روحانی نعمتوں کی معرفت اور شکرگزاری کی طرف پُرزور توجہ دلائی گئی ہے، اور اس سلسلے میں دعوتِ فکر کی اوّلین منزل اِنس و جِنّ کی آفرینش ہے (۵۵:۱۶) آپ یقین کریں کہ ارشادِ مَنْ عَرَفَ کا گہرا تعلق اسی مقام سے ہے۔

۱۰- حضرتِ سلیمان علیہ السّلام اپنے وقت میں امامِ مستودع تھے، آپؑ کی

سلطنت جو قرآن میں مذکور ہے، اس روحانی بادشاہی کی مثال تھی، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہر امام کو عطا ہوتی ہے، آپؑ کے بارہ حجّت جِنّات کی طرح آسٹرل باڈی سے دنیا کے بارہ جزیروں میں جا کر کارِ دعوت انجام دیا کرتے تھے، ہر حجّت اپنے لئے ایک مقامی شخص کو منتخب کر کے اسی کے توسّط سے یہ کام کرسکتا ہے، اور وہ اس کے ۳۰ داعیوں میں سب سے مقدم ہوتا ہے، سیارۂ زمین کے بارہ جزیروں میں ظاہری دعوت بہت کم بھی ہوسکتی ہے، لیکن باطنی دعوت اور روحانی جہاد ہر قیامتِ صغریٰ کا اہم ترین حصّہ ہے، جیسا کہ ارشاد ہے (۲۷:۱۷): وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۔ اور سلیمانؑ کے لئے ان کے لشکر جِنّات اور آدمی اور پرند سب جمع کئے گئے پھر انھیں صف آرا کیا جاتا تھا (۲۷:۱۷) لشکر کا تعلّق جنگ سے ہے، اور ان کو صف آرا کرنا جنگ کے لئے تیار کرنا ہے، آپ یہ بات ضرور جانتے ہیں کہ "حُشِرَ" قیامت کا ایک نام ہے، پس "حُشِرَ" کا مطلب ہے قیامتِ صغریٰ کے طور پر جمع کئے گئے ۔ الحمدللہ ربّ العالمین ۔

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

کراچی

اتوار ۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

۸؍ اپریل ۱۹۹۰ء

آیاتِ قرآنی

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر	نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۱	۲:۴	۹۴	۲۱	۲:۱۲۶-۱۲۹	۵۸
۲	۲:۱۱	۸۴	۲۲	۲:۱۲۹	۹۰
۳	۲:۲۲	۶۵	۲۳	۲:۱۳۸	۷۳
۴	۲:۲۴	۱۳۱	۲۴	۲:۱۴۰	۱۳۶، ۱۳۷
۵	۲:۲۶	۱۳۲	۲۵	۲:۱۴۳	۳۰، ۹۵، ۱۳۹
۶	۲:۳۰	۱۱، ۲۰، ۳۹، ۵۶، ۷۹	۲۶	۲:۱۵۱	۹۰
			۲۷	۲:۱۵۵	۲۰۳
۷	۲:۳۱	۱۷۱	۲۸	۲:۱۸۹	۶
۸	۲:۳۷	۱۷۱	۲۹	۲:۲۱۳	۲۲، ۳۷
۹	۲:۳۸	۱۷۴	۳۰	۲:۲۴۵	۱۸، ۸۷، ۱۱۴
۱۰	۲:۴۷	۱۴۹	۳۱	۲:۲۴۶-۲۵۱	۸۸، ۹۷
۱۱	۲:۵۵	۸۱، ۸۲، ۱۴۹	۳۲	۲:۲۴۶-۲۵۲	۱۹۰
۱۲	۲:۵۸	۹۷	۳۳	۲:۲۴۷	۱۹۱، ۱۹۲
۱۳	۲:۶۰	۱۵۰	۳۴	۲:۲۴۸	۱۹۳، ۱۹۴
۱۴	۲:۶۱	۱۵۳	۳۵	۲:۲۵۵	۶۸، ۱۵۶
۱۵	۲:۶۵	۱۷۴	۳۶	۲:۲۶۹	۴
۱۶	۲:۷۱	۲۲۳	۳۷	۲:۲۷۵	۱۹۸
۱۷	۲:۱۱۲	۱۳۸، ۱۵۴	۳۸	۳:۱۸	۹۵
۱۸	۲:۱۱۷	۱۷۳	۳۹	۳:۲۰	۱۵۴
۱۹	۲:۱۲۴	۵۲، ۵۳، ۵۶	۴۰	۳:۲۶	۵۷
۲۰	۲:۱۲۵	۷	۴۱	۳:۳۱	۷۴

ISWLS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۴۲	۳:۳۳	۲۸
۴۳	۳:۳۳-۳۴	۹۲
۴۴	۳:۴۱	۱۳۰
۴۵	۳:۴۲	۱۵
۴۶	۳:۴۹	۲۳۴
۴۷	۳:۵۲	۱۵۰، ۲۱۲
۴۸	۳:۶۱	۹۳
۴۹	۳:۸۱	۴۸
۵۰	۳:۱۱۸	۱۸۶
۵۱	۳:۱۲۳	۶۷
۵۲	۳:۱۳۳	۱۴۳، ۲۲۱
۵۳	۳:۱۶۹	۲۲۳
۵۴	۳:۱۹۰-۱۹۱	۶۵
۵۵	۴:۱	۱۴۰
۵۶	۴:۵۴	۵۷، ۵۹،۹۸، ۱۹۴
۵۷	۴:۵۹	۳۰، ۹۸، ۱۷۶
۵۸	۴:۶۴	۷۵
۵۹	۴:۶۹	۲۸، ۱۴۵
۶۰	۴:۸۰	۷۴، ۱۷۶
۶۱	۴:۱۲۵	۱۵۴
۶۲	۴:۱۶۵	۹۰
۶۳	۴:۱۷۱	۳۲
۶۴	۴:۱۷۴	۱۷۶
۶۵	۵:۳	۴، ۵، ۲۹، ۹۰، ۱۱۷
۶۶	۵:۱۲	۱۴۹، ۱۵۰
۶۷	۵:۱۵	۲۳، ۳۱، ۹۰، ۹۶، ۱۲۲، ۱۵۲، ۱۷۶، ۱۷۸
۶۸	۵:۲۰	۵۷، ۱۳۰، ۱۹۵
۶۹	۵:۲۷	۴۲، ۹۲
۷۰	۵:۲۷-۳۲	۸۰
۷۱	۵:۵۱	۱۸۵، ۱۸۶
۷۲	۵:۶۴	۱۱۳
۷۳	۵:۹۶	۳۵
۷۴	۵:۱۱۱	۱۵
۷۵	۶:۱۸	۱۳۶
۷۶	۶:۲۰	۸۸
۷۷	۶:۶۱	۱۳۶
۷۸	۶:۷۴	۵۶
۷۹	۶:۷۵	۱۲۸
۸۰	۶:۷۵-۷۹	۵۵
۸۱	۶:۷۶-۷۸	۱۶
۸۲	۶:۷۹	۵۶، ۱۵۴
۸۳	۶:۸۰	۲۹، ۶۶
۸۴	۶:۹۴	۱۴۰، ۲۰۶
۸۵	۶:۹۸	۲۲، ۱۱۹، ۱۴۰
۸۶	۶:۱۱۲	۱۹۷، ۱۹۸
۸۷	۶:۱۱۵	۴۲، ۵۵

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۸۸	۱۲۲:۶	۱۴۳، ۲۰۶
۸۹	۱۱:۷	۱۲۰، ۱۵۷، ۱۶۴، ۱۸۴
۹۰	۱۳:۷	۱۸۴، ۱۸۵
۹۱	۱۷:۷	۱۳۸
۹۲	۴۰:۷	۶۷، ۹۷
۹۳	۴۶:۷	۹۳
۹۴	۵۳:۷	۱۶۸
۹۵	۵۴:۷	۲۲، ۱۱۴
۹۶	۶۵:۷	۴۷
۹۷	۶۸:۷	۴۸
۹۸	۷۳:۷	۴۸، ۴۹
۹۹	۸۱-۸۰:۷	۶۱
۱۰۰	۱۴۵:۷	۱۴۴
۱۰۱	۱۵۵:۷	۸۲
۱۰۲	۱۵۷:۷	۲۸، ۱۷۶
۱۰۳	۱۷۲:۷	۵۳، ۶۰
۱۰۴	۱۸۰:۷	۳۳، ۷۲، ۷۳، ۷۵، ۹۰، ۹۱، ۹۲
۱۰۵	۱۸۹:۷	۱۴۰
۱۰۶	۱۷:۸	۱۱۳
۱۰۷	۲۴:۸	۷۷، ۱۲۹
۱۰۸	۲۹:۸	۱۶
۱۰۹	۴۲:۸	۲۱
۱۱۰	۳۲:۹	۲۷، ۱۷۶
۱۱۱	۳۶:۹	۲۷، ۱۴۵، ۱۵۰
۱۱۲	۵۲:۹	۲۰۳
۱۱۳	۷۲:۹	۶۹
۱۱۴	۹۹:۹	۷۵
۱۱۵	۱۰۳:۹	۷۵،۸۷،۹۰، ۱۷۸
۱۱۶	۱۰۴:۹	۷۶، ۱۷۸
۱۱۷	۱۰۵-۱۰۴:۹	۳۰
۱۱۸	۱۰۵:۹	۵۹، ۹۴، ۹۵، ۱۴۰
۱۱۹	۱۰۹:۹	۳۰
۱۲۰	۱۱۱:۹	۱۷۶، ۱۷۷
۱۲۱	۱۱۹:۹	۲۸
۱۲۲	۸۷:۱۰	۱۵۰
۱۲۳	۱۲:۱۱	۲۲
۱۲۴	۱۷:۱۱	۹۵
۱۲۵	۳۷:۱۱	۴۵
۱۲۶	۴۰:۱۱	۴۵، ۴۶
۱۲۷	۴۴:۱۱	۴۵، ۱۲۸
۱۲۸	۴۷:۱۱	۱۴۸
۱۲۹	۴۸:۱۱	۴۵
۱۳۰	۵۲:۱۱	۴۷، ۱۲۸
۱۳۱	۸۶:۱۱	۱۲۸
۱۳۲	۱۰۸:۱۱	۲۲۱
۱۳۳	۴:۱۲	۱۲۲، ۱۲۸

ISWLS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۱۳۴	۷-۶:۱۲	۵
۱۳۵	۷۶:۱۲	۱۴۵
۱۳۶	۹۳:۱۲	۲۴
۱۳۷	۱۰۰:۱۲	۱۲۱، ۱۲۲
۱۳۸	۳:۱۳	۱۱۶
۱۳۹	۷:۱۳	۲۷
۱۴۰	۸:۱۳	۱۳۲
۱۴۱	۱۵:۱۳	۱۲۱
۱۴۲	۲۰-۱۹:۱۳	۵۳
۱۴۳	۴۳:۱۳	۳۱
۱۴۴	۴:۱۴	۱۰۷
۱۴۵	۲۵:۱۴	۱۱
۱۴۶	۳۴:۱۴	۲۲، ۶۹، ۹۱، ۲۰۸، ۲۱۷
۱۴۷	۳۷:۱۴	۶۳
۱۴۸	۹:۱۵	۹۲
۱۴۹	۲۱:۱۵	۲۰، ۶۶، ۹۱، ۱۱۸، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۲۰۸، ۲۱۷
۱۵۰	۲۹:۱۵	۳۲
۱۵۱	۸۷-۸۵:۱۵	۱۶۷
۱۵۲	۴۳:۱۶	۹۲
۱۵۳	۴۹:۱۶	۱۲۱
۱۵۴	۶۰:۱۶	۱۱۰
۱۵۵	۷۸:۱۶	۱۲۵
۱۵۶	۸۱:۱۶	۱۵، ۶۶، ۱۰۰، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۴۳، ۲۳۱
۱۵۷	۸۹:۱۶	۸۱، ۱۷۱
۱۵۸	۱۲۰:۱۶	۲۲
۱۵۹	۳:۱۷	۱۵۷
۱۶۰	۱۳:۱۷	۱۴۳
۱۶۱	۵۰:۱۷	۱۷۴
۱۶۲	۷۰:۱۷	۱۵۸، ۲۱۷
۱۶۳	۷۱:۱۷	۲۷، ۹۵، ۱۱۱
۱۶۴	۷۹:۱۷	۲۸
۱۶۵	۸۵:۱۷	۱۵۸، ۱۵۹، ۱۸۱، ۲۰۶
۱۶۶	۸۹:۱۷	۱۶۴
۱۶۷	۹۵:۱۷	۲۴
۱۶۸	۱۰۱:۱۷	۱۴۹
۱۶۹	۱۰۴:۱۷	۱۴۰
۱۷۰	۸:۱۸	۷۰
۱۷۱	۹:۱۸	۹۹، ۱۰۰
۱۷۲	۱۰:۱۸	۱۰۰، ۱۰۱
۱۷۳	۱۲-۱۱:۱۸	۱۰۱
۱۷۴	۱۴-۱۳:۱۸	۱۰۲
۱۷۵	۱۷-۱۶:۱۸	۱۰۲
۱۷۶	۱۸:۱۸	۱۰۳، ۱۰۴
۱۷۷	۲۰-۱۹:۱۸	۱۰۴

ISWLS
Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۱۷۸	۱۸:۲۲	۱۰۵
۱۷۹	۱۸:۴۹	۱۷
۱۸۰	۱۸:۵۴	۱۶۴
۱۸۱	۱۸:۶۰	۱۱۲، ۱۵۶
۱۸۲	۱۸:۶۵	۵
۱۸۳	۱۸:۷۸-۸۲	۵
۱۸۴	۱۸:۸۲	۲۲۳
۱۸۵	۱۸:۸۴-۸۵	۸۳
۱۸۶	۱۸:۸۶	۸۳
۱۸۷	۱۸:۸۹-۹۰	۸۳
۱۸۸	۱۸:۹۲	۸۳
۱۸۹	۱۸:۹۴	۲۲۳
۱۹۰	۱۸:۹۵-۹۶	۸۴
۱۹۱	۱۹:۱۷	۱۹۳، ۱۹۹
۱۹۲	۱۹:۵۲	۱۲۸
۱۹۳	۱۹:۵۶-۵۷	۴۳
۱۹۴	۱۹:۵۷	۱۲۸
۱۹۵	۱۹:۹۴	۲۲
۱۹۶	۲۰:۱۰	۴۷، ۲۳۴
۱۹۷	۲۰:۱۲	۱۰۸
۱۹۸	۲۰:۲۹-۳۴	۹۶
۱۹۹	۲۰:۳۸	۱۵
۲۰۰	۲۰:۴۷	۷
۲۰۱	۲۰:۵۵	۲۲۷
۲۰۲	۲۱:۳۰	۱۰۳، ۱۰۸، ۱۱۴،
		۱۱۶، ۱۸۰
۲۰۳	۲۱:۶۹	۱۷۴
۲۰۴	۲۱:۷۱	۶۰، ۱۰۸، ۱۲۸
۲۰۵	۲۱:۷۴	۶۰
۲۰۶	۲۱:۸۷	۳۴، ۳۵
۲۰۷	۲۱:۸۸	۳۵
۲۰۸	۲۱:۹۱	۳۲
۲۰۹	۲۱:۱۰۴	۸۷، ۱۰۸، ۱۶۰،
		۲۲۱
۲۱۰	۲۱:۱۰۵	۶۹
۲۱۱	۲۱:۱۰۷	۸۷
۲۱۲	۲۲:۱۸	۱۲۱
۲۱۳	۲۲:۲۳	۲۲۷
۲۱۴	۲۲:۲۶-۲۷	۵۴
۲۱۵	۲۲:۴۷	۱۶۶، ۱۸۵، ۱۸۸
۲۱۶	۲۲:۷۸	۵۹، ۹۰، ۱۲۲،
		۱۴۵
۲۱۷	۲۳:۱۰-۱۱	۶۹
۲۱۸	۲۳:۱۴	۱۵۸
۲۱۹	۲۳:۵۰	۵۱، ۱۲۸
۲۲۰	۲۳:۶۲	۹۴، ۱۱۱
۲۲۱	۲۳:۷۸	۱۲۹
۲۲۲	۲۳:۹۷-۹۸	۲۰۰
۲۲۳	۲۳:۱۰۱	۱۲۲
۲۲۴	۲۴:۳۵	۱۱، ۲۳، ۳۲،

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
		۱۵۷، ۱۷۶، ۱۷۹، ۲۳۴
۲۲۵	۲۴:۳۵-۳۷	۱۵۰
۲۲۶	۲۴:۵۵	۶۶، ۱۲۲
۲۲۷	۲۵:۳۰	۸۲
۲۲۸	۲۵:۷۴	۹۲
۲۲۹	۲۶:۹۰	۶۷
۲۳۰	۲۶:۱۲۳-۱۲۴	۴۸
۲۳۱	۲۷:۷	۴۷
۲۳۲	۲۷:۸	۲۳۴
۲۳۳	۲۷:۱۷	۲۳۵
۲۳۴	۲۷:۳۴	۱۹۵، ۱۹۶
۲۳۵	۲۷:۳۹	۸۱
۲۳۶	۲۷:۴۰	۸۱، ۸۲، ۲۲۲
۲۳۷	۲۷:۹۳	۵۱، ۱۰۶، ۱۰۷
۲۳۸	۲۸:۲۹	۴۷، ۲۳۴
۲۳۹	۲۸:۸۸	۵۵، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۷۳
۲۴۰	۲۹:۴۱	۲۲۵
۲۴۱	۲۹:۴۵	۱۱۱
۲۴۲	۲۹:۵۶	۶۸
۲۴۳	۳۰:۲۲	۱۰۷
۲۴۴	۳۰:۳۰	۶۶، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۸
۲۴۵	۳۰:۴۱	۱۸۸
۲۴۶	۳۰:۴۳	۱۵۴
۲۴۷	۳۱:۲۰	۴، ۹۱، ۱۱۷، ۲۰۸
۲۴۸	۳۱:۲۲	۱۵۴
۲۴۹	۳۱:۲۷	۱۱۸
۲۵۰	۳۱:۲۸	۲۲، ۱۱۰، ۱۴۰، ۱۶۵
۲۵۱	۳۲:۱۷	۱۴۹
۲۵۲	۳۳:۲۱	۲۵، ۱۵۰
۲۵۳	۳۳:۲۸	۲۳
۲۵۴	۳۳:۳۷	۱۲۳
۲۵۵	۳۳:۴۱	۱۵۰
۲۵۶	۳۳:۴۲	۱۳۰
۲۵۷	۳۳:۴۳	۲۹، ۹۰
۲۵۸	۳۳:۴۵	۱۶
۲۵۹	۳۳:۴۶	۱۱، ۲۳، ۳۲، ۱۷۹، ۲۳۴
۲۶۰	۳۳:۵۵	۲۹
۲۶۱	۳۳:۵۶	۷۶
۲۶۲	۳۴:۱۳	۱۵
۲۶۳	۳۵:۱۰	۲۲۷
۲۶۴	۳۵:۱۲	۳۴
۲۶۵	۳۵:۳۲	۲۴، ۹۵
۲۶۶	۳۶:۱۲	۶، ۲۲، ۷۲، ۸۸، ۹۶، ۱۰۳، ۱۵۹، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۳،

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر	نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
		۲۰۴، ۲۲۱	۲۹۰	۱۶-۱۵:۴۰	۱۳۶
۲۶۷	۱۷:۳۶	۱۴۷	۲۹۱	۱۶:۴۰	۱۳۲، ۱۳۴
۲۶۸	۳۶:۳۶	۱۱۲، ۱۱۹	۲۹۲	۸۵:۴۰	۲۷
۲۶۹	۴۰:۳۶	۲۲، ۱۴۶	۲۹۳	۳۰:۴۱	۱۵
۲۷۰	۴۱:۳۶	۲۲	۲۹۴	۳۲-۳۰:۴۱	۱۶۲
۲۷۱	۵۱:۳۶	۱۸۴	۲۹۵	۵۳:۴۱	۱۴، ۵۱، ۱۰۷
۲۷۲	۸۲:۳۶	۱۱۵	۲۹۶	۲:۴۲	۱۳۴
۲۷۳	۸۳:۳۶	۲۲	۲۹۷	۵۱:۴۲	۳۸
۲۷۴	۸-۶:۳۷	۷۰	۲۹۸	۵۲:۴۲	۳۱، ۹۶، ۱۵۱
۲۷۵	۷۷:۳۷	۱۴۸	۲۹۹	۴:۴۳	۹۶، ۱۸۱
۲۷۶	۱۰۳-۱۰۲:۳۷	۶۳	۳۰۰	۱۸:۴۳	۱۶۰
۲۷۷	۱۰۷:۳۷	۶۳، ۱۳۴	۳۰۱	۳۶:۴۳	۲۰۰
۲۷۸	۱۴۴:۳۷	۳۶	۳۰۲	۳:۴۴	۱۶۲
۲۷۹	۱۴۸-۱۴۵:۳۷	۳۷	۳۰۳	۱۳:۴۵	۶۹، ۹۱، ۲۱۷
۲۸۰	۲۶:۳۸	۱۲۸	۳۰۴	۲۹:۴۵	۹۶
۲۸۱	۳۵:۳۸	۱۲۸	۳۰۵	۱۵:۴۶	۱۸۵
۲۸۲	۴۵:۳۸	۱۲۸	۳۰۶	۹:۴۸	۱۳۰
۲۸۳	۷۲:۳۸	۳۲	۳۰۷	۱۰:۴۸	۵۳، ۹۰، ۱۱۳،
۲۸۴	۶:۳۹	۱۱۲، ۱۴۰			۱۷۷
۲۸۵	۱۰:۳۹	۶۸، ۱۸۱	۳۰۸	۱۸:۴۸	۱۷۷
۲۸۶	۴۲:۳۹	۴۳	۳۰۹	۱:۵۰	۱۳۴
۲۸۷	۶۷:۳۹	۱۰۸، ۱۱۵، ۱۶۰،	۳۱۰	۲۱:۵۰	۹۵
		۲۲۱	۳۱۱	۲۲:۵۰	۱۳۹
۲۸۸	۶۹:۳۹	۱۶۷، ۱۷۵	۳۱۲	۳۱:۵۰	۶۷، ۲۱۷
۲۸۹	۷:۴۰	۲۹، ۶۶، ۱۶۰	۳۱۳	۳۵:۵۰	۲۰۸، ۲۱۷

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۳۱۴	۵۱:۲۱	۵۱، ۱۵۸
۳۱۵	۵۱:۵۶	۴۹، ۲۳۰
۳۱۶	۵۳:۱۱	۱۲۹
۳۱۷	۵۳:۴۵	۱۱۲
۳۱۸	۵۴:۵	۴۲، ۸۹
۳۱۹	۵۴:۶	۱۳۱
۳۲۰	۵۴:۷	۱۳۲
۳۲۱	۵۴:۲۹	۵۰
۳۲۲	۵۵:۱-۱۳	۲۳۲
۳۲۳	۵۵:۳	۲۳۳
۳۲۴	۵۵:۷	۱۰۸، ۱۸۱
۳۲۵	۵۵:۱۴-۱۵	۲۳۱، ۲۳۳
۳۲۶	۵۵:۱۶	۲۳۴
۳۲۷	۵۵:۱۹	۱۱۲
۳۲۸	۵۵:۱۹-۲۲	۱۵۶
۳۲۹	۵۵:۲۴-۲۷	۶۷
۳۳۰	۵۵:۲۷	۵۵، ۱۴۷، ۱۵۴
۳۳۱	۵۵:۳۳	۶۸
۳۳۲	۵۵:۵۲	۱۱۶
۳۳۳	۵۶:۱-۱۲	۱۴۲
۳۳۴	۵۶:۳۰	۲۱
۳۳۵	۵۷:۱۲	۱۰۲، ۱۱۵، ۱۳۵، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۹
۳۳۶	۵۷:۱۹	۱۴۳، ۱۵۹
۳۳۷	۵۷:۲۱	۶۷، ۱۴۴، ۲۲۱
۳۳۸	۵۷:۲۵	۱۸۱
۳۳۹	۵۷:۲۸	۱۷۶، ۱۷۹
۳۴۰	۶۱:۸	۲۷، ۱۷۶
۳۴۱	۶۲:۱۰	۱۵۰
۳۴۲	۶۵:۱۰-۱۱	۹۲
۳۴۳	۶۵:۱۲	۱۸۱
۳۴۴	۶۶:۸	۱۰۲، ۱۳۵، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۹، ۱۸۰
۳۴۵	۶۶:۱۱	۲۱۳
۳۴۶	۶۶:۱۰-۱۲	۲۱۴
۳۴۷	۶۶:۱۲	۳۲
۳۴۸	۶۷:۵	۷۱
۳۴۹	۶۸:۴۲	۱۳۳
۳۵۰	۶۸:۴۸	۳۴
۳۵۱	۶۸:۴۸-۵۰	۳۸
۳۵۲	۶۹:۴-۷	۸۲
۳۵۳	۶۹:۱۲	۱۲۶
۳۵۴	۷۰:۳	۱۴۴
۳۵۵	۷۰:۴	۱۱۴، ۱۶۴
۳۵۶	۷۱:۲۶-۲۸	۴۴
۳۵۷	۷۱:۲۸	۸۶
۳۵۸	۷۲:۸	۷۱
۳۵۹	۷۶:۱	۱۸۱
۳۶۰	۷۶:۲۰	۱۳۱، ۲۲۱
۳۶۱	۷۸:۱۳	۳۲

نمبر شمار	سورہ: آیت	صفحہ نمبر
۳۶۲	۲۹:۷۸	۹۶، ۱۸۱
۳۶۳	۲۸-۲۷:۷۹	۲۰
۳۶۴	۷:۸۱	۱۱۹
۳۶۵	۱۱:۸۲	۱۷
۳۶۶	۱۹-۱۸:۸۳	۱۴۳
۳۶۷	۲۱-۱۸:۸۳	۱۱۰
۳۶۸	۲۳-۱۸:۸۳	۱۴۲
۳۶۹	۲۱:۸۳	۸۵
۳۷۰	۱۹:۸۴	۱۴۴، ۱۷۵
۳۷۱	۲۲-۲۱:۸۵	۹۶
۳۷۲	۲۲:۸۹	۱۴۱
۳۷۳	۳:۹۰	۱۲۲
۳۷۴	۴:۹۴	۷۴
۳۷۵	۶:۹۴	۹۰، ۲۱۷
۳۷۶	۸-۱:۹۵	۱۰۶، ۱۲۷
۳۷۷	۶-۵:۹۵	۱۵۸
۳۷۸	۴-۳:۹۶	۱۲۸
۳۷۹	۵-۱:۹۷	۱۶۲
۳۸۰	۴:۹۷	۱۶۳
۳۸۱	۵:۹۷	۱۶۵
۳۸۲	۲-۱:۱۰۰	۱۴
۳۸۳	۴:۱۰۱	۱۳۲
۳۸۴	۸:۱۰۲	۳۳
۳۸۵	۲-۱:۱۰۳	۱۶۵
۳۸۶	۱:۱۰۵	۱۳۹
۳۸۷	۱:۱۰۸	۹۴
۳۸۸	۳-۱:۱۱۰	۱۴۰

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

احادیثِ شریفہ

نمبر شمار	حدیث	صفحہ نمبر
۱	خیرکم منکم من یقاتلکم علیٰ تاویل القرآن کما قاتلتکم علیٰ تنزیله۔	۵
۲	انا مدینة العلم وعلی بابها۔	۶
۳	انا دارالحکمة وعلی بابها۔	۶
۴	کل مولود یولد علی الفطرة وابواه یهودانه اوینصرانه او یمجسانه۔	۲۷
۵	ان للقران ظهرا وبطناولبطنه باطناالی سبعة ابطن۔	۳۴، ۳۷
۶	الاان مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من قومه من رکبهانجا ومن تخلف عنها غرق۔	۴۵
۷	اعرفکم بنفسه اعرفکم بربه۔	۵۲، ۱۳۷
۸	لعنة اللّٰه علی المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء باالرجال۔	۶۲
۹	یاعلی ان لک بیتا فی الجنة وانت ذوقرنیها۔	۸۲
۱۰	الدین نصیحة، فقیل:لمن یارسول اللّٰه؟ قال:للّٰه ولرسوله ولأئمة المؤمنین ولجماعتهم۔	۸۶
۱۱	دخلت الجنة البارحة فنظرت فیها فاذا جعفر یطیر مع الملائکة . . . ۔	۶۹

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	حدیث	صفحہ نمبر
۱۲	قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وآلہٖ وسلّم لعلی: انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی۔	۹۶
۱۳	علی باب حطة . . . ۔	۹۷
۱۴	ما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیه، ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتٰی احبه فاذااحببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بهاورجله التی یمشی بها۔(حدیثِ قدسی)	۱۲۵
۱۵	اللّٰهم اجعل لی نورا فی قلبی، ونورا فی سمعی ، ونورا فی بصری ، ونورا فی لسانی، ونورا فی شعری، ونورا فی بشری، ونورا فی لحمی، ونورا فی دمی، ونورافی عظامی، ونورا فی عصبی ، ونورا بین یدی، ونورامن خلفی، ونورا عن یمینی، ونورا عن یساری، ونورا من فوقی، ونورا من تحتی۔(دعائے نور)	۱۲۶، ۱۸۰
۱۶	من مات فقد قامت قیامته۔	۱۵۵
۱۷	من مات لایعرف امام دهره حیا مات میتة جاهلیة۔	۱۸۱
۱۸	یابن اٰدم اطعنی اجعلک مثلی حیالاتموت وعزیزا لاتذل وغنیا لاتفتقر۔ (حدیثِ قدسی)	۱۸۸
۱۹	من کان للّٰہ کان اللّٰہ له۔	۲۱۸

ISW Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

ارشادات واقوال

نمبر شمار	ارشاد/قول	صفحہ نمبر
	حضرت علی علیہ السّلام	
۱	من عرف نفسه فقد عرف ربه۔	۱۳۷، ۲۳۴
۲	اناالاسماء الحسنٰی التی امر اللّٰه ان یدعٰی بها۔	۷۲
۳	وتحسب انک جرم صغیر ؛ وفیک انطوی العالم الاکبر	۲۲۰
	حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام	
۴	کل من شغلک عن مطالعة الحق فهو طاغوتک۔	۴۸
۵	نحن ههنا الناس المحسودون علی ما آتانا اللّٰه من الامامة ۔	۱۹۴
	حضرت امام جعفر الصّادق علیہ السّلام	
۶	. . . واتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷:۱۵۷)۔ اس آیت میں نور سے مراد علی بن ابی طالب اور أئمۂ حق ہیں۔	۲۸
۷	وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۹:۱۰۵۔ اس آیت میں وَالْمُؤْمِنُوْن سے مراد أئمہ علیہم السّلام ہیں۔	۳۰
۸	نون نهر فی الجنة اشد بیاضا من الثلج واحلٰی من الشهد، قال اللّٰه له: اجمد!فجمد،ثم قال للقلم: اکتب!فکتب القلم	۱۷۵

ISW Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

نمبرشمار	ارشاد/قول	صفحہ نمبر
	حضرت امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ	
۹	جب مولا مرتضٰی علی پہلے مکہ میں تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، اس وقت سب مرید کسان تھے، دادا آدم کے زمانے میں بھی مرید کسان ہی تھے، ان لوگوں کا بدن بھی کسان کا تھا، لیکن باطن میں وہ فرشتے تھے۔	۷۷
۱۰	سبحٰنکَ ماعبدناکَ حقّ عبادتک، سبحٰنکَ ما عرفناکَ حقّ معرفتکَ ۔	۱۳۷
۱۱	نُه صد ہزاران سال شُد تا قالبم راساختند۔	۱۸۵
۱۲	تھوَس گٹو جوَ مین شُرو جوَ۔	۲۲۷

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

اشعار

نمبر شمار	شعر	صفحہ نمبر
۱	الٰہی چارۂ بے چارگان کن الٰہی رحمتی بربندگان کن الٰہی رحمتت دریائے عام است وزانجاقطرۂ مارا تمام است	۲
۲	نکتہ ہا چون تیغِ پولاد است تیز چون نداری تو سِپر واپس گریز	۱۲
۳	دستم بکفِ دستِ نبی داد ببیعت زیرِ شجرِ عالی پُر سایہ و مُثمر	۱۷۷
۴	منّت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنم منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشت است	۲۰۴

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

فہرستُ الاعلام

نمبر شمار	اسم	صفحہ نمبر
۱	حضرت آدمؑ (تخومؑ)	۱۱، ۲۰، ۲۸، ۳۲، ۴۱، ۴۲، ۶۰، ۷۰، ۷۳، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۱۰۳، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۱، ۱۸۴، ۱۹۳، ۱۹۷
۲	حضرت آسیہ	۲۱۳، ۲۱۴
۳	حضرت آصف بن برخیا	۲۲۲
۴	حضرت ابراہیمؑ	۱۶، ۲۲، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۱۲۸، ۱۴۶
۵	حضرت ادریسؑ (اخنوخؑ)	۴۳، ۴۴، ۱۲۸
۶	حضرت اسحاقؑ	۶۴، ۱۳۴
۷	حضرت اسرافیلؑ	۹۵، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۶۲، ۲۳۳، ۲۳۴
۸	حضرت اسماعیلؑ	۵۸، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۱۳۴
۹	بجلاح بن قوامہ بن ورقۃ الرّویادی	۱۴۸
۱۰	بلقیس (ملکۂ سبا)	۱۹۵
۱۱	حضرت بنیامین	۱۹۴
۱۲	حضرت تارحؑ	۵۶
۱۳	حضرت جبرائیلؑ	۹۵، ۱۳۱، ۱۹۹

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	اسم	صفحہ نمبر
۱۴	حضرت امام جعفر الصّادقؑ	۲۸، ۳۰، ۱۲۶، ۱۷۵، ۱۸۰
۱۵	حضرت جعفر طیارؓ	۶۹
۱۶	حضرت جعفر بن منصور الیمنؒ	۱۴۸
۱۷	حضرت جلال الدّین رومیؒ	۱۲
۱۸	سیّد جلال بدخشانی	۱۰
۱۹	حضرت حاجرہ	۶۲، ۶۳
۲۰	حاران	۶۰
۲۱	حضرت بی بی حوّاؑ	۱۰۳، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۹۳
۲۲	حضرت داوٗدؑ	۱۲۸
۲۳	حضرت ذوالقرنینؑ	۸۲، ۸۳، ۸۵
۲۴	حضرت زکریاؑ	۱۵۲
۲۵	حضرت سارہ	۶۲
۲۶	حضرت مولانا سامؑ	۴۶
۲۷	حضرت امام سلطان محمد شاہؒ	۸، ۱۸، ۷۷، ۱۳۵، ۲۲۳
۲۸	حضرت سلیمانؑ	۸۲، ۱۲۸، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۵
۲۹	حضرت شعیبؑ	۱۲۸
۳۰	حضرت شموئیلؑ	۱۹۰
۳۱	حضرت شیثؑ	۴۳
۳۲	حضرت صالحؑ	۴۸، ۴۹، ۵۶
۳۳	حضرت طالوتؑ	۸۸، ۹۷، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۴
۳۴	عبدالاحد	۶۸

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	اسم	صفحہ نمبر
۳۵	پیر شاہ عبدالحمید	۱۹۹
۳۶	حضرت عزرائیلؑ	۸۱، ۹۵، ۱۱۱، ۱۳۱، ۱۶۲، ۲۳۳، ۲۳۴
۳۷	حضرت علیؑ	۵، ۶، ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۹، ۷۲، ۸۲، ۸۳، ۹۳، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۴۳، ۱۸۸، ۲۲۰
۳۸	حضرت پرنس علی سلمان خان	۱۰
۳۹	حضرت عیسیٰؑ	۵۱، ۱۲۸، ۱۵۰، ۲۱۲، ۲۳۴
۴۰	حضرت لوطؑ	۶۰، ۶۱، ۶۲، ۱۲۸، ۲۱۴
۴۱	حضرت محمدؐ	۲۳، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۴۴، ۷۷، ۷۹، ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۱۷۹، ۲۳۰
۴۲	حضرت امام محمد باقرؑ	۴۸، ۱۹۴
۴۳	میر محمد جمال خان	۹
۴۴	حضرت مریمؑ	۱۵، ۳۲، ۱۲۸، ۱۵۲، ۱۹۹، ۲۱۴
۴۵	حضرت موسیٰؑ	۵، ۴۴، ۸۱، ۹۶، ۱۰۸، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۲۰
۴۶	حضرت میکائیلؑ	۹۵، ۱۳۱
۴۷	حضرت حکیم پیر ناصر خسرو ق س	۱۷۷، ۱۷۹
۴۸	حضرت قاضی نعمانؒ	۱۹۴
۴۹	حضرت شاہ نواز شاہ	۱۹۹
۵۰	حضرت نوحؑ	۲۷، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۶۰، ۸۶، ۱۲۸، ۱۴۸، ۱۸۷، ۲۱۴
۵۱	حضرت ہابیلؑ	۴۲، ۴۳، ۸۰، ۸۱

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for united humanity

نمبرشمار	اسم	صفحہ نمبر
۵۲	حضرت ھارونؑ	۹۶، ۹۷، ۱۵۰، ۱۹۳، ۱۹۴
۵۳	حضرت مولانا ھُنیدؒ	۴۶
۵۴	حضرت ھودؑ	۴۶، ۴۷، ۴۸، ۱۲۸
۵۵	حضرت یعقوبؑ	۱۲۲، ۱۴۹، ۱۹۴
۵۶	حضرت یوسفؑ	۵، ۷۴، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۹۴
۵۷	حضرت یوشعؑ	۱۹۴
۵۸	حضرت یونسؑ	۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۰

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اسمائے کتب

نمبر شمار	کتاب	صفحہ نمبر
۱	ارجح المطالب	۹۷
۲	اساس التاویل	۱۹۴
۳	انجیل	۷۷
۴	ترجمۂ قرآن از مولانا فرمان علی	۲۸، ۳۰
۵	توراۃ/توریت	۷۷، ۱۴۴
۶	حقائق عالیہ	۱۷۵
۷	دعائم الاسلام	۱۹۴، ۲۰۴
۸	دیوانِ علیؑ	۲۲۰
۹	روح کیا ہے؟	۱۲۰، ۱۸۳
۱۰	روحانی علاج (کتاب العلاج)	۳، ۱۲
۱۱	زاردالمسافرین	۵۲
۱۲	سرائر و اسرار النطقاء	۱۴۸، ۱۹۴
۱۳	سلسلۂ نورِ امامت	۱۰
۱۴	صحیح مسلم	۹۶
۱۵	علمی علاج (کتاب العلاج)	۳، ۱۲، ۱۱۶، ۱۷۵
۱۶	قاموس القرآن	۱۵۴
۱۷	قرآنی علاج (کتاب العلاج)	۳، ۱۲، ۱۲۵، ۱۸۰

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	کتاب	صفحہ نمبر
۱۸	قصص القرآن (مولانا محمد حفیظ)	۶۴
۱۹	کوکبِ دُرّی	۷۲، ۹۷
۲۰	مفردات القرآن	۸۲
۲۱	میزان الحقائق	۱۸۶، ۱۸۷
۲۲	نقوشِ حکمت	۱۱، ۱۲
۲۳	وجہِ دین	۴، ۶۱، ۱۰۶، ۱۴۳، ۱۵۳، ۱۶۸

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
۱	آدمِ زمانؑ	۱۲۲، ۱۹۸
۲	آلِ ابراہیمؑ	۵۷، ۵۹، ۹۸، ۱۹۵
۳	آلِ محمدؐ	۲۹، ۵۷، ۵۹، ۷۷، ۷۹، ۹۰، ۹۸
۴	ابد/ابدی	۷۰، ۷۷، ۸۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۶۳، ۱۸۱، ۲۱۵
۵	ابداع	۱۲، ۳۷، ۱۶۵، ۱۷۳، ۱۹۱، ۲۱۵
۶	ازل/ازلی	۳۰، ۴۲، ۵۴، ۵۸، ۷۰، ۷۷، ۸۳، ۸۵، ۸۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۱، ۱۹۳، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۱۸
۷	اُڑن طشتری	۱۵، ۱۶۶، ۱۹۳، ۲۲۱، ۲۲۲
۸	اساس	۳۹، ۴۹، ۵۸، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۴۸، ۱۵۳، ۱۸۸
۹	اسمِ اعظم	۳۲، ۶۴، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۹۱، ۹۲، ۹۹، ۱۳۸، ۱۵۳، ۱۷۱، ۱۸۱، ۲۱۵
۱۰	اسماءُالحسنٰی	۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۷، ۹۰، ۱۸۱
۱۱	امامؑ/ائمہؑ	۵، ۶، ۸، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۲۱، ۲۴، ۲۷، ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷،

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
		۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۴، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۵
۱۲	امامِ اساس	۴۳، ۴۵، ۹۶
۱۳	امام المتقین	۹۲
۱۴	امامِ زمانؑ	۳، ۵، ۹، ۱۰، ۳۹، ۷۳، ۷۵، ۸۳، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۶، ۱۰۰، ۱۳۸، ۱۴۷، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۹، ۲۲۱
۱۵	امامِ مبینؑ	۶، ۲۲، ۷۲، ۱۶۰، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۲۱، ۲۲۴
۱۶	امامِ مستودع/امامانِ مستودع	۱۲۲، ۲۳۴
۱۷	امامِ مقیم	۴۶، ۵۶
۱۸	انائے سفلی	۲۱، ۴۴، ۷۷، ۱۱۸، ۱۱۹
۱۹	انائے علوی	۲۱، ۴۲، ۴۴، ۵۵، ۷۷، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۷، ۲۰۶
۲۰	انائے مستقر	۱۱۹
۲۱	انائے مستودع	۱۱۹
۲۲	انبعاث	۲۲، ۲۹، ۳۶، ۳۷، ۸۱، ۸۲، ۸۸، ۱۰۴، ۱۴۰، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۶۵، ۱۹۱، ۲۱۵
۲۳	انسانِ کامل/انسانانِ کامل	۱۱، ۲۲، ۲۵، ۸۳، ۸۷، ۸۸، ۱۰۹، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۶۵، ۱۹۲، ۲۲۲، ۲۳۲، ۲۳۳
۲۴	انفرادی قیامت	۱۱۱، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۶۵، ۲۱۷، ۲۲۳

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
۲۵	باب	۱۱۳،۱۲۲،۱۵۳
۲۶	بقا باللہ	۲۴،۲۵،۵۵،۶۷،۶۸،۱۵۴،۲۱۳
۲۷	تجددِ امثال	۳۱،۴۶،۵۳،۶۳،۷۷،۹۳،۱۰۷،۱۱۰،۱۱۳، ۱۱۵،۱۲۰،۱۶۳،۱۹۴،۲۱۵،۲۳۳
۲۸	جدّ	۱۲۸،۱۳۱
۲۹	جسمِ ابداعی/قرطۂ ابداعی	۲۰۸،۲۳۳
۳۰	جسمِ لطیف/اجسامِ لطیف	۲۳،۲۴،۶۷،۷۰،۸۸،۱۳۲،۱۷۴،۱۸۸، ۱۹۲،۱۹۳،۱۹۸،۲۰۱،۲۰۲،۲۱۵،۲۲۱،۲۲۲، ۲۲۴،۲۲۷،۲۲۸،۲۳۱،۲۳۲
۳۱	جسمِ مثالی	۱۵،۲۲۱
۳۲	حجّت	۴۹،۵۰،۵۴،۱۲۴،۱۲۵،۱۲۷،۱۵۱،۱۵۳، ۱۹۴،۲۱۵،۲۳۵
۳۳	حجّتِ اعظم	۱۲۲
۳۴	حجّتِ جزیرہ	۵۴
۳۵	حجّتِ قائمؑ	۱۶۲،۱۶۳،۱۶۶
۳۶	حق الیقین	۴۲،۵۵،۵۸،۸۰،۹۹،۱۰۲،۱۰۷،۱۳۷
۳۷	خلافتِ الٰہیّہ	۲۰،۱۲۱
۳۸	خلیفۂ خدا/خلیفۃ اللہ	۲۰،۴۲،۷۳،۱۱۹،۱۵۶،۱۹۸
۳۹	خلیفۂ رسولؐ	۱۵۲
۴۰	خیال	۱۲۸،۱۳۱
۴۱	داعی	۵۰،۵۴،۱۲۴،۱۲۵،۱۲۷،۱۵۳
۴۲	دورِ قیامت	۱۶۷،۱۸۸،۲۰۵

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for united humanity

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
۴۳	ذاتی قیامت	۸۰، ۱۰۲، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۴۰، ۱۹۲، ۲۳۳
۴۴	روح القدس	۱۶۲، ۱۹۳
۴۵	روحانی سائنس	۱۶۶
۴۶	روحانی قیامت	۱۲۳، ۱۳۲
۴۷	زمینِ نفسِ کُلّ	۲۲، ۳۹، ۴۲، ۶۰، ۱۱۶
۴۸	سدِّ ذوالقرنین	۸۴، ۲۲۳
۴۹	سرابیل	۱۵، ۱۴۳
۵۰	سلیمانِ زمانؑ	۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۶
۵۱	سنّتِ الٰہی/سنّتِ الٰہیّہ	۱۱، ۲۷، ۳۸، ۷۷، ۸۰، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۶۳، ۱۹۳
۵۲	صاحبِ امر/صاحبانِ امر	۳۰، ۱۷۶
۵۳	صاحبِ عرش	۶۸، ۱۰۹
۵۴	صورِ اسرافیل	۵۴، ۸۰، ۸۲، ۱۰۱، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۹۲، ۲۳۳
۵۵	صورتِ رحمان	۱۴۷
۵۶	عالمِ امر	۲۲، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۴۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۰۶
۵۷	عالمِ خلق	۱۱۸، ۱۱۹
۵۸	عالمِ ذرّ	۲۲، ۳۶، ۵۴، ۶۰، ۱۲۱، ۱۴۷، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۴، ۱۸۱، ۱۹۲، ۲۲۰، ۲۲۸
۵۹	عالمِ سفلی	۸۳، ۱۴۷
۶۰	عالمِ شخصی/عوالمِ شخصی	۲۰، ۲۲، ۲۹، ۳۱، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۶۳، ۶۷، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۸، ۹۳، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۰،

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
		۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۳
۶۱	عالمِ صغیر/ عالمِ اصغر	۱۱۵، ۱۲۲، ۱۸۱، ۲۲۰، ۲۳۳
۶۲	عالمِ علوی/ عالمِ بالا	۱۸، ۷۰، ۸۳، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۸، ۱۲۷، ۱۸۱، ۲۳۳
۶۳	عالمِ کبیر/ عالمِ اکبر	۱۲۲، ۱۸۱، ۲۰۶، ۲۲۰
۶۴	عالمِ وحدت	۲۱، ۲۲، ۸۴، ۸۵، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۱
۶۵	عرش/عرشِ الٰہی	۲۹، ۷۶، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۸۱
۶۶	عقلِ کُلّ / عقلِ کُلّی	۲۰، ۲۲، ۲۹، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۸۸، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۸۱، ۲۳۲
۶۷	علم الیقین	۱۴، ۹۹، ۱۳۷
۶۸	عین الیقین	۹۹، ۱۳۷
۶۹	فتح	۱۲۸، ۱۳۱
۷۰	فنا فی اللہ	۶، ۲۴، ۲۵، ۳۳، ۳۷، ۵۵، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۳
۷۱	فنا فی الامامؑ	۶، ۳۳، ۱۵۹
۷۲	فنا فی الرّسولؐ	۶، ۳۳، ۱۵۹، ۱۸۰
۷۳	حضرتِ قائمؑ / قائم القیامت	۹۳، ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۴۰، ۱۵۲، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷
۷۴	قرآنِ ناطق/کتابِ ناطق	۹۴، ۹۶، ۱۱۱، ۱۱۷، ۱۶۰، ۱۸۱
۷۵	قلم/قلمِ الٰہی	۳۱، ۷۶، ۸۷، ۹۵، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۳۴، ۱۵۲، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۸۱

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
۷۶	کائناتی بہشت	۱۲۱، ۲۱۷
۷۷	کتابِ مبین	۱۰، ۳۱
۷۸	کتابِ مکنون	۹۴، ۱۲۷، ۱۶۰، ۱۸۱
۷۹	کُرسی	۶۸، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۵۶، ۱۷۲، ۱۸۱
۸۰	کلمۂ باری	۳۷، ۴۲، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۸۱
۸۱	کلمۂ کُنْ/ امرِ کُنْ	۳۱، ۳۲، ۹۱، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۵۸، ۱۷۳، ۱۸۱
۸۲	گریہ وزاری	۲، ۱۵، ۶۸، ۶۹، ۷۹، ۱۱۹، ۲۰۳، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۲۹
۸۳	گنجِ ازل/ کنزِ ازل	۲۰، ۳۷، ۸۹، ۱۸۰، ۱۸۱
۸۴	گوہرِ عقل	۸۷، ۱۲۷، ۱۵۹، ۱۸۱
۸۵	لوح/ لوحِ محفوظ	۳۱، ۳۹، ۴۲، ۷۶، ۹۵، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۸۱
۸۶	ماذون	۲۰۷
۸۷	مستجیب	۲۰۷
۸۸	منزلِ اسرافیلی	۲۳۳
۸۹	منزلِ اعزرائیلی/ منزلِ اعزرائیلیہ	۱۷، ۴۳، ۸۱، ۸۲، ۱۰۱، ۱۶۴، ۲۳۳
۹۰	ناطق	۳۹، ۴۹، ۵۶، ۹۴، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۷، ۱۴۸، ۱۵۰
۹۱	نفسِ امارہ	۳۴، ۱۹۵
۹۲	نفسِ کُلّ / نفسِ کُلّی	۲۰، ۲۲، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۶۸، ۸۸، ۹۳، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۷۵، ۱۸۱، ۲۳۲

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
۹۳	نفسِ مطمئنّہ	۹۳
۹۴	نفسِ واحدہ	۲۲،۴۸،۷۰،۹۳،۱۱۰،۱۲۰،۱۴۰،۱۵۶،۱۵۷،۱۵۸،۱۶۵،۱۸۱،۲۰۶
۹۵	نفسانی موت	۸۱
۹۶	نورٌ علیٰ نور	۳۲،۴۸،۱۵۷
۹۷	نورِ ازل	۸۳،۸۴،۱۰۷،۱۱۵،۱۳۵،۱۷۲،۱۸۱،۲۱۸،۲۲۰
۹۸	نورِ اساس	۱۲۵،۱۴۳
۹۹	نورِ عقل	۴۲،۴۳،۸۳،۱۱۶،۱۳۲،۱۴۳،۱۴۴،۱۵۲،۱۶۵،۱۷۲
۱۰۰	نورِ علیؑ	۹۶،۱۷۹
۱۰۱	نورِ قائم	۱۴۳
۱۰۲	نورِ قرآن	۶۵،۹۹
۱۰۳	نورِ مجسّم	۱۱،۱۷۸،۱۸۱
۱۰۴	نورِ محمدی	۸۸،۹۶
۱۰۵	نورِ منزّل	۱۴۵
۱۰۶	نورِ ناطق	۱۲۵
۱۰۷	نورِ ہدایت	۱۴،۱۶،۷۲،۷۵،۷۷،۷۹،۸۱،۸۹،۹۰،۱۰۰،۱۰۹،۱۱۸،۱۲۲،۱۲۶،۱۳۷،۱۶۰
۱۰۸	نورانی ہدایت	۱۸،۸۳،۱۸۳
۱۰۹	وجہُ اللہ/ وجہِ خدا/ چہرۂ خدا	۴۴،۵۵،۷۴،۱۰۳،۱۴۷
۱۱۰	ولیٔ امر/ اولوا الامر	۹۸،۱۳۸،۱۷۶،۱۸۲،۱۹۱
۱۱۱	یاجوج وماجوج	۸۰،۸۴
۱۱۲	یک حقیقت/ مونوریالٹی	۱۱۰،۱۵۵،۱۵۷،۱۷۰،۲۰۶

ICW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

فہرستِ تصانیف و تراجم

پروفیسر ڈاکٹر علاّمہ نصیرالدّین نصیؔر ہونزائی (ایس۔آئی)

نمبر شمار	کتاب
	اردو تصانیف
۱	آٹھ سوال کے جواب
۲	اسمٰعیلی اصطلاحات
۳	المجالس المغربیہ ☆
۴	امام شناسی (حصّۂ اوّل)
۵	امام شناسی (حصّۂ دوم)
۶	امام شناسی (حصّۂ سوم)
۷	ایثار نامہ
۸	تجرباتِ روحانی
۹	تجلّیاتِ حکمت
۱۰	تحفۂ لازوال برائے لِٹل اینجلز اور ہائی ایجوکیٹرز ☆
۱۱	ثبوتِ امامت
۱۲	جماعت خانہ (حصّۂ دوم)
۱۳	جماعت خانہ (حصّۂ سوم)
۱۴	جنگ خصوصی انٹرویو
۱۵	جواہرِ حقائق
۱۶	چالیس سوال
۱۷	چراغِ روشن اور حکیم پیر ناصر خسروؔ ایک علمی کائنات
۱۸	چہلِ حکمتِ جہاد
۱۹	چہلِ حکمتِ شکر گزاری
۲۰	چہلِ کلید
۲۱	حروفِ مقطّعات ☆
۲۲	حظیرۃُ القدس عالمِ شخصی کی بہشت
۲۳	حقائقِ عالیہ
۲۴	حقیقی دیدار
۲۵	حکمتِ تسمیہ اور اسمائے اہلِ بیت
۲۶	حکیم پیر ناصر خسروؔ اور روحانیت
۲۷	درختِ طوبیٰ ☆
۲۸	دُعا مغزِ عبادت

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبرشمار	کتاب
۲۹	دیوانِ نصیری (اردو)
۳۰	ذکرِ الٰہی
۳۱	رموزِ روحانی
۳۲	روح کیا ہے؟
۳۳	روحانی سائنس کے عجائب وغرائب
۳۴	روحانی سائنس اور مادّی سائنس کا سنگم ☆
۳۵	زبورِ عاشقین
۳۶	زبورِ قیامت ☆
۳۷	ساٹھ سوال
۳۸	سپاسنامہ
۳۹	سراج القلوب
۴۰	سلسلۂ نورِ امامت
۴۱	سلسلۂ نورٌ علیٰ نور
۴۲	سوسوال (حصۂ اوّل)
۴۳	سوسوال (حصۂ دوم)
۴۴	سوسوال (حصۂ سوم)
۴۵	سوسوال (حصۂ چہارم)
۴۶	سوغاتِ دانش
۴۷	شہدِ بہشت
۴۸	صنادیقِ جواہر (حصۂ اوّل)
۴۹	صنادیقِ جواہر (حصۂ دوم)
۵۰	صنادیقِ جواہر (حصۂ سوم)
۵۱	عشقِ حقیقی ☆
۵۲	عشقِ سماوی
۵۳	عطر افشان
۵۴	علم کی سیڑھی
۵۵	علم کے موتی
۵۶	علمی بہار (درسِ مکرّر)
۵۷	علمی خزانہ (حصۂ اوّل)
۵۸	علمی خزانہ (حصۂ دوم)
۵۹	علمی خزانہ (حصۂ سوم)
۶۰	علمی خزانہ (حصۂ چہارم)
۶۱	علمی خزانہ (حصۂ پنجم)
۶۲	عملی تصوّف اور روحانی سائنس
۶۳	قانونِ کُلّ
۶۴	قائم شناسی (حصۂ اوّل) ☆
۶۵	قائم شناسی (حصۂ دوم) ☆
۶۶	قائم شناسی (حصۂ سوم) ☆

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	کتاب
۶۷	قرآن اور روحانیت
۶۸	قرآن اور نورِ امامت
۶۹	قرآنِ پاک اسمِ اعظم میں
۷۰	قرآنِ حکیم اور عالمِ انسانیت (حصۂ اوّل)
۷۱	قرآنِ حکیم اور عالمِ انسانیت (حصۂ دوم)
۷۲	قرآنی سائنس (حصۂ اوّل)
۷۳	قرآنی سائنس (حصۂ دوم)
۷۴	قرآنی سائنس (حصۂ سوم)
۷۵	قرآنی سائنس (حصۂ چہارم) ☆
۷۶	قرآنی علم و حکمت کے جواہر ☆
۷۷	قرآنی مینار
۷۸	قرۃُ العین
۷۹	قوانینِ قرآن
۸۰	کارنامۂ زرّین (حصۂ اوّل)
۸۱	کارنامۂ زرّین (حصۂ دوم)
۸۲	کارنامۂ زرّین (حصۂ سوم)
۸۳	کارنامۂ زرّین (حصۂ چہارم) ☆
۸۴	کتابُ العلاج (قرآنی علاج)
۸۵	کتابُ العلاج (علمی علاج)
۸۶	کتابُ العلاج (روحانی علاج)
۸۷	کُنوزُ الأسرار
۸۸	کوزۂ کوثر
۸۹	گلہائے بہشت
۹۰	گنجِ گرانمایہ
۹۱	لُبِّ لُباب
۹۲	لعل و گوہر
۹۳	مطالعۂ روحانیت و خواب
۹۴	معراجِ روح
۹۵	معرفت کے موتی (حصۂ اوّل)
۹۶	معرفت کے موتی (حصۂ دوم)
۹۷	مفتاح الحکمت
۹۸	مفید انٹرویو
۹۹	مناجاتِ علمی
۱۰۰	منصوبۂ کارنامہ
۱۰۱	میزان الحقائق
۱۰۲	میوۂ بہشت
۱۰۳	نقوشِ حکمت
۱۰۴	ولایت نامہ

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبرشمار	کتاب
۱۰۵	ہزار حکمت (تاویلی انسائیکلوپیڈیا)
۱۰۶	ہشت بہشت ☆
۱۰۷	ہفت دریائے نورانیت ☆
۱۰۸	یا علیؑ مدد
	بُروشسکی تصانیف
۱۰۹	اَسقُرکے بسیَ
۱۱۰	اِنایِ بُروشسکیَ
۱۱۱	بُروشسکیَ اُردو ڈکشنری ☆
۱۱۲	بُروشسکیَ بُرجونِک
۱۱۳	بُروشسکی جواہر پارے
۱۱۴	بُروشو بِرکِس
۱۱۵	بہشتے اَسقُرک
۱۱۶	دیئکَرن
۱۱۷	دیوانِ نصیری
۱۱۸	سوینۓ برِک
۱۱۹	شِموَل بوق
۱۲۰	منظوماتِ نصیری
۱۲۱	نغمۂ اسرافیلی
	فارسی تصانیف
۱۲۲	آئینۂ جمال
۱۲۳	جواہرِ معارف
	تراجم
۱۲۴	پیر پندیاتِ جوانمردی
۱۲۵	تجہیز و تکفین
۱۲۶	شرافت نامہ
۱۲۷	فصولِ پاک
۱۲۸	کتابُ الولایہ
۱۲۹	گلدستہ ای از گلزارِ مولویٔ معنوی
۱۳۰	گُلشنِ خودی
۱۳۱	مطلوب المومنین
۱۳۲	نورِ ایقان
۱۳۳	نورِ عرفان
۱۳۴	وجہِ دین (حصۂ اوّل)
۱۳۵	وجہِ دین (حصۂ دوم)
۱۳۶	وجہِ دین منتخب

☆ غیر مطبوعہ

Table of Contents

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

www.monoreality.org

ISBN 190344045-9

9 781903 440452